

تاریخِ ساداتِ بلگرام، مارہرہ مسولی و دیگر مشائخ کرام

مآثر الکرام تاریخ بلگرام

حسان الہند مورخ بے نظیر حضرت علامہ میر سید غلام علی آزاد بلگرامی قدس سرہ العزیز

مترجم و مرتب

مفتی محمد یونس رضا مونس اویسی

مرکز الدراسات الاسلامیۃ

جامعۃ الرضا

مرکز نگر متھرا پور سی بی گنج بریلی شریف یو پی (الہند)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ سادات بلگرام، مارہرہ، مسولی و دیگر مشائخ کرام

مآثرالکرام تاریخ بلگرام

مصنف

حسان الہند مؤرخ بے نظیر

علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی قدس سرہ السامی

مترجم و مرتب

حضرت علامہ مفتی محمد یونس رضا مونس اویسی

نائب صدر المدرسین جامعۃ الرضا بریلی شریف

ناشر

مرکز الدراسات الاسلامیۃ جامعۃ الرضا

رضا نگر، متھرا پور، سی، بی، گنج بریلی شریف یوپی الہند

تقسیم کار: دارالعلوم دعوۃ الصغریٰ، محلّہ میدانپورہ بلگرام شریف، ہردوئی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

کتاب : مآثر الکرام تاریخ بلگرام
مصنف : حسان الہند مؤرخ بے نظیر حضرت علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی
مترجم، مرتب : حضرت علامہ مفتی محمد یونس رضا مونس اویسی
نظر ثانی : حضرت علامہ مفتی محمد ارشاد ساحلؔ شہسرامی، علیگ
تصحیح : حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن نظامی، استاذ جامعۃ الرضا بریلی شریف
حضرت مفتی غلام انور، استاذ جامعہ امجدیہ، گھوسی مئو
بحکم : حضرت علامہ سید اویس مصطفیٰ واسطی قادری
سجادہ نشین خانقاہ عالیہ بلگرام شریف
باہتمام : شہزادۂ تاج الشریعہ حضرت علامہ محمد عسجد رضا قادری
ناظم اعلیٰ جامعۃ الرضا بریلی شریف
کمپیوٹر کمپوزنگ : عتیق احمد حشمتی (شجاع ملک) محمد توحید بیگ رضوی
مرکز کمپیوٹرس بریلی شریف
سن اشاعت : ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ء تعداد ۱۱۰۰
قیمت : Rs.
تقسیم کار : دار العلوم دعوۃ الصغریٰ، محلہ میدانپورہ بلگرام شریف

=ملنے کے پتے=

رضا اکیڈمی ممبئی، مکتبہ نعیمیہ دہلی، قادری بک ڈپو، قادری کتاب گھر، مکتبۃ المصطفیٰ برکاتی کتاب گھر نو محلّہ مسجد بریلی شریف، مکتبہ رحمانیہ، شاہ برکت اللہ اکیڈمی، مکتبہ تاج الشریعہ سوداگران بریلی شریف، واسطی کتاب گھر محلّہ میدانپورہ بلگرام شریف ہردوئی۔ مکتبہ حضور مفتی اعظم درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

فہرست مضامین

تہدیہ

(۱) سلطان الہند عطائے رسول جامع علوم وفنون حضرت علامہ شاہ خواجہ محمد معین الدین حنفی چشتی معروف بہ خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ، مرید و خلیفہ خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ۔

(۲) جانشین خواجۂ اعظم قطب الاقطاب سید الاولیا سند الاصفیا حضرت علامہ شاہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی علیہ الرحمہ، مرید وخلیفہ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ۔

(۳) فاتح بلگرام مجمع البحرین سید السادات حضرت علامہ شاہ سید محمد صاحب الدعوۃ الصغری علیہ الرحمہ، مرید و خلیفہ قطب الاقطاب حضرت بختیار کاکی اوشی علیہ الرحمہ۔

کی بارگاہ عالیہ میں نذر گدایانہ

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضاؔ
بول بالے میری سرکاروں کے

عقیدت کیش

مونس اویسی

نائب صدر المدرسین جامعۃ الرضا بریلی شریف

مدیر ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف

انتساب

(۱) خانقاہ عالیہ قادریہ محمدیہ، کالپی شریف ضلع جالون یوپی

(۲) خانقاہ عالیہ قادریہ چشتیہ رزاقیہ برکاتیہ، میدانپورہ بلگرام شریف، ہردوئی

(۳) خانقاہ عالیہ چشتیہ واحدیہ، سلہڑہ بلگرام شریف، ہردوئی

(۴) خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ، ایٹہ

(۵) خانقاہ عالیہ قادریہ رزاقیہ اسمٰعیلیہ مسولی شریف، بارہ بنکی

(۶) خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ نوریہ، بریلی شریف

کے اساطین فضیلت وروحانیت کے نام

عقیدت کیش

مونس اویسی

نائب صدر المدرسین جامعۃ الرضا بریلی شریف

مدیر ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف

پیش لفظ

ملک ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش میں واقع ضلع ہردوئی کا قصبہ ''بلگرام'' چہاردانگ عالم میں دینی، روحانی، علمی وادبی، تاریخی وجغرافیائی اعتبار سے مشہور ومعروف ہے، ساتویں صدی ہجری سے بلگرام روحانی تزکیہ وتصفیہ کا مرکز اور شعروادب اور علم ومذہب کا گہوارہ ہے، بلگرام دعوت دین حق اور اقامت دین مبین کا سرچشمہ ہے، اکابر شیوخ نے اسے اپنی دعوتی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز ومسکن بنایا، اتر پردیش میں بلگرام کو دینی وروحانی راجدھانی ہونے کا شرف حاصل ہے۔

بلگرام کے تاریخی پس منظر اور جغرافیائی محل وقوع کے ساتھ یہاں کا پاکیزہ ماحول، صحت بخش آب وہوا، باغات ومناظر، زرخیز مٹی، اسلامی، روحانی، تہذیبی اور معاشرتی اقدار نے ابنائے وقت کو اپنی جانب متوجہ کیا، اور آج بھی یہ نورانی سرزمین علم رنگ وبو میں اہل نظر، اہل دل، تصوف کے طالب علموں کے لئے ''مرکز'' کا درجہ رکھتی ہے۔

اتر پردیش گورنمنٹ گزیٹر میں ہے:

"Bilgram, the headquarter town of the Tahseel of the same name, lies in lat: 27.11.^{0}N, and long: 80.02^0 E, on the old high bank of the Ganga, about 26 Km south-west of Hardoi"

(بلگرام، اسی نام کی تحصیل کا صدر مقام ہے، ۲۷.۱۱ درجہ عرض البلد شمالی اور ۸۰.۲ درجہ طول البلد شرقی پر، گنگا کے قدیم بلند کنارے پر، ہردوئی سے تقریباً ۲۶ کلومیٹر

علامہ کی سوانح: مآثر الکرام، مرأۃ الجمال، روضۃ الکرام، نظم اللآلی، یاد حسن، سیدین نمبر، غلام علی آزاد بلگرامی ومساھمتہ فی اثراء اللغۃ العربیۃ وآدابھا، ماہنامہ ماہ نور، اکتوبر ۲۰۰۶ء کی مدد سے لکھی گئی ہے۔ اویسی غفرلہ

جنوب مغرب میں واقع ہے)

شہزادۂ احسن العلما عالی مرتبت حضور سید محمد اشرف قادری برکاتی صاحب اپنی کتاب ''یاد حسن'' میں ، فاتح بلگرام اور تعریف بلگرام اور بلگرام کی وجہ تسمیہ کی بابت لکھتے ہیں:-

بلگرام ہندوستان کے صوبہ اودھ کا مشہور و معروف مردم خیز قصبہ ہے۔آج کل ضلع ہردوئی کے توابع میں ہے۔اس کا طول البلد ایک سوسولہ درجے اور پندرہ دقیقے اور عرض البلد چھبیس درجے، پچپن دقیقے، سمت قبلہ پچپن دقیقے، مغرب سے شمال کی جانب مسافت بلگرام اور مکۂ مکرمہ کے درمیان پینتیس / درجے ترپن دقیقے اور فرسخوں کے اعتبار سے فاصلۂ بلگرام اور بلد الحرام کے درمیان سات سونواسی فرسخ ہے۔اس کا نام پہلے وہاں کے راجہ کے نام پر سری نگر تھا۔حضرت شاہ حمزہ صاحب ''فص الکلمات'' میں لکھتے ہیں کہ اس وقت تک بھی یہ نام عوام اور ہندوؤں کی زبان پر جاری تھا۔حضرت جدی صاحب البرکات قدس سرہ نے بھی اپنے ہندی دوہے میں فرمایا۔

ہم باسے سری نگر کے، آئے بسے سب چھور
مارہرے سے نگر موں جہاں ساہ نہیں چور

ہم پورب کے پوربیا جات نہ بوجھے کوئے
جات پات سو بوجھئے جو دُھر پورب کا ہوئے

ہمارے حضرت جد اعلیٰ سید محمد صغریٰ نے بعد فتح بلگرام کو مرکز دائرہ اسلام بنا کر اس کا نام سری نگر سے بدل کر بلگرام رکھ دیا (فص ماثر) اور پھر یہی مشہور ہو گیا، یہاں تک کہ اب کوئی سری نگر نہیں کہتا۔

فقیر کہتا ہے شاید اس نام سے موسوم اس لئے کیا گیا ہے کہ بعد کے لوگوں کو یہ نام شوکت وقوت اسلام کی یاد دلاتا رہے۔یہ بتاتا رہے کہ وہ مقام جو ''بیل''

ایسے دیولعین کا ''گرام'' شہر وجائے قیام تھا۔آج بفضلہ تعالیٰ وبحولہ وقوتہ جل جلالہ نزہت کدۂ شعائر اسلام ہے۔اس لئے کہ یہ نام مرکب ہے دولفظوں سے ایک بیل، دوسرا گرام بمعنی مقام وشہروآبادی۔اور بیل ایک دیوملعون کا نام تھا جسے اس زمانے کے جوگی اور ساحر جو بلگرام میں بہت رہتے تھے،کوہستان کشمیر سے پوجا پاٹ اور جادو کے ذریعے سے تسخیر کرکے اپنی مدداور اعانت کے لئے یہاں لائے اور اسے یہاں رکھا تھا۔یہ شیطان لعین ایسا زبردست تھا کہ دور دور تک اپنے مخالف کو نہ رہنے دیتا اور سوائے اپنی پوجا کے کسی کی پوجا نہ ہونے دیتا۔اگر کوئی اسے نہ پوجتا تو اسے آزارواذیت پہنچاتا۔حضرت خواجہ عماد الدین بلگرامی قدس سرہ نے حضرت سید محمد صغریٰ کے بلگرام فتح کرنے سے چند سال پہلے اپنی قوت باطنی اور زور روحانی سے بحول وقوت الٰہی اس دیولعین کو خاک کرڈالا۔ جب یہ خبر راجہ بلگرام کو پہنچی ،اس نے چاہا کہ حضرت خواجہ پر فوج کشی کرے۔اس کے مشیروں نے سمجھایا کہ ہم نے اپنی پوتھیوں میں دیکھا ہے کہ ایک زمانہ میں اس سرزمین پر مسلمان چھائیں گے اور جوان سے مقابلہ کرے گا وہ بجز ذلت ونا کامی اور کچھ نتیجہ نہ پائے گا۔لہٰذا ان درویش سے تعرض کرنا نہ چاہئے جو ایسے زبردست ہیں کہ جس بیل دیوملعون کے بل بوتے پر ہم کودتے تھے،اسے انہوں نے ایک دم میں نابود کرڈالا۔تیری کیا طاقت ہے جوان سے مقابلہ کرسکے گا۔آخر راجہ نے فوج کشی سے باز آکر ایک جوگی کو جو سحر ساحری میں طاق تھا،حضرت کے مقابلہ میں بھیجا۔حضرت کے سامنے اُس نے کچھ سحر کے شعبدے دکھائے جنہیں حضرت نے بحول وقوۃ الٰہی دفع کر دیا۔آخر وہ جوگی مشرف بہ اسلام ہوکر راجہ کے پاس واپس گیا اور اپنے سحر کی بے اثری اور حضرت کے زور باطن اور دین اسلام کی بزرگی وقوت بیان کرکے راجہ کو دعوت اسلام دی۔اس سے راجہ غصہ ہوکر بولا،تو پرانا رفیق ہے ورنہ میں تجھے مرواڈالتا۔اس نے کہا تیری کیا طاقت ہے جو مجھے

مرواڈالے۔ میں نے ایسے برگزیدۂ حق کا ہاتھ پکڑا ہے کہ تیرے ایسے ہزاروں اس کے سامنے خس برابر ہیں۔ اور وہاں سے آکر حضرت خواجہ صاحب سے اس راجہ مغرور کے تعصب کفر کا حال بیان کر کے اس کے قلع قمع کے لئے عرض کیا۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا: اس بیل دیو لعین کو مار ڈالنا تو فقیر کے ہاتھ سے مقدر تھا جو واقع ہوا اور اس کافر راجہ کا استیصال بھی کچھ دشوار نہیں۔ مگر تقدیر الٰہی میں یوں جاری ہو چکا ہے کہ ولایت سے ایک سید مسلمانان اہل عرب کی فوج کے ساتھ آکر راہِ حق میں جہاد کرے گا اور ان کافروں کو ان کے مقر اصلی جہنم میں پہنچائے گا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد حضرت سید محمد صغری نے آکر بلگرام فتح فرمایا اور اسے اسلام آباد کر دیا (نظم اللآلی) جہاں سے بڑے بڑے اکابر اولیا و علما و فضلا و کملا مثل حضرت سید شاہ بڈھ بلگرامی و حضرت میر عبد الواحد بلگرامی صاحب سبع سنابل و حضرت طیب و حضرت سید العارفین شاہ لدھا بلگرامی و علامہ سید عبد الجلیل بلگرامی و حضرت حسان الہند مولانا غلام علی آزاد اور حضرت علامہ زماں سید مرتضٰی بلگرامی زبیدی یمنی صاحب تاج العروس شرح قاموس وغیرہم اجلۂ اکابر نامدار اٹھے، جن کے فضائل و کمالات علمی و عملی آج بھی دانگ عالم میں مشہور و معروف ہیں۔ جب ہی تو میر سید محمد متخلص بہ شاعر خلف علامہ نامی میر عبد الجلیل بلگرامی مدح بلگرام میں فرماتے ہیں:

سیر باید کرد یاراں نو بہار بلگرام
برز مرد ناز دارد سبزہ زار بلگرام ......الخ

اور خود علامہ بے عدیل میر عبد الجلیل بلگرامی مثنوی امواج الخیال میں جو تعریف بلگرام میں لکھی، فرماتے ہیں:

آب و گل من کہ فیض و عام است
از خطۂ پاک بلگرام است ......الخ

اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں:

اللہ اللہ عز و شان و احترام بلگرام

عبد واحد کے سبب جنت ہے نام بلگرام ......الخ

(یاد حسن از: شہزادۂ احسن العلماء حضرت اشرف میاں)

اور حضرت سید فرزند احمد صفیر بلگرامی نے دو نظمیں بلگرام کی تعریف میں تحریر فرمائی ہیں ایک نظم حاضر خدمت ہے:

ہے وطن اے دل ہمارا بلگرام ۔ ہم کو ہو کیونکر نہ پیارا بلگرام
تجھ میں رہنا ہے گوارا بلگرام ۔ ہوا گر دل کا سہارا بلگرام
سب مقاموں میں دلارا بلگرام ۔ سب میں ہیں ساکن وہاں کے متصف
خلد پنہاں آشکارا بلگرام ۔ دو مقام اعجوبہ ہیں پیدا ہوئے
خطہ یوناں ہے سارا بلگرام ۔ ماہران علم و فن کی جا ہے یہ
تا کہ ہو تجھ کو گوارا بلگرام ۔ اس کی ہم اعداد لفظیں ہم سے سن
صابر اے دل ہے ہمارا بلگرام ۔ موج دریائے حیا نزدیک رب
معنوی یوناں ہے سارا بلگرام ۔ ہم عدد ہے دیکھ ارباب ولا
اب تو اس فرقت نے مارا بلگرام ۔ پھر ہوں میں مشتاق تیری دید کا
ہے سخن تکیہ ہمارا بلگرام ۔ نام کی اس کے جورٹ ہے رات دن

مولد و مسکن وطن ہے اے صفیرؔ
تین جا مارہرہ آرا بلگرام

صاحب روضۃ الکرام ''بلگرام'' کے بابت رقمطراز ہیں:

سید محمد صغریٰ کے تشریف لانے سے پہلے بلگرام کا نام ''سری نگر'' تھا اور دیہات کے لوگ اب تک اس کو نگر کہتے ہیں۔ بیل ایک جوگی تھا جو سری راجہ کا گرو تھا اور اسی کے نام کی مناسبت سے بیل گرام اس آبادی کا نام ہوا۔ جو کثرت

استعمال سے بلگرام ہوگیا۔ بیل کا قیام قصبہ کا جنوب ومشرق کے گوشے میں ایک ٹیلہ پر بتایا جاتا ہے۔ اس مقام پر اب ایک محلّہ آباد ہے جس کا نام ''بیل'' ہے۔ میر عبد الواحد قدس سرہ نے فرمایا ہے۔

چو آمد دریں خاک سید انام ☆ سری نگر را نام شد بلگرام

شہنشاہ اکبر کے دور میں بلگرام عروج پر تھا جو انگریزوں کی حکومت تک قائم رہا۔ بڑے بڑے فضلا ومشائخ ابھرے اور علم وفضل کی دنیا میں انہوں نے نمایاں مقام حاصل کیا۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں کی مرکزی حکومت کے زوال سے مسلمانوں کا ہر میدان متاثر ہوا اس زبوں حالی اثرات سے سرزمین بلگرام بھی محفوظ نہ رہ سکی۔

بلگرام کے بزرگوں کا بیشتر علمی خزانہ منتشر ہوگیا۔ جن میں کچھ ضائع ہوگیا۔ کچھ لکھنؤ وحیدرآباد میں فروخت ہوگیا اور ایک معتد بہ حصہ انگریزوں نے یورپ منتقل کردیا۔ افسوس جتنا بھی سرمایہ رہا، ہم اسے بھی عام نہ کرسکے۔ حسان الہند، مورخ بے نظیر، فاضل جلیل، شیخ وقت حضرت علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ اسی سرسبز وشاداب اور زرخیز مٹی کی پیداوار ہیں۔ اس کتاب میں علامہ نے دو مقام پر اپنا تعارف کرایا ہے۔ ہم ان کے مختصر حالات انہیں کی بیان کردہ تفصیلات سے تلخیص وتشریح کے ساتھ حاضر کرتے ہیں۔

نسب پدری : علامہ غلام علی آزاد بن سید نوح بن سید فیروز بن اللہ داد بن سید امان اللہ بن محمود ثانی بن سید حسین بن سید نوح بن سید محمود اول بن سید خداداد بن سید لطف اللہ بن سید سالار بن سید حسین بن سید نصیر بن سید حسین بن سید عمر بن سید محمد صاحب الدعوۃ الصغریٰ بن سید علی بن سید حسین بن سید ابو الفرح ثانی بن سید ابو الفراس بن سید ابو الفرح واسطی قدس سرہٗ بن سید داؤد بن سید حسین بن سید یحییٰ بن سید زید بن سید علی بن سید حسن بن سید علی عراقی بن سید حسین بن سید علی بن

سید محمد بن سید عیسیٰ موتم الاشبال بن زید شہید بن امام زین العابدین بن سیدنا امام حسین شہید سبطِ (رسول) بن امام ہمام اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب زوج فاطمہ الزہراء بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نسب مادری: علامہ سید غلام علی آزاد بن دختر علامہ سید عبدالجلیل بن سید احمد بن سید عبداللطیف بن سید محمود ثانی الخ۔

ولادت باسعادت:

آپ کی ولادت باسعادت ۲۵؍صفر المظفر ۱۱۱۶ھ کو بلگرام شریف میں ہوئی، آپ کی نشو ونما یہیں ہوئی، آپ نے ایسے ماحول میں بچپن اور عنفوان شباب کی منزلیں طے کیں جہاں روحانیت ہی روحانیت تھی، علم و فضل کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ دادھیال اور نانیہال دونوں طرف سے صغروی تھے جن میں شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت کے امام مجمع البحرین مشائخ معرض وجود میں آتے رہے ہیں۔ خاندان کا پورا ماحول، دینی، اسلامی، روحانی تھا، جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ علامۂ وقت ثابت ہوئے۔ آپ کا خاندان، خاندان بھتیا سے مشہور ہے۔ آپ کے اجداد میں حضرت علامہ سید محمود اول علیہ الرحمہ ہیں، انہیں کی وجہ سے آپ کا خاندان بھتیا کہلاتا ہے اسکی وجہ یہ ہے، صاحب روضۃ الکرام صفحہ ۶۹؍ پر لکھتے ہیں: سید محمود اول کی اولاد بھتیا کے لقب سے مشہور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سید محمود بہت بڑے عامل تھے اور تسخیر جنات میں خاصی مہارت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حاکم بلگرام کے ملازمین سید صاحب کے باغ میں گئے اور بلا اجازت آم توڑنے شروع کئے۔ مالی نے منع کیا مگر وہ حکومت کے زعم میں کب سننے لگے۔ اتفاق سے بقدرت خدا پتھر برسنا شروع ہوئے اور اس قدر پتھر برسے کہ حاکم کے ملازمین زخمی ہوگئے اور ناکام واپس جاکر انہوں نے حاکم وقت کو خبر کی۔ وہ اس کرامت کے ظاہر ہونے سے بہت مرعوب ہوا اور سید صاحب کی خدمت

میں حاضر ہو کر عذر خواہی کی۔ پہلے یہ باغ بھتہا مشہور ہوا۔ سید محمد اول کی قبر اسی باغ میں ہے۔ انکی اولاد بھتہا کہلانے لگی۔

آپ نے خود اپنا تعارف اس کتاب میں اس طرح کرایا:

”نسباً حسینی، اصلاً واسطی، مولد او منشا بلگرامی، مذہبا حنفی، طریقۃً چشتی“ مرأۃ الجمال، سبحۃ المرجان، خزانۂ عامرہ وغیرہ میں بھی انہیں لفظوں میں اپنا تعارف پیش کیا۔

تعلیم و تربیت: آپ کی تعلیم و تربیت خاندان ہی میں ہوئی، اعلیٰ خاندان میں پیدا ہونا اس پر مستزاد شیوخ وقت سے تربیت پانا نتیجۃً باکمال عادات و اطوار، اخلاق و آداب سے مزین ہونا ہے جو علامہ آزاد بلگرامی میں بدرجۂ اتم تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی تحصیل علم میں مصروف ہو گئے اور استاذ المحققین حضرت علامہ میر سید محمد طفیل بلگرامی (جن کا ذکر علامہ نے بڑی نیاز مندانہ انداز میں فرمایا ہے اور یہ بھی بتایا کہ اس دور میں اکثر حضرات علامہ کی شاگردی اختیار کرتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں) سے ابتدا تا انتہا کتب درسیہ علی الترتیب پڑھیں۔ آپ کے خالہ زاد بھائی علامہ سید محمد یوسف قدس سرہ آپ کے ہم سبق ہیں۔ اپنے نانا حضرت علامہ میر عبد الجلیل بلگرامی علیہ الرحمہ اور اپنے ماموں حضرت علامہ میر سید محمد علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھی تلمذ کیا۔

حرمین شریفین میں حضرت شیخ محمد حیات سندی مدنی (ف ۱۱۶۳ھ) سے صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث کا درس لیا اور حضرت شیخ عبد الوہاب طنطاوی شافعی مصری (ف ۱۱۵۷ھ) نزیل مکہ معظّمہ سے بھی احادیث میں اکتساب فیض کیا ہے۔

آپ نے کن کن اساتذہ سے کون کون سے فنون کی تحصیل کی ان کا ذکر بھی کیا ہے جیسا کہ خود نوشت سوانح یا ان کے اساتذۂ کرام کے ذکر میں مذکور ہے۔

آپ کو ”حدیث مسلسل بالاولیۃ“ اور ”حدیث الاسودین، التمر والماء“ اور

اکثر کتب احادیث کی اجازت حضرت علامہ میر عبدالجلیل بلگرامی علیہ الرحمہ اور حضرت شیخ محمد حیات سندی مدنی سے صحاح ستہ ودیگر کتب احادیث سے حاصل تھی۔ چنانچہ اپنے نانا جان کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

''بندہ اور میر محمد یوسف کہ ہم دونوں حضور کے حقیقی نواسے ہیں، شرف تلمذ سے سعادت اندوز ہوئے اور دونوں نے سند حدیث مسلسل بالاولیۃ اور حدیث الاسودین اور اکثر کتب احادیث کی اجازت حاصل کیں''۔

نیز اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''مدینہ منورہ علیہ التحیۃ والثناء میں شیخنا واستاذنا مولانا شیخ محمد حیات سندی مدنی حنفی قدس سرہ کی خدمت میں بخاری کی قرأت کی اور صحاح ستہ اور مولانا کی تمام مفردات کی اجازت بھی حاصل کی''۔

ارادت و خلافت: آپ جس خاندان کے پروردہ ہیں، اس میں لازمی امر تھا کہ تصوف وروحانیت، تزکیہ باطن، مجاہدہ کی طرف میلان ہو۔ اسی سرشار جذبہ کے ساتھ اپنا دست بیعت، چشتیت وقادریت کے شیخ کامل سید العارفین، سند الکاملین حضرت علامہ شاہ سید لطف اللہ عرف لدہا بلگرامی کے دست پاک میں دے کر سلسلہ چشتیہ میں داخل ہو گئے اور سید العارفین قدس سرہ کی جانب سے سلاسل کی اجازت سے نوازے گئے۔

آپ نے سید العارفین کا ذکر بڑے اچھے انداز میں فرمایا ہے۔ سید العارفین کی شخصیت وہ ہے کہ اس دور کے فضلا ومشائخ آپ کی تربیت پر فخر کرتے اور دست بیعت دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ فضل اللہ کالپوی علیہ الرحمہ نے بھی آپ سے استفادہ کیا ہے اور مارہرہ مطہرہ کی خانقاہ جس کی شخصیت سے مشہور و معروف ہے یعنی حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی قدس سرہ بھی ابتدا تا سن کہولت آپ کی تربیت میں رہے اور اجازت پائی ہے۔

اخلاق و عادات: آپ کے اخلاق وعادات، اخلاق نبوت کا عکس جمیل تھے۔ آپ فقر وتصوف کے رمز شناس اور مزین عادات و اطوار کے امین تھے۔آپ عشق نبی سے سرشار رہتے تھے،صوفیائے کرام،اولیائے عظام کی شان سے متصف تھے۔آپ نے اپنے دین و دنیا کو حضرت سید العارفین قدس سرہ کے فرمان کے مطابق رکھا۔آپ پوری زندگی تعلیم وتعلم اور تصنیف و تالیف اور خدمت خلق میں مصروف رہے۔

شان استغنا: آپ کے مراسم وتعلقات بڑے بڑے امراءاور شاہان زمانہ سے رہے مگر کبھی دنیا طلبی کے لئے اسے استعمال نہ فرمایا۔بے شمار مواقع حصول دنیا کے میسر آئے مگر ہمیشہ مسلک صوفیا پر عامل رہے۔اسی میں اپنے تذکرے میں رقمطراز ہیں:

”فقیر کو نواب نظام الدولہ ناصر جنگ شہید خلف نواب آصف جاہ سے عجیب تعلق خاطر پیدا ہو گیا تھا،اور اتنی دوستی آپس میں ہو گئی تھی کہ جس سے زیادہ کا تصور نہیں ہوسکتا۔جب نواب نظام الدولہ باپ کی رحلت کے بعد مسند تولیت پر رونق افروز ہوئے،تو بعض دوستوں نے بتایا کہ اب تم جو رتبہ چاہو مل سکتا ہے،کوئی عہدہ لے لو اور وقت کو غنیمت جانو،میں نے کہا کہ میں آزاد ہو گیا ہوں،مخلوق کا بندہ نہیں بنوں گا۔دنیا نہر طالوت میں پڑی ہوئی نظر آتی ہے اور اس میں سے صرف ایک ہی چلو حلال ہے اس سے زیادہ حرام اور یہ شعر پڑھا۔

دریں دیار کہ شاہی بہر گدا بخشند ☆ غنیمت است کہ مارا ہمیں بہ ما بخشند“

اساتذہ کی عنایتیں: استاذ المحققین علامہ میر سید محمد طفیل بلگرامی،خاص عنایت فرماتے تھے،حضرت شیخ عبدالوہاب کے بابت آپ لکھتے ہیں:

شیخ عبدالوہاب علیہ الرحمہ نے فقیر (آزاد) کے عربی اشعار کی بے حد تحسین فرمائی اور جس وقت بندہ کا تخلص آزاد سنا اور اس کا معنی سمجھا،فرمایا: یا سیدی انت من عتقاء اللہ یعنی اے مرے آقا آپ اللہ کے آزاد کردہ ہو۔

آپ اپنے استاذ نانا جان کی نوازشات پر لکھتے ہیں:

''راقم الحروف آنجناب کا حقیقی نواسہ ہے اور اس آفتاب سے بھیک مانگنے والا ایک ذرہ ہے۔ مجھ ناچیز کے حال پر بہت مہربان تھے۔ دارالخلافہ شاہجہاں آباد کی ملازمت کے زمانے میں دوبار فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ تمہارے وجود کیلئے کوئی نشانی مجھ سے باقی رہے''۔

آپ نے اپنے نانا جان کی شان میں ایک قصیدہ عربی زبان میں لکھا ہے جو کہ حضرت علامہ میر عبدالجلیل کے تذکرے میں درج ہے۔ اس قصیدہ سے متعلق فرماتے ہیں: امیدوار ہوں کہ یہ حقیر ہدیہ روح فیضان بخش نظر میں مقبول ہو جائے۔ اس قصیدہ سے متعلق مولانا سید مصطفیٰ سورتی فرماتے ہیں: یہ قصیدہ حق رکھتا ہے کہ اس پر رشک کیا جائے۔ اس قصیدہ کی شرح ایک عرب سید احمد امام زادۂ یمن نے فرمائی۔ علامہ آزاد کی ان سے ملاقات رہی ہے۔

سیاحت: آپ نے تعلیمی مراحل مکمل کرنے کے بعد تاریخی مقامات کی سیر فرمائی، تاکہ عجائب خداوندی کا مشاہدہ کریں اور فانی زندگی کے سامان عبرت ملاحظہ کریں: آپ نے دہلی وغیرہا بالخصوص ناصر جنگ کے ساتھ دکن کے کئی شہروں کی سیر کی اور آخری آرامگاہ کیلئے بھی اسے ہی پسند فرمایا، چنانچہ آپ وہیں مدفون ہیں۔ آپ کے نانا جان سندھ کے اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ جب ماموں جان میر سید محمد علیہ الرحمہ نے اپنے والد کی جگہ سنبھالی تو آپ کو بلایا اور اپنا قائم مقام بنا کر بلگرام تشریف لے گئے۔ آپ چار سال تک بحسن وخوبی تمام ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے۔

اہل و عیال: آپ نے سنت نبوی علیہ السلام پر عمل کرتے ہوئے نکاح فرمایا۔ آپ کے صرف ایک صاحبزادہ حضرت سید نور الحسین ہیں اور ان کے بھی ایک شہزادہ ہیں حضرت مفتی امیر حیدر علیہ الرحمہ۔ مفتی صاحب کی تین اولاد ہیں۔

ایک صاحبزادی جو حضرت ابو محمد بن ابوتراب کو منسوب ہوئیں اور دوسری دختر حضرت آل حسن بن دربان علی کو منسوب ہوئیں اور ایک صاحبزادہ حضرت امیر حسن علیہ الرحمہ ہیں جو لاولد وصال فرما گئے۔اس طرح حضرت علامہ علیہ الرحمہ کی نسل نرینہ پر پوتے پر ختم ہو جاتی ہے۔

درس وتدریس: آپ نے درس وتدریس کی انجمن بھی سجائی، بے شمار لوگوں نے آپ کے علم وفضل سے استفادہ کیا ہے۔آپ کے تلامذہ میں میر عبدالقادر مہربان اورنگ آبادی، عبدالوہاب افتخار، ضیاء الدین پروانہ، لچھمی نرائن شفیق صاحب گل رعنا وغیرہ ہیں۔

معاصرین: حضرت شاہ سید قمر الدین حسینی، حضرت شاہ عارف الدین خاں بلخی، حضرت شاہ سراج الدین خاں سراج، حضرت میر محمد ہاشم جرأت وغیرہ ان کے تلامذہ اور معاصرین کے حالات ڈاکٹر غلام زرقانی صاحب کے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں ملاحظہ کرسکتے ہیں۔

تصانیف: علامہ آزاد بلگرامی نے رواں فکر اور سیال قلم پایا تھا، اس لئے نثر ونظم میں آپ نے خاصے قلمی آثار اپنی یادگار چھوڑے۔ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی نے اپنے مضمون ''حسان الہند علی آزاد چشتی بلگرامی شخصیت وشاعری (مشمولہ ماہنامہ ماہ نور دہلی اکتوبر ۲۰۰۶ء) میں علامہ کی تصنیفات پر جامع گفتگو کی ہے چنانچہ وہ رقمطراز ہیں:

آزاد نے عربی و فارسی میں بہت سی نثری اور شعری کتابیں تصنیف کیں، اردو کے بعض اعمال بھی ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں لیکن ان کی صحت مشکوک ہے۔البتہ یہ ہرگز بعید از قیاس نہیں ہے کہ انہوں نے اردو، ہندی میں کچھ لکھا یا کہا ہو، کیوں کہ ان کی خاندانی روایت اور طبیعت دونوں سے ہم آہنگ ہے۔

فارسی: آزاد کی فارسی کی نثری تصنیفات میں مآثر الکرام (ڈیڑھ سو سے زائد علما و مشائخ بلگرام کا تذکرہ، چند غیر بلگرامی حضرات کا بھی ذکر ہے)، خزانۂ عامرہ (تقریباً ۱۳۵ر شعرائے فارسی کا تذکرہ)، سروآزاد (تذکرۂ شعرائے فارسی و ہندوی) روضۃ الاولیاء (خلدآباد میں مدفون اولیاءاللہ کا تذکرہ) وغیرہ (مطبوعات) اور سند السعادات فی حسن خاتمۃ السادات (رضا لائبریری، رامپور، سیرت و مناقب ر۱۱) غزلان الہند (سبحۃ المرجان کے آخری دو بابوں کا فارسی ترجمہ)، ید بیضاء (فارسی شعراء کی سوانح عمریاں) شجرۂ طیبہ (سادات و شیوخ بلگرام کا شجرہ)، انیس المحققین (آزاد کے شیخ اور دوسرے تین صوفیا کی سیرت) اور تذکرۂ صوبہ داران اودھ، وغیرہ (مخطوطات) ہیں۔

فارسی شاعری میں دیوان آزاد، بیاض آزاد (ترتیب)، قصائد آزاد، مثنوی تتمہ امواج خیال، مثنوی سراپائے معشوق وغیرہ ہیں۔

عربی: ۱۔سبحۃ المرجان فی آثار ہندستان، آزاد کی سب سے مشہور تصنیف ہے اور آزاد کی زندگی میں ہی اسے شہرت مل گئی تھی۔ یہ کتاب چار فصلوں پر مشتمل ہے۔

فصل اول: تفسیر وحدیث میں وارد ہندستان کے تذکرے سے عبارت ہے۔آزاد نے اس موضوع پر پہلے ایک مستقل رسالہ لکھا تھا جسے بعد میں کچھ اضافات کے ساتھ اس کتاب میں ضم کردیا۔

دوسری فصل: ہندستان کے چند علما کا تذکرہ ہے۔

تیسری فصل: محسنات کلام کے موضوع پر ہے۔

چوتھی فصل: عشاق ومعشوقات اور ان کے انواع واقسام پر مشتمل ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا بالکل انوکھا موضوع ہے۔کتاب کی پہلی طباعت ممبئی سے ۱۳۰۳ھ ۱۸۸۵ء میں ہوئی۔ دوسری طباعت ادارۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ۱۹۷۶ء میں ڈاکٹر فضل الرحمان سیوانی ندوی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی۔

۲-ضوء الدراری شرح صحیح البخاری، بخاری شریف کی کتاب الزکوٰۃ تک کی شرح ہے، جسے امام قسطلانی کی ارشاد الساری سے ملخص کیا ہے اور بہت سے علمی نکات وفوائد کا اضافہ کیا ہے۔اس کا قلمی نسخہ ندوہ لائبریری (مجموعہ نورالحسن،نمبر ۳۶۴) میں موجود ہے۔

۳-تسلیۃ فوادفی قصائد آزاد،بعض قصائد و مراثی کا مجموعہ ہے اور جن شخصیات کے لئے یہ کہے گئے ہیں،ان کے سوانحی خاکے بھی کتاب میں شامل ہیں۔اس کا قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی میں آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات (جواہر میوزیم ۷۰/اوراق) اور مکتبہ عارف بک مدینہ منورہ میں موجود ہے۔

۴-شفاء العلیل ،اس کتاب میں مشہور عربی شاعر متنبّی متوفی ۳۵۴ھ کی شاعری پر آزاد کی تنقیدات واصلاحات ہیں۔آزاد نے اس کتاب میں ناقد اور مصلح دونوں کا کردار ادا کیا ہے اور اس لحاظ سے متنبّی پر اپنے نوعیت کی یہ واحد کتاب ہے۔آزاد نے اس میں واحدی کی شرح پر اعتماد کیا ہے۔پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب نے اس کا ایک معتد بہ حصہ اپنی عالمانہ تحقیقات کے ساتھ مرکزی حکومت کے عربی رسالے ''ثقافۃ الہند'' میں شائع کیا ہے۔قلمی نسخہ آصفیہ حیدرآباد (رقم:۱۱۳۰) میں موجود ہے۔

۵-کشکول،آصفیہ،حیدرآباد(رقم:۲۴۲)

اسماعیل پاشا بغدادی،کحالہ اور ڈاکٹر جمیل احمد نے ان کی کچھ اور نثری تصنیفات کے نام دئے ہیں،جیسے،الأمثلۃ المترشحۃ من القریحۃ، لیکن اول الذکر غالباً کوئی کتاب نہیں ہے بلکہ سبحہ میں موجود ان کی خودنوشت سوانح کی ایک عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ بھی کسی تصنیف کا نام ہے۔

عربی شاعری:عربی شاعری آزاد کا اصلی میدان ہے۔عربی میں ان کے ایک دو نہیں بلکہ دس دواوین ہیں۔جن میں سے صرف چار مطبوعہ ہیں۔پہلا اور

تیسرا مطبع کنز العلوم حیدر آباد سے شائع ہوا ہے اور دوسرا حیدر آباد ہی کے ایک مطبع لوح محفوظ سے شائع ہوا ہے۔ ان میں سے کسی پر تاریخ طباعت مذکور نہیں۔ چوتھا دیوان فارسی کے طرز پر مردف اور پانچواں مستزاد ہے، چھٹا دیوان ۹۳/۱۱۹۲ھ میں کہے جانے والے قصائد پر مشتمل ہے جبکہ ساتویں میں ۹۴/۱۱۹۳ھ کے قصائد ہیں۔ ان ساتوں دواوین کو خود آزاد نے ایک جلد میں جمع کر کے اسے ''السبعۃ السیارۃ'' کا نام دیا تھا جو قلمی نسخے کی شکل میں ندوہ کی لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں (زیر رقم: ۱۴۴۴) موجود ہے۔ آٹھواں دیوان کا قلمی نسخہ آزاد لائبریری علی گڑھ کے سبحان اللہ کلکشن میں موجود ہے۔ نواں دیوان مطبوعہ ہے اور شاعر کے تجویز کردہ 'تحفۃ الثقلین' کے نام سے ۱۲۹۴ھ میں مطبع نور الانوار آرہ سے شائع ہوا ہے۔ دسواں دیوان بھی علی گڑھ میں ہے۔ بعض مصادر کے مطابق انہوں نے اپنے نعتیہ قصائد کو ''ارج الصبا فی مدح المصطفی'' کے نام سے ایک جلد میں جمع بھی کیا تھا۔

ان دواوین کے علاوہ ''مرآۃ الجمال'' کے نام سے ۱۰۵/اشعار کا ایک نونیہ قصیدہ ہے جس میں سر سے پیر تک محبوب کا وصف بیان کیا ہے اور ہر عضو کا چار مصرعوں میں ذکر کیا ہے، یہ قصیدہ شاعر کی ندرت بیانی کا ایک شاہکار ہے، جس میں کوئی شاعران کے شریک نہیں۔

آزاد کو خود بھی اس اختراع کے انوکھے پن کا خوب ادراک و احساس تھا۔ فرماتے ہیں:

مان سمعنا مثلها عن شاعر ☆ آزاد للطرز المنشط بان

اس قصیدے کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری بانکی پور (پٹنہ) میں ہے۔ (نمبر: ۲۶۴۱)

ان کی ایک طویل عربی نظم مظہر البرکات کے نام سے بھی ہے جو ۳۵۰۰/

اشعار پر مشتمل ہے، یہ نظم مثنوی کے وزن پر ہے اور نازک خیالی، شیریں مقالی اور سادہ بیانی کا ایک خوبصورت نمونہ ہے۔ اس مثنوی میں سات دفتر ہیں، ہر ایک کا آغاز حمد سے ہوتا ہے اور اس کا موضوع صوفیانہ حکایتیں اور اخلاقی کہانیاں ہیں۔ یہ مثنوی مطبع عزیزیہ، حیدر آباد سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر شلقامی کے مطابق ان تمام عربی اشعار کی تعداد تقریباً ۱۷۰۰۰ رہے"۔

اور صاحب روضۃ الکرام نے علامہ کے ۱۵ر تصانیف کا ذکر کیا ہے، ان میں ایک یہ ہے "ذکر الہند فی الصحف المکرّمہ"۔ یہ کتاب علامہ نے عربی زبان میں تحریر فرمائی ہے جو ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔

قابل ذکر خصوصیات:

زیر نظر کتاب "مآثر الکرام تاریخ بلگرام" علامہ کی فارسی تصانیف میں کافی شہرت رکھتی ہے۔ یہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں حضرات صوفیا اور علما کا تذکرہ ہے اور دوسرے حصے میں شعرا کا جسے "سرو آزاد" سے موسوم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ آپ کی نگاہوں کی زینت ہے۔

تذکرہ نگاری ایک فن ہے جس کے اپنے تقاضے ہیں۔ روایات کا استناد، تذکرہ نگار کی غیر جانبداری اور غلو اور تعصب سے فاصلے اس کی بنیادی شرطیں ہیں۔ لیکن بہتیرے تذکرہ نگار اس معیار پر کھرے نہیں اترتے۔ ہندستان کے دو مسلم مؤرخ کے اسمائے گرامی تذکرہ نگاری کے باب میں بہت روشن ہیں جنہیں ساری علمی دنیا چشم اعتبار سے دیکھتی ہے۔ وہ ہیں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور حضرت علامہ آزاد بلگرامی قدس سرہما، یہ حضرات اسلوب کی سادگی اور شیرینی مواد کے استناد، روایات کی چھان پھٹک اور تربیت کی عمدگی میں اپنی نظیر آپ ہیں۔

"مآثر الکرام" کہنے کو صرف رجال بلگرام کا تذکرہ ہے لیکن اس میں

درجنوں ایسے جید مشائخ کا ذکر جمیل بھی ہے جو بلگرام شریف سے تعلق نہیں رکھتے۔علامہ آزاد نے ہر اس رجل عظیم کے ذکر حسن سے صفحات کو زینت بخشی ہے جن کے اسمائے گرامی کسی بلگرامی بزرگ کے درمیان آگئے ہیں۔اس طور سے منتخب مشاہیر ہند کا ذکر خیر اس کتاب کے دامن میں سمٹا ہوا ہے۔

علامہ آزاد کی فکر خالص جمالیات تھی، حسن ازل کے شیفتہ،اس کی تجلیات کی دلدادہ،قدرت کا ہر نقش جمیل اور فطرت کا ہر حسن دل افروز آپ کے دامن کو کھینچتا تھا۔اس لئے نثر ہو یا نظم،عربی ہو یا فارسی سبھی نگارشات آزاد میں یہی رنگ و آہنگ ملتا ہے۔''مآثر الکرام'' کے صفحات بھی ان خوبیوں سے آراستہ اور پیراستہ ہیں۔الفاظ استعمال فرمائے ہیں،لگتا ہے نگینے جڑ دیئے ہیں۔اسلوب کی روانی کوثر و سلسبیل کے مزے دیتی ہے۔اس پر لطف یہ کہ پیرائے ادب آپ کو ہمہ دم اپنی آغوش میں سمیٹے رہتا ہے۔اور آپ کے جذبوں کی معصومیت،تازہ کار گلدستے کی مانند رونق نگاہ میں اضافے کا سامان بنتی رہتی ہے،ایسا اچھوتا اسلوب فکر آزاد کا خاصہ ہے،اسی لئے ہر ادب شناس دور سے ہی اسے پہچان لیتا ہے۔

سنا ہے''مآثر الکرام'' کا اردو ترجمہ پاکستان میں بھی شائع ہوا ہے۔کوشش کے باوجود اس تک رسائی نہ ہو سکی۔دیکھنے والوں نے بتایا کہ وہ ''مآثر الکرام'' کا اختصاریہ ہے۔ترجمہ بہر طور ترجمہ ہے۔اس کی اپنی مشکلات اور مسائل ہیں۔

زیر نگاہ ترجمہ مشترک کوششوں کا نتیجہ ہے پھر بھی ناچیز نے کوشش کی ہے کہ قاری کو یکساں اسلوب میسر آئے میری کوشش کہاں تک کامیاب ہے اس کا فیصلہ حضرات قارئین کے سپرد۔

حج و زیارت : آپ کو صغر سن سے ہی سرکار ابد قرار رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عشق تھا۔آپ کمسنی میں سرکار دو جہاں ﷺ کے جمال جہاں آرا کے دیدار سے مشرف ہوئے،اسی وقت سے طبیعت اقدس زیارت حرمین طیبین کے

لیئے مضطر و بے چین رہتی تھی، آپ لکھتے ہیں:

''اس جلوۂ احمدی کا شیدا اور فتراک محمدی کے شکار نے کمسنی ہی میں ایک خواب دیکھا کہ مکہ معظّمہ زادہا اللہ تعظیما میں حاضر ہوں اور جناب سید المرسلین ﷺ مسجد کی ایک محراب میں کھڑے ہیں۔ فقیر نے حضور اقدس ﷺ میں حاضری دی حضور ﷺ نے خوب توجہ فرمائی اور مسکراتے لبوں سے چند باتیں استفسار فرمائیں۔ اب تک وہ جمال جہاں آرا خاص کر تبسم مبارک کی چمک میری نظر میں ہے، اسی وقت سے جب بھی یہ خواب یاد آتا تو شوق کی زنجیر ہلا جاتا۔ آخر کار عنایت احمدی کے جذبے نے بیخود کر دیا اور شرار ناتوانی کو آسمانی بجلی کی ہمت بخشی''۔

آخر کار آپ بلگرام سے دیار حرمین کے لئے ۱۱۵۰ھ میں بروز پیر پا پیادہ نکل پڑے۔ سفر کے افتتاح کی تاریخ ''سفر خیر'' سے نکلتی ہے، اس سفر میں آپ نے ایک مثنوی لکھی، جس کا نام ''طلسم اعظم'' رکھا اور یہ بھی افتتاح سفر کی تاریخ ہے۔ مثنوی کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے ؎

دمے صبح کہ مہر عالمتاب ☆ سر بر آورد از نشیمن خواب

پورا قصیدہ علامہ کے تذکرہ میں ملاحظہ کریں:

علامہ نے اپنی خود نوشت سوانح میں سفر حرمین طیبین اور اس کی حکایات کو عربی و فارسی، نظم و نثر میں بے حد رقت انگیز اسلوب میں بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ جب آپ 'مالوہ' پہنچے تو راستہ کی تکالیف و مصائب سے دوچار ہو چکے تھے۔ پاؤں میں آبلے تک پڑ چکے تھے، اسے بھی نظم میں پیرو دیا فرماتے ہیں ؎

می بریدم رہے بہ پائی ☆ بار فیقے کہ بود تنہائی ...... الخ

ان دنوں نواب آصف جاہ 'مالوہ'' میں جلوہ فگن تھے۔ آپ ان کے لشکر تک پہنچے۔ لشکریوں نے مہمان نوازی کی اور ایک سواری رتھ نما کا انتظام کیا۔ وہ رتھ بھی سفر میں معین و مددگار تھا۔ اس کے ضمن میں آپ فرماتے ہیں ؎

رت رنگیں لباس خوش الوان ☆ راہ رفتے بسان تخت رواں ......الخ

۲۲/شعبان کو نواب صاحب سے ملاقات ہوئی، سفر بیت اللہ کی استعانت کی وجہ سے یہ دو شعر آپ نے ان کی شان میں کہے:

۱-اے حامیٔ دیں محیط جود واحساں حق داد ترا خطاب آصف جہاں

۲-او تخت بدرگاہ سلیماں آورد تو آل نبی رابہ در کعبہ رساں

یعنی ۱-اے دین کے حامی بخشش اور احسان کا سمندر حق تعالیٰ نے آپ کو آصف جہاں کا لائق خطاب عطا فرمایا۔

۲-وہ آصف سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں بلقیس کا تخت لایا تھا آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کو کعبہ کے دروازے تک پہنچا دو۔

آپ اخیر میں لکھتے ہیں:

"فقیر نے موزونی طبع کے باوجود اغنیا کی مدح میں پوری عمر کبھی زبان نہیں کھولی صرف یہ رباعی ہے جو سفر بیت اللہ کی استعانت کی خاطر سرزد ہوئی اور دو شعر عربی کے ہیں جو دفتر ثانی میں نواب نظام الدولہ شہید کے ترجمے میں مذکور ہوں گے"۔

اس سے علامہ کی شان استغنا کا اندازہ ہوتا ہے۔

نواب صاحب نے رخت سفر اور سواری کا انتظام کر دیا۔ آپ محرم ۱۱۵۱ھ میں جدہ پہنچے۔ وہاں چشتی بزرگ سید محمد فاخر معروف بہ زائر الہ آبادی سے ملاقات ہوئی۔ آپ عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے۔ آپ فرماتے ہیں:

"چونکہ مدینۂ سکینہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کا شوق جلوہ ریز تھا، اس لئے اپنے اندر صبر کی طاقت نہ پا کر ۲۶/محرم کو روز جمعہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد مدینۂ مقدسہ کا راستہ لیا۔ پچیسویں صفر کہ میں اسی تاریخ میں پردۂ عدم سے شہرستان ہستی میں ظاہر ہوا تھا، اور قدم چھتیسویں منزل میں رکھ چکا تھا، صبح کے وقت مدینہ منورہ کے گرد و نواح کے نظارے کو آنکھوں کا سرمہ بنایا، آرزومند

آنکھوں کو روضۂ اقدس کے قبے پر ملا‘‘۔ آپ نے مدینہ طیبہ کی پاکیزہ فضاؤں میں بہت شاندار بہاریہ نعتیہ غزل نظم فرمائی جس کا مطلع ہے۔

نمود جلوۂ اعجاز شمع مطلبی ☆ نہ ماند شوخی چشم شرار بولہبی

اور ایک قصیدہ عربی زبان میں نظم فرمایا ہے جو ’’تسلیۃ الفواد فی قصائد آزاد‘‘ میں درج ہے۔ مکمل آٹھ ماہ مدینہ منورہ میں قیام رہا۔ جب حج کا موسم آیا تو ۱۴/ شوال کو سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ادائیگی حج کی رخصت لی اور ۲۶/ شوال کو مکہ مکرمہ پہنچے ارکان حج بجالائے۔ ’’عمل اعظم‘‘ ادائے حج کی تاریخ ہے۔ بعد حج بھی وہاں مقیم رہے اور اماکن مقدسہ کی زیارت کی۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مرقد منور کی حاضری کا شرف حاصل کیا۔

ربیع الآخر کے اخیر میں تین بار طواف وداع فرمایا اور تین جمادی الاولیٰ کو جدہ روانہ ہو گئے۔ آٹھ دن کی مدت میں ’’مخا‘‘ کی بندرگاہ پر پہنچے اور وہاں کی سیر فرمائی۔ سلسلۂ شاذلیہ کے بانی شیخ ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمہ کے مزار اقدس پر حاضر ردی۔ ۲۹/ جمادی الاولیٰ کو جہاز سورت کی ساحل سے آلگا۔ آپ نے سفر واپسی کی تاریخ ’’سفر بخیر‘‘ نکالی ہے۔

دکن کا سفر اور قیام: سورت سے دکن کی طرف روانہ ہوئے، یہاں بابا شاہ مسافر (ف ۱۱۲۶ھ) کی خانقاہ میں مقیم رہے۔ اور نظام آصف جہاں کی معیت میں دیار دکن کے مختلف مقامات کی سیر کی۔ ۱۱۶۹ھ میں اورنگ آباد تشریف لائے اور یہاں ’’روضہ‘‘ خلد آباد میں اقامت گزیں ہو گئے۔ آپ اخیر میں ۱۱۵۹ھ میں دنیوی علائق سے کنارہ کش ہو گئے۔ خلد آباد میں ’’سولی بھنجن‘‘ میں، جہاں حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا قدس سرہ کے خلیفہ مولانا نجم الدین امیر حسن بن علا سنجری قدس سرہ مدفون ہیں، اپنی آخری آرامگاہ کے لئے ایک قطعہ زمین لی اور اس کا نام ’’عاقبت خانہ‘‘ رکھا۔ ۲۴/ ذیقعدہ ۱۲۰۰ھ کو اس دار فانی سے کوچ فرما

گئے۔ فقیر کا دل علامہ کے مزار شریف پر حاضری کیلئے مضطر و بیچین تھا۔ بہت دنوں سے ارادہ بنا رہا تھا مگر عملی جامہ پہنانے کی صورت نہیں بن پا رہی تھی۔ آخر ۱۴۲۸ھ میں تعطیل کلاں کے اوقات کو غنیمت جانا اور عزم مصمم کر لیا۔ ۲۰؍شعبان ۱۴۲۸ھ کو وطن پہنچا۔ والدہ ماجدہ سے اجازت لی اور ۲۸؍شعبان کو دہلی پہنچا۔ فقیر کے قدر دان جناب محمد شعبان دہلی میں میزبان رہے ان کے ہمراہ مقامات مقدسہ پر حاضری دی۔ ۳؍رمضان کو دہلی سے ممبئی روانہ ہوا۔ سانتا کروز جامع مسجد کے امام و خطیب محب گرامی حضرت مولانا محمد اسلام القادری زید مجدہ ممبئی میں میزبان رہے اور انہوں نے بزرگان ممبئی کی بارگاہ میں حاضری دلائی۔ ممبئی سے مالیگاؤں مولوی محمد رضا متعلم ''جامعۃ الرضا'' اور ان کے بھائی جناب محمد حسین مشاہد رضوی سے رابطہ کیا اور ۱۰؍رمضان کی رات کو بذریعہ بس مالیگاؤں پہنچا، اور اسی دن ۱۰؍رمضان ۱۴۲۸ھ/۲۳؍ستمبر ۲۰۰۷ء کو جناب محمد حسین صاحب اور ان کے منجھلے بھائی کی معیت میں اسم بامسمی مقام ''خلد آباد'' کے لئے روانہ ہوا تقریباً ۱؍بجے خلد آباد پہنچا اور ایک آٹو رکشہ کر لیا اور وہاں آرام فرما تمام بزرگان اسلام حضرت شاہ شیخ برہان الدین غریب، حضرت شاہ شیخ منتجب الدین زرزری زر بخش، حضرت سید یوسف بن علی، حضرت شاہ فرید الدین ادیب، حضرت شاہ خواجہ حسین، حضرت شاہ زین الدین داؤد حسین شیرازی، حضرت شاہ عمر شیرازی، حضرت شاہ جلال ملقب بہ گنج رواں، حضرت شاہ خاکسار، حضرت شاہ اورنگ زیب، حضرت شاہ نجم الدین امیر حسن بن علا سنجری، حضرت شاہ سید غلام علی آزاد بلگرامی علیہم الرحمہ کی بارگاہوں میں حاضری دی۔

حضرت حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی علیہ الرحمہ کا مزار خلد آباد میں ''سولی بھنجن'' میں ایک پر فضا مقام پر واقع ہے۔ لوگ بتاتے ہیں کہ علامہ نے وہ جگہ خود خریدی تھی اور اسکی چہار دیواری کروائی تھی۔ بڑی مضبوط دیوار سے وہ زمین گھری

ہے، اندر میں آپ کی بنوائی ایک مسجد ہے اور حضرت محبوب الٰہی کے خلیفہ صاحب فواد الفواد کا مزار مبارک اسی چہار دیواری میں دوسرے کمپاؤنڈ کے اندر ہے اور اس دوسرے کمپاؤنڈ میں الگ ایک چہار دیواری ہے جہاں علامہ علیہ الرحمہ کا مزار شریف ہے۔ ان کے مزار اقدس کی چوکھٹ پر شکر رکھی جاتی ہے اور پھر اٹھالی جاتی ہے۔ اسے کند ذہن کو استعمال کرایا جاتا ہے تو قوت فہم لوٹ آتی ہے۔ آپ کے مزار شریف پر سرہانے یہ عبارت نقش ہے:

هوالحی القیوم

حسان الہند غلام علی آزاد حسینی واسطی بلگرامی

''آہ غلام علی آزاد''

وفات: ۲۴/ ذیقعدہ ۱۲۰۰ھ

پھر ہم لوگ ہند میں سلسلہ قادریہ کے پہلے بزرگ حضرت شاہ بہاء الدین انصاری علیہ الرحمہ کے مزار پر حاضری کیلئے ''دولت آباد'' پہنچے اور حاضری دی۔ اس کے بعد اورنگ آباد روانہ ہوئے۔ وہاں جناب مشاہد صاحب کے قدر دان بھجوا بہار کے رہنے والے حافظ صاحب تھے۔ ان کی مسجد میں افطار کیا، نماز پڑھی اس کے بعد حضرت نظام الدین مقبول الٰہی اور دوسرے آرام فرما بزرگوں کے مزارات پر حاضری دی اور عشاو تراویح کی نماز پڑھ کر اورنگ آباد سے مالیگاؤں کیلئے روانہ ہو گئے دوسرے دن وہاں سے فقیر اجمیر مقدس کیلئے روانہ ہوا اور یہاں حاضری دے کر بریلی شریف حاضر ہو گیا۔

فقیر اسی بابرکت سرزمین سے منسلک ہے، آج سے تقریباً دو سال پیشتر سید نا و مرشدنا حضرت رئیس الاتقیاء دام ظلہ کی زیارت اور مزارات مقدسہ پر نیاز مندانہ حاضری کے لئے بلگرام شریف حاضر ہوا تھا۔ حضرت پیرو مرشد کی عنایتیں اور اس خانوادے کی شفقتیں بیان سے باہر ہیں، اس بے بضاعت سے حضرت

پیرومرشد نے ''مآثر الکرام'' کی بابت تذکرہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ حضور بذات خود اسکا ترجمہ املا کروا رہے ہیں۔

چند ماہ بعد جب دوسری مرتبہ حاضری کا شرف حاصل کیا اور استفسار کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ تبلیغی دورے، مہمانوں کی آمد اور دیگر امور خانقاہی سے اوقات میسر نہیں آتے، اس لئے یہ کام مولانا شاہد نظامی کے سپرد کر دیا ہے۔ انہوں نے کام شروع کیا مگر ان کی طبیعت خراب ہوگئی اور وہ پورا نہ ہوا۔ پھر مجھ ناچیز کو اس ترجمے کی تکمیل کی اہم ذمہ داری سونپی، مجھے اپنی بے بضاعتی و کم سوادی کا بھرپور احساس ہے مگر چوں کہ دنیا و آخرت کے سنوارنے والے میرے آقا و مولیٰ نے یہ اہم کام عنایت کیا تھا، اس لئے بے بضاعتی کے باوجود مجھے اسی وقت یقین ہوگیا تھا کہ یہ کام ضرور کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔

استاذ المکرّم حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی کی دعاؤں سے یہ کام پورا ہوا۔ محبّ گرامی وقار حضرت علامہ مولانا محمد عسجد رضا دام ظلہ نے مفید مشوروں سے نوازا اور تصحیح کرنے میں بھی تعاون پیش کیا۔ حضرت ڈاکٹر سید شاہ بادشاہ حسین واسطی دام ظلہ، حضرت سید فیضان میاں نے منزل سے ہمکناری کی دعا فرمائی۔ مخدومہ معظّمہ ولیہ حضور سیدہ طاہرہ عفیفہ والدہ ماجدہ حضرت پیرومرشد (پیرانی امّی جان) مخدومہ ولیہ زاہدہ طاہرہ والدہ ماجدہ حضرت عسجد میاں (پیرانی امّی جان) اور فقیر کی والدہ ماجدہ کی پاکیزہ شفیقانہ دعاؤں کا سائبان اس ناچیز کے سر پر ہمیشہ سایہ کناں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے سایۂ کرم کو دراز فرمائے۔

مآثر الکرام کے اس ترجمے کو منظر عام پر لانے میں بہت سے مخلصین اور احباب کا تعاون شامل حال رہا ان میں حضرت علامہ مفتی محمد ارشاد رضوی ساحلؔ شہسرامی صاحب خاص طور سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے عدیم الفرصت ہونے کے باوجود نظر ثانی کی زحمت گوارہ فرمائی اور مفید مشوروں سے نوازا۔ اور

محبان گرامی حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن نظامی صاحب ،حضرت مفتی محمد افضل حسین اویسی صاحب، حضرت مولانا غلام انور صاحب حضرت مولانا محمد کوثر علی صاحب، حضرت مولانا عبد القدوس صاحب ،حضرت حافظ محمد مظہر اویسی صاحب استاذ دعوت صغریٰ، مولوی محمد رضوان سلمہ ،عتیق احمد شجاع ملک حشمتی اور محمد توحید بیگ رضوی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں ان حضرات نے ٹائپنگ ، پروفریڈنگ اور دیگر مراحل میں اپنا گراں قدر تعاون پیش کیا۔

اخیر میں عرض ہے کہ کہیں اس میں لغزش نظر آئے تو اسکی نسبت فقیر کی کم سوادی پر محمول کریں اوراس سے مطلع کرنے کی زحمت فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ سنیت کے تمام مراکز کو سر سبز وشاداب رکھے اور دین متین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

احقر العباد

محمد یونس رضا مونس اویسی رضوی

خادم التدریس والافتاء

جامعۃ الرضا، مرکزی دارالافتاء بریلی شریف

مدیر ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف

۱۷ر صفر المظفر ۱۴۲۹ھ

ریوڈیہہ، پوبی مرزا گنج ،جموا ضلع گریڈیہہ

غفار کالونی، واسع پور ضلع دھنباد جھارکھنڈ

مُقدّمہ

از: خلیفہ حضرت صدر العلما و تاج الشریعہ فاضل جلیل عمدۃ العلما

حضرت علامہ مفتی محمد ناظم علی رضوی مصباحی

استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

خاک بلگرام شریف کو وہ عظیم شرف حاصل ہے جس پر جبین عقیدت نثار و قربان ہے، اس مقدس سرزمین پر علم و فضل، زہد و ورع، تجرد واستغنا اور عشق و عرفاں کے ایسے بحر ناپیدا کنار جلوہ نشیں ہوئے جنھوں نے علم و فضل اور عشق و عرفاں کی شمع جلا کر عالم اسلام کو فیض بخشا اور مذہب حق کی نمایاں خدمات انجام دی۔ مقدمہ ''سبع سنابل'' میں اس خطہ افاضل واکابر کے بارے میں ہے:

''بلگرام ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ شمس الدین التمشؒ کے عہد اقتدار میں مسلمانوں کے قدم یہاں پہنچے اور اس سرزمین پر اسلامی تہذیب وتمدن کا علم لہرانے لگا۔ مسلمانوں کے بہت سے قبیلے، یہاں آکر آباد ہوئے۔ ان ہی میں سادات زیدیہ کا بھی ایک خاندان تھا جس میں نامور امرا، عمائد، علما، صوفیہ ادبا اور شعرا گزرے ہیں، اور یہ روایت کچھ ایسی ساعت سعید میں قائم ہوئی کہ بلگرام کی سرزمین ہر دور میں کوئی نہ کوئی گوہر آب دار پیدا کرتی رہی ہے''۔

میر عبد الجلیل (ف ۱۷۲۵ء) بلگرام کی تعریف میں فرماتے ہیں ؎

آب وگل من کہ فیض عام است — از خطہ پاک بلگرام است

سبحان اللہ چہ بلگرامے — کوثر مے آفتاب جامے

خاکش گل نوبہار عشق است — آبش مئے بے خمار عشق است

از عشق سرشت ایزد پاک — از روز اول خمیر ایں خاک

ہر گل کہ دمیدہ زیں خاک — خونی جگر یست پیرہن چاک

''امواج الخیال'' از میر سید عبدالجلیل بلگرامی بحوالہ تاریخ خطۂ پاک بلگرام از قاضی شریف الحسن بلگرامی (علیگڑھ ۱۹۵۸ء) میر سید عبدالجلیل بلگرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نامور فرزند میر سید محمد شاعر مدح بلگرام میں رقمطراز ہیں:۔

سیر باید کرد یاراں، نوبہار بلگرام | برزمرد ناز دارد سبزہ زار بلگرام
ہر نفس عطر گلستان یمن بومی کند | خوش دماغاں از نسیم مشکبار بلگرام
اہل معنی کسب انوار سعادت می کنند | از سواد اعظم دولت مدار بلگرام
یاد ہندوستان کجا، از خاطرِ طوطی رَوَدْ | می کند شاعر بجا وصف دیارِ بلگرام

(اصح التواریخ جلد اول از علامہ سید محمد میاں قادری مارہروی، خانقاہ برکاتیہ مارہرہ ۱۳۴۷ھ ص ۹۱)

مجدد اعظم، سیدنا اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز اس خطۂ پاک کی تعریف میں یوں فرماتے ہیں۔

اللہ اللہ عزوشان احترام بلگرام | عبد واحد کے سبب جنت ہے نام بلگرام
روز عرس آوارگان دشت غربت کے لئے | من وسلوی ہیں مگر خبز و ادام بلگرام
آسماں عینک لگا کر مہر ومہ کی دیکھ لے | جلوۂ انوار حق ہے صبح و شام بلگرام
تھا "بمااستحببت بلدہ" کا پاسخ بالکرام | مرکز دین مبیں ٹھہرا یہ نام بلگرام
یادگار اب تک ہیں اس گل کی بہار فیض کے | خندہائے گل رخان ولالہ نام بلگرام
لائی ہے اس آفتابِ دین کی تحویل جلیل | ساغر مارہرہ میں صہبائے جام بلگرام

(اصح التواریخ جلد اول ص ۹۲)

اس خطۂ پاک کی مشہور و بلند پایہ وگوہر آب دار شخصیتوں میں ایک نام عالم کبیر الشان، حسان الہند علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی کا ہے جو حضرت سید نوح حسینی کے فرزند ارجمند ہیں، آپ نسباً حسینی، اصلاً واسطی، مذہباً حنفی، مشرباً چشتی اور مولداً ومنشأً بلگرامی ہیں۔ ۲۵ رصفر المظفر ۱۱۱۶ھ بروز یکشنبہ مبارکہ بلگرام شریف کی مقدس سرزمین پر پیدا ہوئے اور علم وفضل کے گھوارہ اور عشق وعرفاں

کے چمنستان میں گل رنگین کی طرح پروان چڑھے "تذکرۂ علمائے ہند" میں ہے:

"حسان الہند سید غلام علی آزاد بلگرامی ابن سید نوح حسینی نسبا، واسطی اصلا، وحنفی مذہبا وچشتی مشربا، وبلگرامی مولدا و منشأ، تاریخ بست وپنجم صفر روز یکشنبہ سال یک ہزارو یک صدوشانزدہ ہجری دربلگرام متولد شد" (تذکرۂ علمائے ہند ص ۱۵۴ رنول کشور لکھنؤ) آپ مشہورترین علما میں سے ہیں نحو ولغت اور شعرو بدیع اور تاریخ وسیرو انساب میں غایت درجہ کمال رکھتے تھے۔

آپ نے ازاول تا آخر اپنے زمانہ کے مشہور ومعروف بلند پایہ عالم جلیل الشان علامہ سید طفیل محمد ابن شکر اللہ حسینی اترولوی ثم بلگرامی سے درسی کتابوں کی تحصیل کی اور اپنے جد مادری علامہ سید عبدالجلیل ابن سید میر احمد حسینی واسطی بلگرامی رحمہما المتعال سے لغت و سیرت نبوی اور عربی و فارسی کے اشعار اور احادیث مبارکہ کی سند کی تحصیل کی، آپ سے حدیث "المسلسل بالأولية" اور حدیث "الأسودين التمرو الماء" سماعت کی اور عروض وقوافی اور کچھ ادبی فنون اپنے خال محترم سید محمد ابن سید عبدالجلیل حسینی واسطی بلگرامی سے حاصل کئے۔

آپ سید لطف اللہ حسینی واسطی بلگرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ "تذکرۂ علمائے ہند میں" ہے۔ "مرید سید لطف اللہ بلگرامی بود" (ص ۱۵۴ رنول کشور لکھنؤ)

۱۱۵۱ھ میں زیارت حرمین شریفین کے لئے مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ تشریف لے گئے وہاں حج وزیارت کی سعادت سے سرفراز ہوئے مدینہ طیبہ میں شیخ محمد حیات سندھی سے صحیح بخاری شریف کا درس لیا اور آپ سے صحاح ستہ کی اجازت لی، "تذکرۂ علمائے ہند" میں ہے:

"بزیارت حرمین شریفین فائز گشتہ وصحیح بخاری از شیخ محمد حیات سندھی درمدینہ منورہ قراءت کرد واجازت صحاح ستہ از وگرفت" "تذکرۂ علمائے ہند ص

۱۵۴ء نول کشور لکھنؤ)

شیخ عبد الوہاب طنطاوی مصری (متوفی ۱۱۵۷ھ) کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور آپ کے گراں قدر اور عظیم الشان افادات سے بہرہ اندوز ہوئے آپ کی خدمت میں اپنا شعری لقب ''آزاد'' پیش کیا تو آپ نے مسرت آمیز لہجہ میں فرمایا:

''أنت من عتقاء الله تعالىٰ ''یعنی آپ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ خاص بندوں میں سے ہیں۔ (نزہۃ الخواطر ۶/۲۰۴)

آپ ''طائف'' تشریف لے گئے اور وہاں شیخ عبداللہ ابن عباس کی زیارت سے حظ وافر حاصل کیا پھر ۱۱۵۲ھ میں ہندوستان تشریف لائے اور شہر اورنگ آباد میں سکونت پذیر ہوئے اور سات سال تک شیخ محمود کے پاس شیخ مسافر غجدوانی کی خانقاہ میں مقیم رہے۔

ناصر جنگ ابن نواب نظام الملک آصف جاہ حیدر آبادی آپ کے علمی کمالات اور گونا گوں اوصاف کے سبب آپ سے حد درجہ عقیدت ومحبت رکھتا، جب ناصر جنگ اپنے والد کی جگہ تخت سلطنت پر مسند نشیں ہوئے تو آپ سے از راہ عقیدت منصب امارت قبول کرنے پر اصرار کیا مگر آپ نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا:

''هذه الدنيا مثلها كمثل نهر ''طالوت'' غرفة منه حلال والزيادة عليها حرام'' یعنی اس دنیا کی مثال نہر ''طالوت'' کی طرح ہے کہ اس سے ایک چلو پانی لینا حلال اور اس سے زیادہ حرام ہے۔ (نزہۃ الخواطر ۶/۲۰۴)

آپ شعر وسخن کا اعلیٰ ذوق رکھتے غزل گوئی میں آپ کو درجہ کمال حاصل تھا نظم پر ایسی قدرت حاصل تھی کہ ایک دن بلکہ دن کے بعض حصہ میں پورا قصیدہ نظم فرما دیتے، جب نظم کی طرف توجہ فرماتے تو معانی فوج در فوج صف بستہ حاضر

بارگاہ ہوتے عربی و فارسی دونوں زبانون میں نظم پر یکساں قدرت حاصل تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک میں کثیر نادر معانی کی ایجاد کی ہے جس کے سبب آپ ''حسان الہند'' کے مبارک لقب سے معروف و مشہور ہیں۔

تصنیف و تالیف سے آپ کا خاصا شغف تھا آپ نے گراں قدر قلمی یادگار چھوڑے ہیں ان روشن یادگاروں میں درج ذیل عربی و فارسی کتابیں ہیں جن سے آپ کی علمی شخصیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(۱) ضوء الداری شرح صحیح البخاری (عربی) حرمین شریفین میں ''کتاب الزکاۃ'' کے آخر تک عربی میں شرح فرمائی۔

(۲) سبحۃ المرجان فی اٰثار ہندوستان (عربی) عربی زبان میں یہ آپ کی مشہور ترین تصنیف ہے۔

(۳) تسلیۃ الفواد فی قصائد آزاد (عربی)

(۴) شفاء العلیل فی المؤاخذات علی المتنبی فی دیوانہ

(۵) غزلان الھند

(۶، ۷، ۸) سرو آزاد و ید بیضا و خزانۂ عامرہ یہ تینوں کتابیں فارسی شعرا کے اخبار و اشعار کے بیان میں ہیں۔

(۹) سند العادات فی حسن خاتمۃ السادات

(۱۰) مظہر البرکات یہ کتاب مثنوی کے وزن پر بحر خفیف میں ۱۷ر حکایات پر مشتمل ہے۔

(۱۱) مرأۃ الجمال ۱۰۵ر اشعار پر مشتمل یہ قصیدہ نونیہ ہے۔

(۱۲) دیوان شعر فارسی جس میں ۹۰۰۰ر اشعار ہیں۔

(۱۳) سبعہ سیارہ

(۱۴) روضۃ الاولیاء اس کتاب میں بعض ان مشائخ چشت کا ذکر ہے جن

کے مزارات ''روضہ'' نامی مقام میں ہیں جو شہر اورنگ آباد سے ۳؍میل دوری پر واقع ہے۔

(۱۵) ماثر الکرام تاریخ بلگرام

آخر الذکر کتاب ''ماثر الکرام تاریخ بلگرام'' فارسی زبان میں ہے جس میں بلگرام شریف کے مشائخ وعلما اور اولیا وصوفیا وفضلا وشعرا کا ذکر جمیل ہے یہ کتاب دو فصلوں پر مشتمل ہے پہلی فصل میں ۸۰؍فقراء صوفیا کا بیان ہے اور دوسری فصل میں ۷۳؍علما وفضلا کا ذکر ہے ان مشاہیر صوفیا واولیا اور علما وفضلا میں شیخ المحد ثین شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور آپ کے صاحبزادے شیخ نورالحق، شیخ ملا احمد جیون، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، ملا محبّ اللہ بہاری، شیخ عبدالرشید جون پوری خانقاہ رشیدیہ جونپور، اور قاضی شہاب الدین ملک العلما وغیرہم جیسی اہم شخصیتوں کا بھی ذکر ہے جس سے اس کتاب کی عظمت اور قدر وقیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے زمانۂ قدیم سے علما ومشائخ ،صوفیا اور اولیا وفضلا وشعرا کے احوال قلمبند کرنے کا دستور رہا ہے اخبار الاخیار، سیر الاولیا مراۃ الاسرار وغیرہ صدہا کتابیں جن سے لائبریریاں بھری ہوئی ہیں اس کی واضح مثال ہیں حسان الہند علامہ میر سید غلام علی آزاد بلگرامی نے اس اہم کارنامہ کو انجام دے کر نہ صرف قابل ذکر روشن کام کیا بلکہ اس عظیم الشان کارنامہ کی طرف لوگوں کو دعوت دی کہ لوگ اپنے اسلاف واکابر و علماء ومشائخ وفضلا ودانشور کے حالات ان کے اہم علمی کارناموں کو قلمبند فرما کر قوم کو ایک گراں قدر عظیم الشان سرمایہ عطا کریں جن سے قوم اپنی اور اپنی نسل کی تعمیر حیات کرے اور ان کے نقوش پر چل کر دین متین کی خدمت انجام دے اور فقراء صوفیا اور علماء ومشائخ وفضلا ودانشور کا فریضہ انجام دے آج اس کام میں حد درجہ جمود آ گیا ہے اگر ہے بھی تو درجۂ صفر میں ہے اس طرف خاصی توجہ درکار ہے آج علما ومشائخ اور صوفیا فقرا اور دانشور وفضلا کی کمی نہیں ان کی عظیم الشان

جماعت ہے ان کا سوانحی خاکہ مرتب کرنے کی شدید ضرورت ہے حضرت حسان الہند کی عملی زندگی ہمارے لئے قابل تقلید ولائق اتباع اور نمونۂ عمل ہے۔

بلگرام شریف کی مقدس سرزمین نے کیسے کیسے لعل و گہر پیدا کئے اور کیسی کیسی سیماب صفت شخصیتیں اس خاک پاک پر جلوہ بار ہوئیں اس کا علم یہ عظیم الشان سرمایہ ہمیں عطا کرتا ہے آپ کا یہ زریں کارنامہ قابل مبارکباد اور ہمارے لئے خوش آیند بھی ہے کہ آپ نے حقائق سے پردہ اٹھا کر اہم قد آور شخصیتوں سے ہمیں روشناس کرایا مگر یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ ایک دور فارسی زبان کے عروج وارتقا کا دور تھا کہ ادبا و شعرا، مصنفین و مولفین فارسی زبان میں ادبی شہ پارے اور شعری گلدستے اور تالیفات تصنیفات اکثر اسی زبان میں پیش کیا کرتے تھے جس پر اس دور کے ادبا و شعرا اور مصنفین و مولفین کی کاوشیں شاہد عدل ہیں آج جب کہ فارسی زبان کا دور عروج جاتا رہا اس کے قدرداں لوگ کم ہو گئے اس کا ذوق وشوق خال خال شخصیتوں میں پایا جاتا ہے ضرورت اس بات کی تھی کہ آپ کے اس اہم وقیع سرمایہ کو جو فارسی زبان میں تھا عام استفادہ کے لئے آج کی رائج سلیس و شستہ وشائستہ اردو زبان میں منتقل کیا جائے یا اس پر از سر نو کام کیا جائے کہ آج زبان کی صعوبت و مشقت کی وجہ سے اس اہم تاریخی دستاویز کا استفادہ عام نہ رہا، بلگرام شریف کی روایت رہی ہے کہ انہوں نے علمی کارناموں میں بڑھ کر حصہ لیا اس کی واضح مثال حضرت میر سید عبدالواحد قدس سرہ الماجد بلگرامی، قطب المحدثین بلگرامی، علامہ سید مرتضٰی بلگرامی زبیدی صاحب تاج العروس اور وہاں کی دوسری اہم شخصیتیں ہیں اس کام کا بھی بیڑا سب سے پہلے بلگرام شریف سے رئیس الاتقیا علامہ سید اویس مصطفٰی صاحب واسطی قادری نے اٹھایا آپ نے چند صفحات کا ترجمہ فرمایا مگر آپ کی مصروفیات مسئولیات نے آپ کو اس عمل سے باز رکھا آپ کے دست فیض بخش سے اگر یہ کارنامہ انجام پاتا تو نور علیٰ نور ہوتا۔

حضرت علامہ سید اویس مصطفیٰ واسطی قادری کی شخصیت محتاج تعارف نہیں "حسینی زیدی گھرانے کے ایک نوری فرد حضرت سید ابو الفرح واسطی اپنے چار صاحبزادوں، سید ابو الفراس، سید ابوالفضائل، سید داؤد اور سید معزالدین کے ساتھ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں واسط سے غزنی تشریف لائے چندروز قیام کے بعد وہ سید معزالدین کے ساتھ واسط مراجعت فرما گئے بقیہ تینوں صاحبزادگان نے ہندوستان کا قصد فرمایا۔

(تاریخ خاندان برکات از: تاج العلما حضرت علامہ سید اولاد رسول علیہ الرحمہ)

حضرت سید ابوفراس کے احفاد سے حضرت سید محمد صغری قدس سرہ العزیز نے سلطان شمس الدین التمش کی ایما پر "سری نگر (بلگرام)" کے اسلام دشمن راجہ "سری نام" سے جہاد فرمایا اوراس کے قتل کے بعد ۶۱۴ھ میں فتح پائی۔لفظ خداداد سے فتح کی تاریخ نکلتی ہے سلطان نے اس راجہ کے تمام علاقے حضرت علیہ الرحمہ کو بطور جاگیر نذر کر دیا حضرت نے "سری نگر" کا نام بدل کر بلگرام رکھا اور اس کفرستان کو شہرستان اسلام بنادیا، مجمع البحرین، امام زمانہ حضرت سید محمد صغری قدس سرہ العزیز بلگرام شریف، مسولی شریف، مارہرہ مطہرہ کے جداعلیٰ ہیں، آپ کا نام سید محمد ہے صاحب الدعوۃ الصغری سے مشہور ہیں، علامہ سید اویس مصطفیٰ قادری موجودہ سجادہ نشیں نسلا بعد نسل آپ ہی کی اولاد سے ہیں فضل وعرفاں کے جہان میں آپ کی ذات اس طرح معطر ہے جس طرح گلشن میں شگفتہ گلاب آپ حد درجہ خاموش طبع، سادہ ومنکسر المزاج ہیں، آپ قطب بلگرام حضرت میر سید زین العابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مرید ہیں اور آپ ہی کے خلیفہ اور جانشین ہیں۔حفظ وقراءت کی تحصیل محلے کے ایک حافظ اور اپنے والد ماجد حافظ وقاری میر سید شاہد حسین سے کی اور جامعہ عربیہ اظہار العلوم جہان گیر گنج کے اساتذہ سے درس نظامی کی تحصیل کی نیز کچھ بڑی بڑی کتابیں حضرت قطب بلگرام میر سید زین

العابدین سے پڑھیں۔ علماومشائخ آپ کی عظیم نسبت کے ساتھ آپ کے فضل وکمال کے سبب آپ کا احترام کرتے اور آپ سے محبت فرماتے ہیں، خانقاہ رضویہ بریلی شریف سادات کرام کے احترام میں مجدد اعظم سیدنا اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ اور افقہ امت سیدنا سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے روشن طریقہ پر قائم ہے۔ حضرت تاج الشریعہ دامت برکاتہ القدسیہ آپ سے بے پناہ محبت فرماتے ہیں عرس رضوی شریف کے حسین موقع پر ہر سال آپ کی طرف سے خصوصی دعوت پیش کی جاتی ہے آپ کرم فرما کر ہر سال عرس رضوی میں بریلی شریف قدم رنجہ فرما کر آپ کے قائم فرمودہ ادارہ جامعۃ الرضا کے صحن میں واقع اجلاس میں بھی شرکت فرماتے ہیں آپ کے لئے بھی اسٹیج پر کرسی لگائی جاتی ہے، سیدنا اعلیٰحضرت قدس سرہ کے خاص قل شریف کے دن قل شریف کے وقت مزار شریف میں جلوہ بار ہوتے ہیں اس طرح سے حضرت تاج الشریعہ اور خانوادۂ رضویہ بریلی شریف اور بلگرام شریف کے عقیدتوں اور محبتوں کا عظیم رشتہ آج بھی قائم ہے اور انشاء المولیٰ تعالیٰ قائم رہے گا۔ اللھم زدفزد۔

حضرت علامہ سید اویس مصطفیٰ واسطی قادری دامت برکاتہ نے ''مآثر الکرام'' کے ترجمہ کا آغاز فرما کر اس کام کی اہم ضرورت کی طرف توجہ مبذول فرمائی خوش قسمت آپ ہی کے لائق و فائق قابل قدر مرید جواں سال عالم حضرت مولانا مفتی محمد یونس رضا اویسی قادری نے اس کام کا آغاز فرمایا اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر اس کتاب کے استفادہ کو عام کیا موصوف اپنی اس گراں قدر کاوش پر نہ صرف بلگرام بلکہ سب کی طرف سے قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے جماعت اہل سنت کی عظیم شخصیتوں پر مشتمل اہم دستاویز کا اردو ترجمہ جماعت کے لئے استفادہ کو عام و آسان کیا ہے، ترجمہ کا کام کس قدر مشکل ہے یہ وہی جانتا ہے جو اس سنگلاخ وادی میں قدم رکھتا ہے اور اس راہ کی آبلہ پائی کرتا ہے اس کتاب

کے اُردو ترجمہ نے اس کتاب کے گراں قدر معانی پر پڑے ہوئے حجاب کو اٹھا دیا ہے اس لئے میری نظر میں یہ ترجمہ اہمیت کا حامل ہے۔ قارئین اس بابرکت سرمایہ سے حظ وافر حاصل کریں۔

مفتی صاحب موصوف کی یہ عظیم سعادت ہے کہ انہوں نے حضرت تاج الشریعہ دامت برکاتہ العالیہ سے بخاری شریف وغیرہ اہم کتابوں کی تحصیل کی اور افتاء کی تربیت لی آپ ہی کے دست اقدس سے عرس رضوی شریف کے موقعہ سے افتا کی دستار حاصل کی حضرت تاج الشریعہ دامت برکاتہ العالیہ نے سند افتا کے ساتھ اجازت وخلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ مفتی صاحب موصوف آپ کے قائم فرمودہ محبوب ادارہ جامعۃ الرضا متھراپورسی، بی، گنج بریلی شریف کے لائق وفائق استاذ بھی ہیں اور آپ کے قائم فرمودہ عظیم الشان دار الافتاء کے مفتی بھی ہیں اور ماہنامہ ''سنی دنیا'' کے مدیر بھی ہیں مجھے امید ہے کہ بلگرام شریف و بریلی شریف کا فیضان اس سرمایہ کو قبول انام عطا کرے گا مفتی صاحب موصوف نے حضور تاج الشریعہ کے قائم کردہ ادارہ ''جامعۃ الرضا'' کی مسند تدریس پر قائم رہ کر ''مآثر الکرام'' کا اردو ترجمہ فرما کر بلگرام شریف سے مجدد اعظم سیدنا اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی عقیدتوں اور محبتوں کے قائم رشتہ کو اور زیادہ مضبوط ومحکم بنایا ہے۔ اور نہ صرف مشائخ بلگرام بلکہ سیدنا اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ اور آپ کے خاص پیر خانہ مارہرہ مقدسہ کے سادات مشائخ کی روحوں کو خوش کر دیا ہے جن کی بارگاہ میں خود سیدنا اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی عقیدتوں اور محبتوں کا خراج یوں پیش فرمایا ہے۔ ع

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضا ☆ بول بالے مری سرکاروں کے

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے علمائے کرام علمی کارناموں کی طرف متوجہ ہوں آج قوم پیاسی ہے دشمن ہر چہار جانب سے برسرپیکار ہے مذہب

اسلام پر نوع بنوع حملے ہو رہے ہیں مجدد اعظم سیدنا اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے عظیم الشان قلمی سرمایہ عطا فرما کر علمائے اہل سنت کو اس بات کی دعوت بخشی ہے کہ اسلام دشمن فتنوں کا مقابلہ لسانی قوتوں کے ساتھ قرطاس وقلم کے ذریعہ کیا جائے کہ جہاد بالقلم کی قوت نہ صرف دیرپا ہوتی ہے بلکہ ایوان باطل کو منہدم کر دیتی ہے اور ان کی ریشہ دوانیوں کی بیخ کنی کر دیتی ہے آج ہمارے علمائے کرام جہاد بالقلم کے لئے مکمل بیدار ہوں کہ جہاد بالقلم کی قوت میڈیائی قوتوں کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملا کر رکھ دے گی آج میڈیا کا کس قدر بے جا استعمال ہو رہا ہے اور اس پر قبضہ کن لوگوں کا ہے روز روشن سے زیادہ عیاں ہے اس لئے دین حق کی حمایت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی پاسبانی ہماری ذمہ داری ہے ہمارے اسلاف کرام نے ہمیں اس بات کی نصیحت ووصیت فرمائی ہے حضرت امین ملت سیدنا شاہ محمد امین میاں مارہروی دامت برکاتہ القدسیہ حضرت احسن العلما علیہ الرحمہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ''دن میں کئی بار اعلیحضرت اور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تذکرہ کرنا ان کی عادت تھی۔ہم بھائیوں سے کہتے تھے کہ میرا جو مرید مسلک اعلیحضرت سے ذرا بھی ہٹ جائے تو میں اس کی بیعت سے بیزار ہوں اور میرا کوئی ذمہ نہیں ہے یہ میری زندگی میں نصیحت اور میرے وصال کے بعد میری وصیت ہے''۔ (سیدین نمبر ص ۳۹۵)

حضرت امین ملت مزید تحریر فرماتے ہیں:

''انتقال سے چند روز قبل برادرم سید نجیب حیدر نوری سے فرمایا کہ بیٹا ! مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کے مسلک حق کو ہمیشہ مضبوطی سے تھامے رہنا درحقیقت مسلک اعلیحضرت کوئی نئی چیز نہیں ہے کہ یہی مسلک صاحب البرکات ہے، مسلک غوث اعظم ہے مسلک امام اعظم ہے اور مسلک صدیق اکبر ہے۔

(سیدین نمبر ص ۶،۵)

حضرت امین ملت اپنے عم محترم حضور سید العلما کے بارے میں لکھتے ہیں:

عم محترم حضور سید العلما نے اپنی پوری زندگی مسلک اعلیٰحضرت کی اشاعت کے لئے وقف فرمادی خاندان برکاتیہ کا بچہ بچہ مسلک اعلیٰحضرت کا شیدائی ہے ہماری نجی مجالس ہوں یا عوامی جلسے ہرجگہ مسلک اعلیٰحضرت کی تبلیغ واشاعت ہی ہم لوگوں کا نصب العین اور مطمح نظر ہوا کرتا ہے اس ضمن میں اپنے عم محترم "حضور سید العلما" قدس سرہ کا یہ شعر مجھے بار بار یاد آرہا ہے

حفظ ناموس رسالت کا جو ذمہ دار ہے

یاالٰہی مسلک احمد رضا خاں زندہ باد

(سیدین نمبر ص ۳۷۹)

پروفیسر سید جمال الدین اسلم برکاتی مارہروی، قدوۃ الواصلین، زبدۃ الکاملین، سید العارفین، سند المتصلبین فی السنۃ والدین، حجۃ الخلف، بقیۃ السلف، تاجدار مسند برکاتیہ مطہرہ زینت سجادہ غوثیہ قادریہ مقدسہ مولانا سید شاہ ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن ملقب بہ شاہ جی قادری برکاتی آل احمدی کے مکاتیب شریفہ جو تاریخی نام مفاوضات طیبہ (۱۳۵۴ھ) سے موسوم ہیں اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"مفاوضات طیبہ" سے اس بات کی صریح وضاحت ہوجاتی ہے کہ امام اہل سنت مجدد دین وملت الشاہ مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان ابتداء ہی سے خانقاہ برکاتیہ کے روحانی فرزند اور خانوادۂ برکاتیہ کے رکن رکین تسلیم کئے گئے ہیں خانقاہ برکاتیہ سے مسلک اعلیٰحضرت کی ترویج و اشاعت کا جو سلسلہ جاری ہے وہ ایک موروثی فریضہ ہے دراصل مسلک اعلیٰحضرت خانقاہ برکاتیہ کا عظیم ترین علمی و دینی تحفہ ورثہ ہے جو ایک نسل کے بعد دوسری نسل میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ منتقل ہوتا رہے گا"۔

(اہل سنت کی آواز مارہرہ اکتوبر ۱۹۹۶ء)

گفتگو اس پر چل رہی تھی کہ میڈیا کا بے جا استعمال ہو رہا ہے آج مسلک اعلیٰحضرت کا اطلاق واستعمال بھی موضوع سخن بن چکا ہے اور اس کے خلاف زہر افشانیاں کی جا رہی ہیں جبکہ ہمارے اکابر واسلاف کرام اور سادات مارہرہ مقدسہ ہی نے مسلک اعلیٰحضرت کا اطلاق واستعمال فرمایا اور اس کی ایسی روشن وضاحت فرمائی جو کی جانے والی بے جا موشگافیوں کی بیخ کنی کر دیتی ہے ہمارے اکابر واسلاف کرام اور سادات مارہرہ مقدسہ کے نقوش ہمارے لئے مشعل راہ ہیں نہ کہ مطلق العنان موشگافیاں ایسے حالات میں میڈیائی قوتوں کا لسانی وقلمی طاقتوں کے ذریعہ جواب دینا اور میڈیا کا صحیح استعمال کر کے قوم کو افتراق وانتشار سے بچانا علمائے اہل سنت کی عظیم ترین ذمہ داری بن جاتی ہے۔ آج حالات جس طرح کروٹ لے رہے ہیں امت مسلمہ کا مستقبل حد درجہ پر خطر نظر آ رہا ہے قدم قدم پر نو بہ نو فتنے بپا ہیں امت مسلمہ کی راہ نمائی علمائے حق وارثان علوم مشکوٰۃ نبوت ہی کی اہم ترین ذمہ داری ہے کہ مثل مشہور ہے۔

إذا كان الغراب دليل قوم ☆ سيهديهم طريق الهالكين

رب کریم ہمیں حق کی حفاظت وحمایت وتائید ونصرت کی توفیق رفیق بخشے۔

آمین بجاه النبی الامین الکریم علیه افضل الصلوٰات وأزکی التحیة واسمی التسلیم۔

محمد ناظم علی رضوی مصباحی

استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

روز دوشنبہ مبارکہ ۲ رصفر ۱۴۲۸ھ

تقریظ جمیل

جانشین مشائخ بلگرام رئیس الاتقیاء
حضرت علامہ حافظ وقاری سید اویس مصطفیٰ قادری واسطی دام ظلہ العالی
زیب سجادہ خانقاہ عالیہ قادریہ چشتیہ رزاقیہ برکاتیہ، بانی دار العلوم دعوۃ الصغریٰ میدانپورہ بلگرام شریف ہردوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بفضلہٖ تعالیٰ بطفیل نبی الاعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فقیر قادری کی دلی خواہش پوری ہوئی کہ بزرگان بلگرام کے حالات پر مشتمل معرکۃ الآراء کتاب ''مآثر الکرام'' مصنفہ حسان الہند حضرت علامہ شاہ میر سید غلام علی آزاد واسطی بلگرامی کا اردو ترجمہ ہو کر منظر عام پر آرہا ہے، اس کتاب کے سلسلے میں مریدین ومتوسلین کا پیہم اصرار بھی تھا۔ علامہ موصوف جملہ سادات زیدی، واسطی، بلگرامی کے جد اعلیٰ فاتح بلگرام مجمع البحرین حضرت شاہ سید محمد صاحب الدعوۃ الصغریٰ علیہ الرحمہ کی ۱۶/ویں پشت میں ہیں جو ولی صفت محقق، مدقق، مورخ بے نظیر، بے مثال شاعر ہیں۔

اس کتاب میں حضرت علامہ علیہ الرحمہ نے عموماً ہندوستان، بیرون ممالک کے مشائخ اور خصوصاً فقرا و علمائے بلگرام کے حالات رقم فرمائے ہیں جو فن رجال میں قابل قدر اضافہ کے ساتھ بے سکون و بے قرار لوگوں کے لئے دوائے دل کا کام کرتی ہے۔ اولاً میں نے اس کی ذمہ داری مولانا مختار احمد نظامی گورکھپوری سابق صدر مدرس دار العلوم دعوۃ الصغریٰ کے سپرد کی تھی۔ انہوں نے بڑی جانفشانی کے ساتھ یہ کام کیا مگر علالت کے باعث نامکمل رہا، جس کو مولانا یونس رضا مونس نے جو جانشین مفتی اعظم ہند ازہری میاں صاحب کے زیر سایہ رہ کر اہل سنت کی مرکزی درسگاہ جامعۃ الرضا میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، باوجود اپنی مصروفیات کے اسے مکمل کیا۔ اور حضرت مفتی ارشاد احمد رضوی

ساحلؔ شہسرامی صاحب نے نظر ثانی وتصحیح فرمائی۔ فقیر قادری اور خانقاہ عالیہ قادریہ چشتیہ صغرویہ کے جملہ افراد ان سب مذکورہ اور غیر مذکورہ حضرات جنھوں نے اس کتاب سے متعلق کوئی کام انجام دیا ہو، ان سب کے شکر گزار ہیں اور دعا گو ہیں مولیٰ تعالیٰ ان سب حضرات کو اجر عطا فرمائے اور ''مآثر الکرام'' کے ترجمہ کو جو صالحین کے حالات سے مملوء ومزین ہے، مفید انام بنائے اور جیسا کہ رسول پاک علیہ السلام کا ارشاد ہے عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة (صالحین کے ذکر کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے) یہ کتاب لوگوں کے قلوب واجسام پر نزول رحمت باری کا سبب بنے۔ آمین ثم آمین بجاه النبی الامین المکین الکریم علیه و علی اٰلہٖ افضل الصلوٰة والتسلیم۔

سید اویس مصطفیٰ قادری واسطی

خادم خانقاہ عالیہ قادریہ، بلگرام شریف ہردوئی

۱۴ر صفر المظفر ۱۴۲۹ھ

تقریظ جلیل

سراج الاولیا تاج الشریعہ قاضی القضاۃ جانشین مفتی اعظم

حضرت علامہ مفتی **محمد اختر رضا** قادری ازہری دام ظلہ

بانی: مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا بریلی شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

میں نے عزیز سعید مولانا یونس رضا اویسی کا اردو ترجمہ کہیں کہیں سے پڑھوا کر سنا، انہوں نے حضرت مولانا غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز تصنیف ''مآثر الکرام تاریخ بلگرام'' جو فارسی میں ہے کا ترجمہ کیا ہے۔

الحمد للہ! یہ ایک اچھی کاوش ہے، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور عامۃ المسلمین کو مآثر کرام سے نفع بخشے۔ آمین بجاہ النبی الامین علیہ و علی آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

فقیر محمد اختر رضا قادری ازہری غفرلہ

۲۶ رمحرم الحرام ۱۴۲۹ھ

تقریظ انیق

عمدة المحققین رئیس المفتیین

حضرت علامہ مفتی قاضی محمد عبد الرحیم بستوی دام ظلہ

صدر مفتی مرکزی دار الافتاء بریلی شریف

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

یا فتاح یا علیم یا مجیب یا حمید

کتاب مستطاب ''مآثر الکرام'' محتاج تعارف نہیں ہے نہ اسکے مصنف حسان الہند علامہ میر سید غلام علی آزاد بلگرامی قدس سرہ جوخود مستند و معتمد و محقق عالم دین معروف و مشہور ہیں۔ کتاب سند کا درجہ رکھتی ہے اور مصنف موصوف محقق مدقق کے منصب جلیل پر فائز ہیں۔ اور مترجم عزیزی مولانا محمد یونس اویسی سلمہ فیضان رضا کے فیض سے فیض یاب ہیں اور ''جامعة الرضا'' میں لائق فائق مدرس ہیں مولیٰ تعالیٰ اس ترجمہ کو مقبول بین الانام فرمائے۔ و اخـر دعـوانـا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

قاضی محمد عبد الرحیم بستوی غفرلہ القوی

مرکزی دار الافتاء ۸۲ رسوداگران بریلی شریف

۱۶ رصفر المظفر ۱۴۲۹ھ

تقریظ منیر

خواجۂ علم و فن جامع معقولات

حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین دام ظلہ

شیخ الحدیث چرہ محمد پور فیض آباد

آج بتاریخ ۲۶ رجنوری ۲۰۰۸ء بغرض زیارت آستانہ عالیہ رضویہ شریف حاضر ہوا۔ازہری مہمان خانہ میں حضرت علامہ محمد یونس صاحب قبلہ نے ''مآثر الکرام تاریخ بلگرام'' تصنیف لطیف حضرت علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی کی زیارت کرائی اور ساتھ اسکے ترجمہ جس کو حضرت مولانا یونس نے خود ہی بڑی کوشش اور جدو جہد سے فرمایا نظر نواز ہوا۔ترجمہ کے ایک ایک سطر سے اس ترجمہ کی خوبی اور حسن ادائیگی ظاہر ہوتی گئی، گو کہ میں مکمل ترجمہ نہ پڑھ سکا لیکن جا بجا پڑھنے سے ہی اس کوشش کے کامیاب ہونے کی پوری ضمانت سمجھ میں آگئی۔

میری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اس ترجمہ کو اس کے اصل ہی کی طرح مقبول عوام وخواص فرمائے۔بلگرام شریف کے حالات سے میں پہلے ہی بہت حد تک واقف تھا اور وہاں کے صاحب سجادہ حضرت علامہ سید اویس مصطفیٰ صاحب قبلہ سے کئی بار دعائیں لیتا رہا اور آج ان کے وطن مالوف سے تعلق رکھنے والی کتاب کی زیارت سے بھی شرف ہونے کا موقع ملا۔مولیٰ تعالیٰ بلگرام شریف کے بزرگوں کے صدقے ہم پر اپنے فضل وکرم کی بارش برسائے۔آمین

العبد خواجہ مظفر حسین

نزیل بریلی شریف

تقریظ مبارک

صوفیٔ باصفا عالم باعمل
حضرت علامہ مفتی محمد صالح قادری بریلوی دام ظلہ
شیخ الحدیث دارالعلوم جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

کتاب ''مآثر الکرام تاریخ بلگرام'' بارہویں صدی ہجری کی، فارسی زبان میں لکھی گئی ایک رفیع القدر و عظیم النفع، معروف ترین مخصوص تاریخی کتاب ہے۔ جس میں فاضل مصنف جلیل القدر ماہر فنون کثیرہ بلند پایہ ادیب شہیر جناب میر غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنے علاقہ کے چیدہ چیدہ فضلا و حاملان علوم شرعیہ اور منتخب منتخب فقرا و عرفا و سالکان طریقت قدست اسرارہم القدسیہ کے حالات اور سوانح بڑی خوبی کے ساتھ جمع کئے ہیں۔ قابل دید لائق مطالعہ کتاب ہے، چونکہ برصغیر میں فی زماننا فارسی داں برائے نام رہ گئے ہیں اسلئے ضرورت تھی کہ کتاب کا اردو میں ترجمہ ہو جاتا تا کہ اگلوں کی طرح پچھلے بھی (فارسی والوں کی طرح اردو والے بھی) کتاب کی خوبیوں سے منتفع و متمتع ہو سکیں۔

اس کا احساس مترجم مولوی محمد یونس سلمہ (فاضل جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف) کو ان کے بعض مخادیم واحباب نے دلایا۔ اور کسی نہ کسی طرح بالآخر اس خدمت کے لئے انہوں نے خود کو تیار کر لیا اور آہستہ آہستہ کام شروع کر دیا۔ یہ اس وقت قارئین کے ہاتھ میں یا زیر نظر جو کتاب ہے اسی ''مآثر الکرام'' کا اردو ترجمہ ہے۔

فاضل نوجوان مولوی محمد یونس سلمہ استاذ جامعۃ الرضا بریلی نے بہت اچھے ڈھنگ سے ترجمہ کیا ہے۔ ماشاء اللہ لائق تحسین ہے کہ بامحاورہ ہے اور سلیس

وقیع ہے۔

کسی کتاب کا لسانی جامہ تبدیل کرنا (دوسری زبان میں ترجمہ کرنا) کوئی سہل کام نہیں ہوتا ہے۔ اس راہ میں طرح طرح کی دشواریاں پیش آتی ہیں اس راہ سے گزرنے والے جانتے ہیں کہ اس کو سر کرنے میں کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، جبھی تو مانا جاتا ہے کہ ترجمۂ کتاب سے آسان تر ہوتا ہے از سر نو تصنیف کرنا۔ ترجمہ تصنیف سے زیادہ نازک ودشوار کام ہے۔

مترجم سلمہ کو ان کی یہ خدمت علمی وملی مبارک ومسعود ہوانہوں نے اس اہم ضرورت کو پوری کر کے، قوم کو بہت بڑا نفع پہنچایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی یہ خدمت علم قبول فرمائے اور انہیں اور قوم کو اس سے خوب سے خوب متمتع کرے اور مزید توفیق مرحمت فرمائے۔ اور یہ خدمت، سرمائے ملت میں معدود ہو۔ اور سعادت دین ودنیا نصیب ہو۔ آمین بجاہ نبینا الوجیہ الکریم۔ وصلی اللہ تعالیٰ وبارك وسلم علیه و علیٰ آله وصحبه اجمعین و علی سائر الصالحین و علینا بهم۔ والحمدلله رب الغلمین۔

راقم السطور

بندۂ حقیر محمد صالح قادری بریلوی

شب ۱۸ر صفر ۱۴۲۹ھ/ ۲۵ر فروری ۲۰۰۸ء

تقریظ منور

شہزادۂ تاج الشریعہ عالم نبیل فاضل جلیل
حضرت علامہ محمد عسجد رضا قادری دام ظلہ
ناظم اعلیٰ: مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا بریلی شریف

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تیرے غلاموں کا نقش قدم ہے راہ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

سرزمین بلگرام سادات کرام ،اولیائے عظام کا گہوارہ اور ایسا معدن علم وفضل ہے جہاں سے ایسے ایسے بے بہا لعل وجواہر نکلے ہیں جنکے نام اس خاکدان گیتی پر بین الخواص والعوام تا قیام قیامت روشن رہیں گے اور وہاں سے ہمارا رشتہ قدیم ہے۔سیدنا وجدنا امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقمطراز ہیں۔

اللہ اللہ عز و شان احترام بلگرام
عبد واحد کے سبب جنت ہے نام بلگرام

چنانچہ خاندان بلگرام کے زیب سجادہ حضرت مولانا سید شاہ محمد اویس مصطفیٰ واسطی قادری مدظلہ النورانی آج بھی دعوت پر عرس رضوی میں تشریف لاتے ہیں اور ''جامعۃ الرضا'' کی کانفرنس کی زینت بنتے ہیں۔اللہ تعالیٰ خانقاہ بلگرام اور خانقاہ رضویہ کے روابط کو تا ابد قائم رکھے۔نیز جملہ خانقاہوں کے درمیان جو مسلک اہل سنت،مسلک اعلیحضرت پر گامزن ہیں۔باہم رحماء بینھم کی عملی تصویر بنائے۔آمین

گلشن فاطمی کے ایک بے نظیر مؤرخ محقق ومدقق حسان الہند حضرت علامہ

میر سید غلام علی آزاد بلگرامی قدس سرہ السامی ہیں جن کی فن اسماء الرجال میں ایک زبردست معرکۃ الآراء کتاب مستطاب ''مآثر الکرام'' ہے، جو ایسے اتقیا، صلحا، فضلا، کملا وصدوق کے احوال پر مشتمل ہے جن کی زندگی ہمارے لیئے نمونہ عمل اور سرمایہ حیات ہے، کتب احادیث میں ایسی بیشتر حدیثیں اور اقوال صحابہ وتابعین وارد ہیں جن میں بزرگوں کے طریقے کو اپنانے کی رغبت دلائی گئی ہے اور اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو ایسے ہی صالحین کی روش اپنانے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یا ایھا الذین آمنوا اتقو اللّٰہ وکونوا مع الصادقین. اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ علامہ علیہ الرحمہ نے ان مقدس حضرات سے روشناس کرایا لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ان کے روشن نقش قدم کو مقصد حیات بنائیں اور ان کی روش پر ثابت قدم رہیں۔

کتاب مستطاب مآثر الکرام فارسی زبان میں تھی اور فارسی زبان یوں تو بہت شیریں کہی جاتی ہے مگر دشوار بھی، جیسا کہ فارسی کا مقولہ ہے زبان فارسی خیلے دشوار است لاکن شیریں است۔ اب جبکہ زبان فارسی سے لوگ کافی حد تک دور ہیں اور گنتی کی چند کتابیں مکتب علم وادب میں رائج ہیں جس سے فارسی ادب میں مہارت تامہ تو درکنار سیر حاصل آشنائی بھی نہیں ہو پاتی ایسے ماحول میں کسی فارسی زبان کی کتاب کو کسی دوسری زبان میں تبدیل کرنا سنگلاخ وادی میں قدم رکھنا ہے مگر پھر بھی اپنی گراں قدر کدو کاوش سے اس کا اردو ترجمہ عزیز القدر مولانا محمد یونس رضا مونس اویسی، نائب صدر المدرسین جامعۃ الرضا بریلی شریف، تلمیذ وخلیفہ والد ماجد حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی نے کیا ہے۔ کہیں کہیں سے دیکھنے کا موقع بھی ملا، ماشاء اللہ خوب اور کافی معلوماتی پایا۔ اور اس سے موصوف کی اچھی کاوش کا بھی پتہ چلا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ترجمہ کو مقبول انام وعام بنائے اور بلگرامی بزرگوں

کے فیضان سے مالا مال فرمائے، ہمیں صراط مستقیم پر چلائے اور ان کے راستے پر جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا اور ان کے راستے سے بچائے جن پر باری تعالیٰ کا غضب ہوا۔ آمین بجاہ سیدالمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

جناں بنے گی محبان چار یار کی قبر
جو اپنے سینے میں یہ چار باغ لے کے چلے

فقیر محمد عسجد رضا قادری غفرلہ
۱۷؍صفر المظفر ۱۴۲۹ھ

مآثر الکرام تاریخ بلگرام

حسان الہند حضرت علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

نسائم المحامد سارية الى الحمى السرمدى وازهار التصلية والتسليم باسمة على العريش الاحمدى وقوافل التحية واصلة الى مواطن آله النجباء وسحائب الرضوان منهمرة على مساكن صحبه الرحماء۔

تمام تعریفوں کی مشکبار ہوائیں سرمدی سبزہ زار کی سمت رواں دواں ہیں، اور درود وسلام کی کلیاں کاشانۂ احمدی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں مسکرا رہی ہیں، اور مبارک بادیوں کے قافلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریف آل کی بستیوں تک پہنچ رہے ہیں اور رضائے الٰہی کے بادل آپ کے مہربان صحابہ کے مسکنوں پر برس رہے ہیں۔

ارباب بصیرت کے دلوں پر واضح ہے کہ خالق کائنات جس کی شان بڑی اور برہان عظیم ہے، نے ہیئت دنیا کو ایک نادر طرز اور خوبصورت ترتیب سے پیدا فرمایا اور پرشکوہ اجسام کو جو جگہ کے محتاج تھے انہیں مناسب مقامات عطا کئے اور تمام اشیاء کی طبیعتوں کو مکان اصلی کا گرویدہ بنایا اور علویات وسفلیات (آسمان و زمین) کی تمام مخلوقات کے دلوں میں وطن کی محبت جاگزیں کی۔

آسمان کتنے ہی چکر لگائیں ان کا محور سے باہر ہونا محال ہے، سیارے سر کے بل کتنے ہی غوطے لگائیں کیا مجال کہ وہ اپنے دائرے سے باہر آ جائیں، آگ جو پتھر کے سینے میں گھری ہوتی ہے جب راہ فرار پاتی ہے تو پر پرواز جہت بالا کو پھڑ پھڑاتی ہے، اور وہ سانس جو غواص کی حراست میں ہے جب دریا کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے تو کمند شوق ہوا کے کوٹھے پر ڈال دیتی ہے، اور رواں چشمے کا پانی فوارے چھوڑتا نکلتا ہے محیط کی جانب اچھلتا ہے، مٹی جو ہوا کے ہاتھ میں پڑتی ہے

بالآخر اپنی مرکز سفلی زمین کی طرف موڑ لیتی ہے، پنجرے میں چڑیا گھونسلے کی یاد میں شدت کے ساتھ بےچین رہتی ہے، اور شکار کی مچھلی ساحل کی مٹی پر پانی نہ ہونے سے مردہ ہو جاتی ہے۔

انسان جو مختلف جہانوں کا مجموعہ ہے، اس کی محبت جامع محبت ٹھہری اور اس کی پسندیدہ چیزیں سب سے زیادہ ہوئیں۔ بلا شبہ اس کی الفت بہت سے اسباب سے حاصل ہوئی ہے۔

(۱) روایت ہے کہ صحابی رسول حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ہجرت کر کے) مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ چلے اور سید بطحا ﷺ کی غلامی سے شرفیاب ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا: یا ابّان کیف ترکت مکة قال ترکت الاذخر قد اعذق والنمام قد خاض قد زفت عینا رسول اللہ ﷺ یعنی اے ابان! تو نے مکہ کو کس حال پر چھوڑا؟ عرض کی، میں نے مکہ اس حال میں چھوڑا کہ اذخر (سبز گھاس) بار آور ہو چکی تھی اور نمام (خوشبودار پودے) کی نشو ونما مرتبۂ کمال کو پہنچ چکی تھی۔ یہ سن کر حضور ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں: قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لمکة ما اطیبك من بلدةٍ واحبك الیّ لولا ان قومك اخرجو نی ما سکنت غیرك، حضور ﷺ نے مکہ معظّمہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تو کتنا اچھا شہر ہے اور تو مجھے کس قدر محبوب ہے، اگر تیری قوم مجھے نہ نکالتی تو تیرے سوا میں کسی شہر کو اپنا وطن نہ بناتا۔

(۳) امام بخاری روایت کرتے ہیں: قال رسول اللّٰہ ﷺ اللھم حبب الینا المدینة کحبنا مکة اوا شد حبا۔ اے اللہ مدینہ کو مکہ کی طرح ہمارا محبوب بنادے بلکہ اس سے اس کی زیادہ محبت عطا کر۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ہجرت کر کے مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ پہنچے تو انہیں سخت بخار آ گیا، اسی حالت میں جب دماغ کو کچھ ہوش آتا یہ دو شعر بآواز بلند پڑھتے۔

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلة
بوادٍ وحولی اذخر وجلیل

وھل اردن یوما میاہ مجنة
وھل یبدون لی شامة وطفیل

(جَلیل نمام کی مانند ایک خوشبودار گھاس کا نام ہے، اور مِجَنّۃ وادی بطحا میں ایک جگہ کا نام ہے شامہ اور طفیل دو مکی پہاڑیاں ہیں اور لیت تمنا کے لئے استعمال ہوتا ہے)

کاش مجھے علم ہوتا کہ آیا میں مکہ کی وادی میں کوئی رات بسر کرسکوں گا جبکہ اذخر و جلیل کی خوشبودار گھاسیں میرے ارد گرد اُگی ہوئی ہوں گی اور کیا میں مجنہ کے چشمہ پر وارد ہوسکوں گا اور کیا میں شامہ و طفیل پہاڑیوں کا نظارہ پھر کرسکوں گا۔

دونوں شعروں کا حاصل مفہوم مکہ مکرمہ کا اشتیاق اور وہاں کی وادیوں، پہاڑیوں اور سبزہ زاروں کی دلکش یاد ہے۔ یہیں سے انسان کی وطنی الفت و محبت ظاہر ہو رہی ہے۔

اسی بنیاد پر مجھ آوارۂ دشت گمنامی **آزاد بلگرامی** کو وطن کی محبت نے انگیز کیا کہ ''بلگرام'' (اللہ تعالیٰ اسے گردش ایام سے محفوظ رکھے) کے اہل کمال بزرگوں کے بیان میں ایک تذکرہ لکھوں اور اس انجمن کے چراغاں کا جو عکس، فقیر کے آئینہ علم میں جلوہ نما ہے صفحۂ قرطاس پر بکھیر دوں، شاید کہ تذکرۂ وطن جسمانی دھیرے دھیرے وطن روحانی کی یاد لے آئے، اور اس فقیر کو اس جہان کی محدود فضا سے نکال کر لامکاں کی وسعتوں کی سیر کرادے۔ لقد کان فی قصصھم

عبرۃ لاولی الالباب ماکان حدیثا یفتریٰ (واقعی ان کے قصوں میں نصیحت ہے عقل والوں کے لئے یہ کوئی گڑھی ہوئی بات نہیں)۔

للّٰہ الحمد والمنۃ (تمام تعریفیں اوراحسان اللہ ہی کے لئے ہیں) انتہائی جدو جہد اور سعی بلیغ کے بعد بالآخر تمنا کی پر یزادی کو قلم کے جادو سے مسخر کرلیا، اور وہ خیال جو وحشیانہ دل کے ارد گرد گھوم رہا تھا، اسے تصویر وتحریر کے گلدان میں سجا دیا۔

زمانۂ اسلاف تلاش کرنے کی عجیب تدبیر دل میں آئی، اور رائے صائب کی رہنمائی میں جادۂ مستقیم طے ہو گیا، پس اس سلسلے میں ساکنین شہر سے ملاقاتیں کیں اسلاف کی باقی ماندہ تحریری دستاویزات حاصل کیں اور پھر ان حالات کی ہم عصر علما اور مشائخ سے تائیدیں لیں اور یوں اس مقدس گروہ کے عہد کی تاریخ کے پردے سے نقاب کشائی عمل میں آئی۔ چنانچہ کتاب کی تدوین میں جابجا ان مشائخ کے اشعار قلمبند کئے ہیں اور ہر ایک کے عہد نامہ پر اذعان کی مہر لگائی ہے۔

مجھ سے پہلے کسی نے بھی اپنی کوششیں اس درجہ صرف نہیں کیں نہ ہی بزرگان سلف وخلف کی خدمت میں کسی نے اتنی مضبوط کمر باندھی مختصر یہ کہ میں نے خون جگر صرف کر کے گلہائے حقیقت اوراق کے دامن میں بکھیرے ہیں۔ کافی سونا کٹھالی میں گلایا جس سے تفصیل کی تعویز قلم کی گردن میں آویزاں کر سکا، یاروں میں کون ہے میرے جیسا جس نے وطن کے نام ورسم کے احیاء میں اتنی محنت صرف کی ہو اور تمام پرانے اور نئے درختوں کو ایک ساتھ آب حیات سے سیراب کیا ہو۔

بزرگوں کے حسن قبول سے امید رکھتا ہوں کہ نیاز مند کو کان سعیکم مشکوراً (آپ کی کوششوں کے ہم شکر گزار ہیں،) کے خطاب سے نوازیں گے اور حق شناس عزیزوں سے بھی امید ہے کہ خادم با اخلاص کو ھل جزاء الاحسان الا الاحسان (احسان کا بدلہ نہیں ہے سوائے احسان کے) کے

مژدہ سے مسرور فرمائیں گے۔

زیارت حرمین شریفین

خوبیٔ تقدیر کہ جس وقت مصور خیال (**علامہ آزاد**) اس کتاب کا خاکہ تیار کرنے میں لگا تھا اور صیاد فکر غزالان مطالب کی گھات میں بیٹھا تھا حسن اتفاق کہ حرمین شریفین شرفہما اللہ تعالیٰ کے سفر کی سعادت نصیب ہوئی اور سرگرم عمل ہاتھوں کی تیز گامی میں تعطل پیدا ہو گیا۔ رہنمائے ازل (خدائے تعالیٰ) نے میری مشت خاک کو مقدس مقامات تک پہنچایا اور اس دولت ابدی سے فیضیاب کرنے کے بعد ممالک دکن کی سیر پر مامور فرمایا۔ انہیں دنوں میں نے مسودہ وطن سے منگوا کر اس بات کی پوری کوشش کی کہ یہ تحریر تنقید و تحقیق کے میزان پر پوری اترے۔

تصنیف کے مضامین

جن مقدس شخصیتوں کا تذکرہ ہونا ہے اور جن کے عظیم کارناموں کی پرچم کشائی کرنی ہے، وہ پانچ طرح کے لوگ ہیں:

(۱) مشائخ کرام (۲) فضلائے عظام (۳) شعرائے عربی (۴) شعرائے فارسی (۵) شعرائے ہندی

یہ کتاب علمائے کرام اور مشائخ عظام کے تذکرے کے لئے خاص ہے اور انہیں دونوں گروہوں کے احوال کا مکمل آئینہ ہے اور تینوں زبانوں کے شعراء کے لئے رنگ سواد علیٰحدہ بکھیرا ہے۔ بعض وجوہات سے ان دونوں فصلوں کو فصول شعراء میں ضم نہیں کیا۔

کتاب کا نام

اس نسخہ کا نام "مآثر الکرام تاریخ بلگرام" ہے اور کتاب مستطاب کے مطالب دو فصلوں میں مکمل ہیں۔

فصل اوّل: فقرائے اسلام کے ذکر میں، اللہ تعالیٰ ان کے باطن پاکیزہ رکھے۔

فصل دوم: علمائے کرام کے بیان میں، اللہ تعالیٰ ان کی خوابگاہیں ٹھنڈی رکھے۔

بادۂ لطف وکرم پلانے والوں اور نشۂ انصاف کے سرمستوں سے توقع ہے کہ اگر اس میکدے کا مطالعہ کریں تو خاکسار کو دعا کے ایک گھونٹ کے ساتھ یاد کریں (یعنی کتاب پڑھیں تو دعائے خیر میں فقیر آزاد کو یاد رکھیں) کہ وللارض من کأس الکرام نصیب (کیوں کہ کریموں کے جام سے زمین جیسی بے قدر شئ کو بھی حصہ ملا کرتا ہے) اور کوئی لغزش نظر آئے تو اقتضائے بشریت سے جانتے ہوئے معاف فرمائیں والعذر عند کرام الناس مقبول۔ (شریف لوگوں کی بارگاہ میں معذرت قبول ہوتی ہے)۔

فصل اوّل

مشائخ عظام قدس اللہ اسرارھم کے تذکرے میں

ہندوستان کی فتح محمد بن قاسم کے ہاتھوں

ستاروں کی مانند چمکتی طبیعتوں پر روشن ہے کہ ہر ملک میں اولیائے امت کا وجود دنیاوی ممالک کی فتوحات وشعائر اسلام کی جلوہ افروزی کے ساتھ ساتھ ہوتا گیا، ملک ہندوستان ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں محمد بن قاسم ثقفی کے ہاتھوں فتح ہوا۔ ۹۲ھ کے وسط سے ۹۵ھ کے آغاز تک اسلامی جھنڈے ولایت سندھ کے حدود پار کر کے قنوج کے ارد گرد تک لہرانے لگے تھے اور ملک کے سرکشوں کو تابع بنا رہے تھے۔ اس وقت سے لے کر پانچویں صدی کے نصف اوّل تک خلفائے مروانیہ وعباسیہ کے گماشتے (گورنر) سندھ سے دیبالپور (کراچی) کی حدود تک حکومت کرتے رہے۔ مشرقی ممالک پر بدستور ہند کے راجے قابض تھے۔

محمود غزنوی کا جہاد ہندوستان سے

جب سلطان محمود غازی غزنوی غزنین کے تخت سلطنت پر رونق افروز ہوئے تو چوتھی صدی ہجری کے آواخر میں جہاد ہندوستان کا ارادہ کرلیا، انہوں نے کئی بار اپنی فاتح فوج کے ساتھ آکر میدان کارزار گرم کیا، اور بلند اقتدار راجاؤں مہاراجاؤں کو شکست دی، اور بے انداز اموال غنیمت جو خیال کی وسعت میں نہیں سماتا حاصل کیا، اور ملک سندھ کا زمام اقتدار ۴۱۶ھ میں قادر باللہ بن مقتدر باللہ عباسی کے حکام سے چھین کر اپنے ہاتھوں میں لے لیا مگر سلطان محمود نے کشور ہندوستان پر سلطنت کرنے کا ارادہ نہیں کیا بلکہ ان کی اولادوں نے لاہور تک اپنا قبضہ جمائے رکھا۔

محمد غوری کا ہندوستان پر حملہ

یہاں تک کہ حکومت سلاطین غزنی سے غوری سلاطین کے ہاتھوں تک پہنچی اور سلطان معزالدین سام المعروف بہ سلطان شہاب الدین غوری نے تسخیر ہند کا ارادہ کر لیا اور لاہور پر چڑھائی کر کے حکومت غزنویہ کے آخری سلطان خسرو ملک کو ۵۸۲ھ میں گرفتار کر لیا اور اکثر ممالک ہند پر بزور شمشیر قبضہ جما لیا۔ ۵۸۹ھ میں دہلی کو دارالسلطنت کی شکل دی اس وقت سے لیکر آج تک ہندوستان کی ریاستیں اسلامی فرمانرواؤں کے ہاتھ میں ہیں اور ہندو راجے فرمانبردار و باجگزار ہیں (۱)۔

اور ظاہر ہے کہ اسلام کے آفتاب عالم تاب کے ابتدائے طلوع ہی سے اس عالم میں کوئی بھی زمانہ اولیائے امت و اصفیائے ملت سے خالی نہ رہا۔ مگر اس گروہ کے حالات ساتویں صدی ہجری کے اوائل سے محفوظ کئے جا سکے، اس سے پہلے کے اکابر کے آثار و احوال مختلف وجوہات سے پردۂ خفا میں رہ گئے اور ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا۔ (یعنی کیا انسان پر ایک زمانہ ایسا نہ آیا جب وہ قابل ذکر چیز نہیں تھا) کا مصداق بن گئے۔ البتہ بعض کے احوال ''قال'' کے لباس میں نادر طور سے ملتے ہیں۔ جیسے

اسلام کا اوّل مصنف

ابو حفص ربیع بن صبیح سعدی بصری یہ تبع تابعین اور ثقات محدثین میں ہیں۔ عابد، مجاہد اور صداقت مآب تھے یہ سب سے پہلے شخص ہیں جو اسلام میں کتابیں تصنیف کرنے میں مشغول ہوئے (۲)۔

حضرت حسن بصری اور حضرت عطاء سے حدیثیں سنیں اور ان سے سفیان ثوری، وکیع اور ابن مہدی نے حدیث کی روایت کی۔ صاحب مغنی فرماتے ہیں:

(۱) ابھی ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں ہے بلکہ جمہوری حکومت ہے اور اس حکومت کی باگ ڈور غیروں کے ہاتھوں میں ہے اللہ تعالیٰ کوئی سبب پیدا فرمائے کہ اسلامی حکومت قائم ہو، اویسی

(۲) التعلیق الممجد علی موطا امام محمد میں مولانا عبدالحئی فرنگی محلی نے یہ واضح کیا ہے کہ علم حدیث میں سب سے پہلے کتاب کے مصنف حضرت ابو حفص ربیع ابن صبیح ہیں۔ اویسی

کہ آپ کا انتقال ۱۶۰ھ میں سرزمین سندھ میں ہوا ان کے علاوہ صاحب کشف المحجوب علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش جن کا انتقال ۴۶۵ھ میں اور شیخ فخر الدین زنجانی پیر ارشاد شیخ سعد الدین حموی (یہ دونوں بزرگ خاک لاہور میں آسودہ ہیں) اور شاہ یوسف کردیزی جو ۵۵۰ھ میں کردیز سے کابل ہوتے ہوئے ملتان تشریف لائے اور مقیم ہوگئے وغیرہم کے حالات ملتے ہیں۔

خواجۂ ہندوستان کا احسان

اولیاء اللہ میں سب سے پہلے جنہوں نے ملک ہندوستان میں سلسلۂ ولایت برپا کیا اور شریعت وطریقت کے انوار کو پھیلایا، وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ ہیں اور بلاشبہ عنبر سرشت بزرگان چشت کا ولایت ہند کی گردن پر قدیم احسان ہے، کیوں کہ سلطان محمود غازی غزنوی نے دست توسل انہیں حضرات چشتیہ کے دامن میں دیا تھا اور انہیں کی مقدس حمایتوں کے ذریعہ غزوۂ ہند پر کمر باندھی تھی۔

خواجہ محمد چشتی سلطان محمود کے ساتھ

جنگ سومنات میں تو خود بنفس نفیس خواجہ محمد چشتی بادشاہ کے ساتھ ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سرزمین کو ہمیشہ کے لئے اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف جاوید بخشا(۱)۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب سلطان محمود نے سومنات پر فوج کشی کا ارادہ کیا تو خواجہ صاحب کو خواب میں بتایا گیا کہ بادشاہ کی اعانت کے لئے ہندوستان کا سفر اختیار کریں چنانچہ خواجہ قدس سرہ نے ستر سالہ درویشی کی عمر طے کرنے کے باوجود راہ جہاد میں یہ چند قدم بھی طے فرمائے اور میدان جنگ میں

(۱) صوبہ گجرات میں ضلع جونا گڑھ میں ویراول ہے وہیں سومنات مندر ہے اور شہداء کرام اور دیگر بزرگان دین کے کثیر مزارات ہیں فقیر نے ان کی بارگاہوں میں دو مرتبہ حاضری کا شرف حاصل کیا ہے وہیں آپ کا بھی مزار ہے۔ اویسی

بنفس نفیس کفار فجار سے دو بدو معرکہ آرائی کی دشمن جھاڑی میں چھپ کر لڑ رہے تھے اور انکی فتح کے آثار دکھائی دے رہے تھے اور قریب تھا کہ اسلامی لشکر شکست کھا جاتا، حضرت کا ایک مرید تھا ''کاکو'' نام کا چکی چلانے والا۔ اس وقت وہ چشت میں موجود تھا حضرت خواجہ نے آواز دی ''کاکو دریاب'' (کاکو دشمن پر ٹوٹ پڑو) اسی وقت لوگوں نے کاکو کو تلوار چلاتے اور بے چینی سے جنگ کرتے دیکھا، یہاں تک کہ پرچم اسلام کے پھریروں پر فتح کی ہوا چلی اور باطل پرست جماعت کا لشکر شکست سے دو چار ہوا۔

اسی روز لوگوں نے کاکو کو چشت میں دیکھا کہ چکی کا پاٹ اٹھائے در و دیوار پر مار رہا ہے جب لوگوں نے کاکو سے پوچھا تو اس نے وہی کیفیت دوہرا دی جو بیان ہوئی۔

حضرت خواجہ کا ہندوستان میں تجدید اسلام

سلطان شہاب الدین محمد غوری کی رائے پتھورا (پرتھوی راج) پر فتح یابی حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے مبارک وجود کی برکت ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت خواجہ غزنین سے اجمیر تشریف لائے اور وہاں قیام پذیر ہوئے۔ جب پرتھوی راج کی طرف سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچی تو خواجہ نے سفارش کا پیغام بھیجا جسے نالائق رائے پتھورا نے قبول نہ کیا اور کہنے لگا کہ یہ شخص یہاں آکر غیب کی باتیں بتاتا ہے (یہ طنز سن کر) خواجہ صاحب نے ناراض ہو کر فرمایا ''پتھورا، رازندہ گرفتیم و دادیم'' (ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے لشکر اسلام کے حوالے کیا)

انہیں دنوں سلطان شہاب الدین غوری غزنی سے پتھورا پر حملہ آور ہوئے۔ پتھورا پورے نخوت و غرور سے مقابلے پر صف آرا ہو گیا اور دونوں لشکروں کے درمیان نیزہ بازی اور تیغ زنی شروع ہوئی۔ بادشاہ فتح یاب ہوا اور پتھورا کو زندہ

گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ اسی وقت سے دین کی جڑیں اس دیار میں مستحکم ہوئیں اور کفر کی بنیادیں روز بروز منہدم ہوتی گئیں۔ اسی لئے حضرت خواجۂ ہندوستان کو ساتویں صدی کا ''مجدد'' کہا جاتا ہے۔

بلگرام کے دو پہلے اولیاء

پہلے پہل جس صاحب طریقت نے بلگرام کو اپنے مقدس قدموں سے اکرام بخشا۔ وہ بزرگ خواجہ عماد الدین اور سید محمد صغریٰ علیہما الرحمہ ہیں۔ یہ دونوں حضرات خواجہ قطب الدین دہلوی کے اور وہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے مرید ہیں۔ قدس اللہ اسرارہما۔

فقراء بلگرام کے اوصاف

اب میں گفتگو کا رخ بدل رہا ہوں اور مقصود کی زلفیں ورق کے رخسار پر بکھیر رہا ہوں۔ علامہ مرحوم میر عبدالجلیل بلگرامی قدس سرہٗ السامی مثنوی ''امواج الخیال'' میں دارالسلام بلگرام کے فقراء کی مدح میں رقمطراز ہیں۔

۱-از فرقۂ طالبان مولیٰ
رنگینیٔ بزم وصف اولیٰ

۲-وحدت نگہان کثرت آثار
از بادۂ نفی غیر سرشار

۳-اطوار وجود دیدہ یک رنگ
حیرت بنگاہ کردہ ہم سنگ

۴-مینا شکنان بزم ہستی
مدہوش شراب حق پرستی

۵-دل کردہ ز بہر یار خود فرش
الرحمٰن استویٰ علی العرش

۶- طے ساختہ وادی شریعت
جا کردہ بہ منزل حقیقت

۷- وا کردہ نظر بہ حسن جاوید
از دیدۂ سرمہ سائے توحید

۸- سرگرم طواف کعبۂ دل
قربانی نفس کردہ بسمل

۹- تا یافتہ گنج کنت (۱) کنزا
دادہ دل و دین زکوٰۃ ازکیٰ

اشعار کا ترجمہ

۱- طالبان مولیٰ کے گروہ سے، جس سے بزم بالا کی بہار ہے
۲- کثرت میں وحدت کا جلوہ دیکھنے والے ہیں، اور مشاہدۂ حق کی شراب سے سرمست ہیں۔
۳- ساری موجودات کو ایک رنگ میں دیکھتے ہیں پتھر پر بھی تعجب سے نگاہ ڈالتے ہیں
۴- بزم ہستی کا شیشہ توڑ کر، حق پرستی کی شراب سے مدہوش ہیں۔
۵- محبوب کی جلوہ گری کے لئے انہوں نے اپنے دل فرش راہ کر رکھے ہیں گویا "الرحمٰن علیٰ العرش استویٰ" کا منظر ہے۔
۶- جنہوں نے شریعت کا مقام طے کر کے، حقیقت کی منزل میں جگہ بنا لی ہے۔
۷- حسن ازل کی تجلی نگاہوں میں بسا رکھی ہے، اور آنکھوں میں توحید خالص کا سرمہ لگا رکھا ہے۔
۸- جو کعبۂ دل کے طواف میں سرگرم ہیں اور اپنے نفس کو قربان گاہ پہ چڑھا رکھا ہے۔
۹- یہاں تک کہ انہوں نے کنت کنزا کا خزانہ پالیا اور دل اور دین کی نفیس

(۱) حدیث قدسی میں ہے: کنت کنزا مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا پھر مجھے پسند ہوا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق پیدا فرمائی۔ اویسی

ترین زکوٰۃ ادا کردی۔

(۱) خواجہ عماد الدین بلگرامی قدس سرہٗ

آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہٗ کے مرید خاص، بلگرام کے قدیم اولیائے کرام اور یہاں کے صاحب ولایت بزرگ ہیں، آپ عالیشان امام ہیں۔ عالی مقامات اور روشن حالات رکھتے ہیں پوری زندگی عالم تنزیہ میں گم رہنے کی وجہ سے اپنا دامن جلوہ ظہور سے پاک اور اپنا وجود "اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری" (یعنی میرے اولیاء میری قبا میں چھپے ہوئے ہیں انہیں میرے علاوہ کوئی نہیں پہچانتا) کے نقاب میں چھپائے رکھا۔ سید شریف بن سید عمر حسینی واسطی بلگرامی ''مرأۃ المبتدین'' میں لکھتے ہیں:

''خواجہ عماد الدین بلگرامی قطب وقت و صاحب ولایت بود ہیچ کس را مرید و خلیفہ نہ گرفت و خود را پنہاں می داشت و از متقدمین است چوں مابین بلگرام و قنوج دریائے گنگ است بہ لباس طالب علمی از بلگرام بہ قنوج وقت سحر کہ کسے خبر دار نہ شود بروئے آب می رفت و سبق می خواند و شام می آمد و ہیچ کدام ازاں اطلاع نداشت در وقت جان دادن وصیت فرمود کہ در فلاں بلندی کہ جائے دیواں و پریان است مارا مدفون سازند تا آسیب دیواں و پریاں از شہر بلگرام برطرف شود''۔

''یعنی حضرت خواجہ عماد الدین علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے وقت کے قطب و ولی کامل تھے، آپ نے کسی کو اپنا مرید و خلیفہ نہیں بنایا اور ہمیشہ اپنے آپ کو پردے میں رکھا، آپ یہاں کے صف اوّل کے اولیائے کرام میں سے ہیں، قنوج و بلگرام کے درمیان سے ایک گنگ نامی دریا بہتا ہے، آپ طالب علم کے بھیس میں بالکل صبح صبح جب کہ کوئی بیدار نہ ہوتا تھا، بلگرام سے قنوج دریا کے کنارے تشریف لاتے اور اپنا سبق یاد کرتے اور شام کو واپس آتے۔ کسی شخص کو بھی ان حالات کی

خبر نہ تھی، جب آپ کی موت کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ فلاں ٹیلے پر جو کہ دیو و پری کا مسکن ہے مجھے دفن کر دیں تا کہ دیو و پری کا آسیب شہر بلگرام سے دور ہو جائے‘‘۔

حضرت خواجہ عماد کی حضرت خضر سے ملاقات

آپ کو حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا بھی شرف حاصل ہے اور زندگی کے آخری دنوں میں ان سے خوارق عادات (کرامتوں) کا بھی ظہور ہوا، جس سے آپ کا راز فاش ہو گیا، سلطان شمس الدین التمش کو جب آپ کے حقیقت حال کی اطلاع ہوئی تو آپ کا معتقد اور تابع ہو گیا۔

اس کے بعد جلد ہی خواجہ صاحب کا ۲؍شوال المکرّم ۶۳۲ھ میں انتقال ہو گیا اور عالم جسمانی سے عالم روحانی کی طرف منتقل ہو گئے آپ کا مزار پر انوار ہر صغیر و کبیر کی زیارت گاہ ہے۔

بلگرام کا طول البلد اور عرض البلد

مخفی نہ رہے کہ بلگرام کا طول البلد ایک سو سولہ درجہ اور پندرہ دقیقہ ہے اور عرض البلد چھبیس درجہ پچپن دقیقہ ہے، قبلہ کی سمت پچپن دقیقہ مغرب سے شمال کی جانب ہے، اور بلگرام و مکہ کے درمیان پینتیس درجے اور ترپن دقیقے کی مسافت ہے اور فرسخ کے اعتبار سے دونوں شہروں کی درمیانی مسافت سات سو نواسی فرسخ (۱) ہے۔ (یعنی ۴۷۸۷ کلومیٹر ہے) علامہ میر عبدالجلیل بلگرامی کے خلف صادق میر سید محمد متخلص بہ شاعر بلگرام کی مدح میں ارشاد فرماتے ہیں۔

مدح بلگرام

۱-سیر باید کرد یاراں نو بہار بلگرام
برز مرد ناز دارد سبزہ زار بلگرام

(۱) فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔ اویسی

۲-ہر نفس عطر گلستان یمن بو می کنند
خوش دما غاں از نسیم مشکبار بلگرام

۳-عطف از فردوس می سازد عنانِ دیدہ را
چشم بینائی کہ می گردد دوچار بلگرام

۴-اہل معنی کسب انوار سعادت می کنند
از سوادِ اعظم دولت مدار بلگرام

۵-شش جہت تنگ است بر جولان رخش ہمتش
بر فراز عرش نازد شہسوار بلگرام

۶-خواجۂ کامل عماد الدین قطب الاولیاء
حلقۂ باب حریم او حصار بلگرام

۷-از ورودِ موکب ایں خسرو عالیجناب
سرمۂ چشم ملک باشد غبار بلگرام

۸-آستانِ اشرف او بوسہ گاہ آسمان
بارگاہ اقدس او افتخار بلگرام

۹-یاد ہندوستان کجا از خاطر طوطی رود
می کند شاعر بجا وصف دیار بلگرام

اشعار کا ترجمہ

۱-دوستو! ہمیں بلگرام کے موسم بہار سے لطف اندوز ہونا چاہئے کہ اس کے مرغزار رونق ونزہت زمرد پر بھی فوقیت رکھتے ہیں

۲-عقل سلیم والے ہر پل بلگرام عطر بیز باد بہاری سے بابرکت خوشبو لیکر اپنے گلستاں کو خوشبودار کرتے ہیں

۳-جب اہل بصیرت کی نگاہیں بلگرام کے مناظر سے دوچار ہوتی ہیں تو وہ جنت

سے اپنی نگاہیں پھیر لیتے ہیں۔

۴- اہل باطن بلگرام کے رجال عظیم سے انوار سعادت حاصل کرتے ہیں۔

۵- جس کی ہمت کی جولان گاہ کے لئے شش جہت (پوری دنیا) بھی تنگ ہے کہ بلگرام کے شہسواروں کی رسائی تو عرش کی بلندی تک ہے

۶- وہ عظیم ولی کامل قطب اولیاء حضرت خواجہ عماد الدین علیہ الرحمۃ والرضوان کہ ان کے باب حریم کا حلقہ شہر بلگرام کے لئے حصار ہے

۷- اس معظم ومحترم شہنشاہ ولایت کی قدوم میمنت لزوم کے سبب بلگرام کا گرد وغبار بادشاہان وقت کی آنکھوں کا سرمہ بنا ہوا ہے

۸- ان کا بابرکت آستانہ آسمان کی بوسہ گاہ ہے اور ان کی مقدس بارگاہ اہل بلگرام کے لئے باعث فخر ہے

۹- نغمہ سراء کے دل سے ہندوستان کی یاد کیسے مٹ سکتی ہے جبکہ شاعر دیار بلگرام کی تعریف کا حق ادا کر رہا ہے

اس جگہ ابراہیم غزی مشہور شاعر عرب کے اس آبدار شعر کے ساتھ ان کا ذکر ختم کرنا مناسب ہوگا۔

سقى ثراك عماد الدين كل ضحىً

صوب الغمام وملث القطر منهمر

اے عماد الدین تیری تربت پر ہر صبح رحمت کے بادل برسیں اور رحمت ونور کی بارش کے قطرات نازل ہوں

(۲) سید محمد صغریٰ بلگرامی قدس سرہٗ

جد اعلیٰ سادات واسطی

آپ بلگرام کے تمام سادات حسینی واسطی کے جد اعلیٰ ہیں، آپ کا نسب اس

طرح ہے: سید محمد صغریٰ بن سید علی بن سید حسین بن سید ابو الفرح ثانی بن سید ابو الفراس بن سید ابو الفرح واسطی قدس سرہٗ بن سید داؤد بن سید حسین بن سید یحییٰ بن سید زید بن سید علی بن سید حسن بن سید علی عراقی بن سید حسین بن سید علی بن سید محمد بن سید عیسیٰ موتم الاشبال بن زید شہید بن امام زین العابدین بن سیدنا امام حسین شہید سبطِ (رسول) بن امام ہمام اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب زوج فاطمہ الزہراء بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سید محمد صغریٰ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی دہلوی قدس سرہٗ کے مرید(۱) اور فضائل ظاہری و باطنی کے مجمع البحرین تھے۔ آپ کو دین کا کلمہ بلند کرنے، سنت زندہ کرنے، اور بدعت کو مٹانے میں پوری مہارت تھی۔ سلطان شمس الدین التمش کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے باکمال حال کو نوکری کے لباس میں عوام کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھتے تھے۔

فتح بلگرام

حضرت سید محمد نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ۶۱۴ھ میں اسلام کے غازیوں کی ایک فوج کے ساتھ ''بلگرام'' پر چڑھائی کردی اور یہاں کے راجہ ''سری نام'' جو متعصب کافر تھا، اور خزانوں کی بہتات، سپاہیوں اور مددگاروں کی کثرت کا غرور اس کے سر میں سمایا ہوا تھا، معرکہ قتال آراستہ کیا اور راجہ کو تمام لشکریوں اور رشتہ داروں سمیت قتل کردیا اور اس علاقہ کو مشرکوں کی نجاست تلوار کی دھار سے دھو کر شعائرِ اسلام کا نزہت کدہ بنادیا۔ اس کی فتح کی تاریخ لفظ ''خداداد'' ۶۱۴ھ سے

(۱) مآثر الکرام میں یہ مرقوم ہے کہ سید محمد صغریٰ علیہ الرحمہ خواجہ قطب الدین علیہ الرحمہ کے مرید ہیں۔ اور دوسری کتابوں میں خلیفہ ہونے کی صراحت ہے اور یہ دیار بلگرام میں مشہور ہے ''نظم اللآلی فی آل نسب علاء الدین العالی'' میں یہ عبارت ہے: سید محمد صغریٰ قدس سرہٗ عارف باللہ و مجاہد فی سبیل اللہ بود و بخدمت حضرت قطب الدین کاکی اوشی قدس اللہ سرہٗ سلسلۂ بیعت و خلافت داشت، اور خواجہ عماد الدین بھی خواجہ قطب الدین کے خلیفہ ہیں اور یہی بلگرام کے اول بزرگ ہیں۔ اویسی

برآمد ہوتی ہے۔

بلگرام فتح کرنے کے بعد آپ نے فرشوری اور ترکمانی شیوخ کے ساتھ یہیں سکونت اختیار کرلی اور عشر (پیداوار کا دسواں حصہ) کی وصولی کا فرمان سلطان شمس الدین التمش سے حاصل کرلیا، اوراس زمانے سے سلطان ابراہیم بن سکندر لودھی کے زمانہ تک پرگنۂ بلگرام کی پیداوار کے عشر کا سلسلہ چلتا رہا۔ بابر بادشاہ کے زمانے سے پرانا نظام ختم ہوگیا۔ عشر کے بابت بادشاہ محمود شاہ بن محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق فرمانروائے دہلی کا فرمان راقم الحروف (علامہ آزاد) نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، یہ عبارت اسی فرمان کی ہے۔

''چنانچہ درعہد سلاطین ماضیہ عشر عین غلہ دادہ اند ہم براں جملہ بدہند''

یعنی جس طرح شاہان زمانہ ماضیہ کے ادوار میں لوگوں نے بطور عشر غلہ دیا اسی طرح آج کے لوگ بھی غلہ دیں گے۔

اور آخر میں فرمان کے تحریر کی تاریخ یوں درج ہے: فی السابع والعشر ین من ربیع الاخر ۸۰۵ھ خمس و ثمان مئة''

فاتح بلگرام کا پورا لقب

دراصل سید محمد صغریٰ کا لقب ''صاحب الدعوۃ الصغریٰ'' ہے۔ کثرت استعمال کی وجہ سے (جزء اوّل متردک ہوگیا) اور جزء آخر زبانوں پر باقی رہ گیا جیسے شیخ نجم الدین کبریٰ کے بارے میں نفحات الانس میں آیا ہے:

''وے را کبریٰ ازاں لقب کردند کہ دراوائل جوانی بہ تحصیل مشغول بود۔ باہر کہ مناظرہ کردے غالب آمدے فلقبوہ بھذا السبب الطامة الکبریٰ ثم غلب علیه ذالك اللقب فحذ فوا بطامة فلقبوہ با لکبریٰ'' یعنی لوگوں نے انہیں کبریٰ کا لقب اس لئے دیا، کہ وہ اوائل جوانی میں علم حاصل کرنے میں مصروف تھے، اس وقت جب کسی سے مناظرہ کرتے اس پر غالب آجاتے،

اس لئے لوگوں نے آپ کا لقب ''الطامۃ الکبریٰ'' رکھ دیا پھر لقب نام پر غالب آ گیا تو انہوں نے طامۃ ہٹا دیا اور کبریٰ کا لقب دے دیا۔

بادشاہ کے لئے قلعہ کی تعمیر

سید محمد صغریٰ نے ۶۲۷ھ میں سلطان شمس الدین کے حکم سے حاکم کی نشستگاہ کے لئے بلگرام کے وسط شہر میں بلند ٹیلے پر ایک چھوٹا سا قلعہ بنوایا۔ زمانے کے گزرنے کے ساتھ قلعے کی عمارت گرنے لگی اور اس کے کندہ شدہ پتھر جو سلطان شمس الدین کے نام سے تھا، اٹھا کر سید واڑہ سید میاں والی مسجد کی دیوار میں لگا دیا گیا(۱)، کتبے کی عبارت یہ ہے:

"حامی البلاد، راعی العباد، ذی الامان لاهل الایمان، وارث ملك سلیمان، صاحب الخاتم، فی ملل العالم، ظل اللّٰه فی الخافقین، ابو المظفر ایلتمش، السلطان الناصر امیر المؤمنین، ادام اللّٰه تمکینه فی شهور ۶۲۷ھ سبع و عشرین و ست مئة"

یعنی شہروں کے نگراں، رعایا کے نگہباں، ایمان والوں کے لئے امان، ملک سلیمان کے وارث، دنیا کی قوموں میں جن کا حکم رواں ہے، مشرق و مغرب کے لئے سایۂ رحمت الٰہی، ابوالمظفر التمش، سلطان ناصر، امیر المومنین، اللہ تعالیٰ ان کی شان وشوکت ہمیشہ قائم رکھے۔ یہ عبارت ۶۲۷ھ کے کسی مہینہ میں لکھی گئی۔

سید محمد صغریٰ نے بلگرام کی فتح اور یہاں اقامت گزیں ہونے کے بعد اکتیس سال زندگی بسر کی اور چودہ شعبان المعظم ۶۴۵ھ میں عالم قدس کو چل بسے۔

مرقد مبارک بلگرام شہر کے شمال میں اس باغ میں ہے، جو اس وقت سید

(۱) فقیر نے مزار مبارک کی زیارت اور حاضری کا شرف حاصل کیا۔ آج کل اس جگہ کے حالات ناگفتہ بہ ہیں، پھر بھی اللہ کا شکر ہے کہ صاحب سجادہ حضرت علامہ سید اویس مصطفیٰ صاحب نے وہاں کی کچھ زمین حاصل کر لی اور مزار کا چبوترہ مضبوط تعمیر فرما دیا، اللہ تعالیٰ پیر و مرشد کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اویسی

مبارک کلاں دستار کی اولاد کی تحویل میں ہے۔ زمانہ قدیم میں مزار پاک پر پتھر کی ایک تختی تھی جس پر آیۃ الکرسی اور حضرت کی تاریخ وفات منقوش تھی، زمانے کی گردش کے ساتھ وہ پتھر خراب ہوگیا۔ اور اوائل ۱۱۵۱ھ میں سید محسن بن سید محمد سعید نے مزار فائض الانوار کی دوبارہ نئے سرے سے مرمت کرائی اور قبر مطہر کو چبوترے کے ساتھ اینٹ اور چونے کے ساتھ بنوایا(۱)۔

سید محمد محسن کا تعارف

سید محمد محسن سید خیر اللہ کے پوتے ہیں (جن کا ذکر فضلا کے بیان میں آئے گا) اور سید احمد بن سید بڈھ کے نواسہ ہیں، جن کا تذکرہ سید مربی قدس سرہٗ کے تذکرہ کے ضمن میں آئے گا، سید محمد محسن نواب برہان الملک سعادت خاں نیشا پوری ناظم صوبہ اودھ کے معتبر رفیقوں میں تھے۔ ۱۱۵۱ھ میں جب نادر شاہ نے ایران سے دیار ہند پر دھاوا بولا اور یہاں کے بادشاہ کے ساتھ جنگ شروع کی تو سید محسن معرکۂ جنگ میں مردانہ وار شربت شہادت سے سیراب ہوئے۔

(۳) حافظ محمود قرآن خواں بلگرامی قدس سرہٗ

آپ قدیم طرز کے بزرگ اور ہدایت یافتہ حضرات کے قافلہ سالاروں میں تھے۔ آپ موضع قتلغ پور سے بجانب شمال آخری کنارے میں آرام فرما ہیں۔ ابوالفضل اور فیضی کے بھانجے شیخ عبد الصمد کتاب ''اخبار الاصفیاء'' میں لکھتے ہیں:

''حافظ محمود قرآن خواں ممتاز وقت وسرآمد عصر بود۔ گویند از اں روز کہ او بہ روحانیاں پیوستہ، ہر شب جمعہ نکتہ نیوشان خدا شناس از مرقد منور او آواز قرآن خواندن می شنوند و من بزبان آں حق گویاں کہ خود بگوش ہوش شنودہ اند نوشتہ ام

(۱) حضرت خواجہ عماد الدین کے جنوبی حصہ میں تقریباً ڈیڑھ سو میٹر کے فاصلہ پر یہ میدان واقع ہے جو در اصل قبرستان ہے۔ اویسی

آرامگاہ بلگرام'' انتھی

یعنی حافظ محمود قرآن خواں اپنے وقت کے ممتاز اور سر برآوردہ افراد میں سے تھے۔لوگوں کا بیان ہے کہ جب آپ کا انتقال ہوا تب سے ہر شب جمعہ خدا شناس نکتہ رس اولیائے کرام آپ کے مزار پر انوار سے قرآن شریف پڑھنے کی آواز سنتے ہیں اور میں یہ روایت ان حق گو افراد کی زبان سے نقل کر کے کہ جنہوں نے بہ ہوش وحواس سنا ہے، نقل کر رہا ہوں۔ان کی آرام گاہ بلگرام میں ہے۔انتھی

(۴) پیر عبداللہ بلگرامی قدس سرہٗ

آپ بھی پرانے بزرگوں اور انوار ازل کے خوشہ چینیوں میں ہیں مرقد منور شہر کے جنوبی سمت میں میدان ''بیل''(۱) میں واقع ہے۔

ہر سال نویں محرم کو دن ڈھلے (لگ بھگ ۴، ۵ بجے) زیارت سے مشرف ہونے کے لئے آتے ہیں اور خاک آستاں کی برکتیں حاصل کرتے ہیں، ان کے احوال اس فقیر کو کسی کتاب میں نظر نہیں آئے ناچار صرف نام نامی کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔ مصنفین سلف میں ایسا ہوتا رہا ہے کہ جن بزرگ کے حالات نہیں پائے ہیں ان کے نام نامی پر اکتفا کیا گیا ہے۔عارف جامی قدس سرہٗ السامی نے ''نفحات الانس'' میں خواجہ عارف ریوکروی اور خواجہ محمود الخیر فغنوی جو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے اکابر سے ہیں، ان دونوں کا صرف نام ذکر فرمایا ہے حالات بالکل ذکر نہیں کئے ہیں۔

مرا از زلف او موئے پسند است
فضولی می کنم بوئے پسند است

یعنی مجھے تو ان کی زلفوں کا ایک بال بھی محبوب ہے غلط گفتم مجھے تو اس کی خوشبو بھی مل جائے تو مجھے بے حد عزیز ہے۔

(۵) غازی کمال بلگرامی قدس سرہٗ

آپ حال والوں اور کمال والوں کی جماعت سے ہیں، آپ کا اصلی وطن بانگر مئو مضافات لکھنؤ میں ہے جو بلگرام سے نو کوس (تقریباً ۳۴؍ کلومیٹر) کے فاصلے پر ہے صاحب ''مرأة المبتدین'' لکھتے ہیں:

''غازی کمال بانگر مئوی بس صالح و بہ اخلاق ظاہری و باطنی آراستہ، بہ جہت طلب علم فرزنداں را در بانگر مئو گذاشتہ خود در بلگرام آمد، روزے کافراں بر مردم مسلمانان بلگرام حملہ کردند و جمیع مسلمانان برائے جنگ برآمدند، غازی کمال نیز دراں بود۔ شمشیرے از دست کافر بر گردنش رسید کہ سرش از تن جدا گشت، بیک دست نیزہ و بدست دیگر سر خود را گرفت متوجہ شہر گردید، ضعفائے کہ بہ جہت تماشائے جنگ برآمدہ بودند یکے ازاں میاں گفت ''اینک ایں مرد سر را در دست گرفتہ می آید'' در ہمانجا نیزہ را بر زمیں محکم کرد، و خود از اسپ فرود آمد و جاں بہ جاناں داد و از چوبش درختے عظیم بہ وجود آمد و مزارش ہمانجا شد کہ بر پشت عیدگاہ واقع است یزار و یتبرک بہٖ''

یعنی غازی کمال بانگر مئوی بہت ہی نیک اور اخلاق ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے۔ علم حاصل کرنے کے لئے بال بچوں کو بانگر مئو چھوڑا اور بلگرام چلے آئے۔ ایک دن کافروں نے بلگرام کے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور تمام مسلمان جنگ کرنے کے لئے باہر آگئے غازی کمال بھی انہیں میں تھے، کسی کافر کی تلوار گردن پر پڑی اور سر تن سے جدا ہو گیا۔ ایک ہاتھ میں نیزہ اور ایک ہاتھ میں اپنا سر لئے شہر کی طرف چلے بوڑھے لوگ جو جنگ کا منظر دیکھنے گئے تھے ان میں سے ایک نے کہا وہ دیکھو یہ شخص سر ہاتھ میں لئے چلا آ رہا ہے۔ آپ نے فوراً اسی جگہ نیزہ زمین میں گاڑ دیا اور گھوڑے سے اتر آئے اور اپنی جان جاناں کے سپرد کر دی

آپ کے نیزے کی لکڑی سے ایک بہت بڑا درخت وجود میں آ گیا، ان کا مزار اسی جگہ بنایا گیا جو جگہ عید گاہ کے پیچھے واقع ہے۔ ان کی زیارت کی جاتی ہے اور برکتیں حاصل کی جاتی ہیں۔

(۶) قاضی عبدالمنتجب بلگرامی قدس سرہٗ

آپ شیوخ فرشوری سے ہیں جو بلگرام کے شرفاء اور یہاں کے سرداروں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب قاسم بن محمد بن صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم تک منتہی ہوتا ہے۔

واسطی سادات کے جد اعلیٰ سید محمد صغریٰ اور فرشوری شیوخ کے جد اعلیٰ خراسان کی جانب سے ایک ساتھ ہندوستان آئے، اور بلگرام کی فتح کے بعد یہیں بود و باش اختیار کر لی۔ بلگرام کے شرعی عہدے مثلاً قضاء، افتاء اور عدالت و تولیت قدیم زمانے سے شیوخ فرشوری سے متعلق ہیں اور زمینداری سادات سے متعلق ہے صاحب ''مرأۃ المبتدین'' لکھتے ہیں:

قاضی عبدالمنتجب اپنے وقت کے پیشوا اور قاضی شہر تھے۔ ایک روز آپ مدرسہ میں درس دے رہے تھے کہ اچانک حضرت شیخ قاسم علیہ الرحمہ تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ آپ کو بڑے غور سے دیکھا اور فرمایا: سبحان اللہ! چراغ میں تیل اور فتیلہ دونوں موجود ہیں لیکن ایسا کوئی نہیں جو اس فتیلہ کو حرکت دے تا کہ روشنی میں اضافہ ہو جائے جب یہ بات آپ نے سنی تو آپ نے تمام کتابوں کو کنوئیں میں ڈالا، مسند قضا کو چھوڑا اور حضرت شیخ قاسم علیہ الرحمہ کی صحبت اختیار کر کے فضل و کمال کے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچ گئے۔

قاضی عبدالمنتجب کی قبر شریف مشہور ٹیلے پر ہے۔ حریم اور مسجد، جامع مسجد کی پشت پر ہے اور قاضی عبدالمنتجب کے فرزندوں اور اقربا کی قبریں بھی اسی حریم

میں واقع ہیں۔

قاضی یوسف عثمانی

مخفی نہ رہے کہ جب قاضی عبدالمنتجب علیہ الرحمہ نے عہدۂ قضا ترک کردیا تو قاضی یوسف عثمانی نے منصب قضا سنبھالا، تب ہی سے یہ منصب شیوخ عثمانیہ میں منتقل ہوگیا۔ قاضی یوسف کی قبر پیر عبداللہ کی قبر سے متصل ہے۔

رہے شیخ قاسم، مرشد قاضی عبدالمنتجب قدس اللہ اسرار ہما کے مرشد گرامی ہیں تو وہ اولیائے وقت میں شمار ہوتے تھے۔ صاحب ''مرأة المبتدین'' کہتے ہیں:

شیخ قاسم قدس سرہٗ مرد بزرگ تھے عشق حقیقی سے مکمل سرشار تھے ان کے ملفوظات بہت ہی نازک اور بلند واقع ہوئے ہیں۔ سالک کو ضرور اس کا مطالعہ کرنا چاہئے اور اس پر عمل کرنا چاہئے آپ کی خانقاہ قصبہ باول (باون) میں ہے جو بلگرام سے دس کوس (۳۲ رکلومیٹر) کی مسافت پر ہے مزار قنوج میں ہے۔

ایک دن شیخ قاسم اپنے حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بڑا ہوا کا بگولہ ظاہر ہوا، خادم سے فرمایا کہ جاکر اس بگولے سے کہو کہ ہمارا حصہ دیتے جاؤ۔ جب بگولہ ختم ہونے کے قریب پہنچا تو دو برتن رنگین سیل بند اس غبار سے ظاہر ہوئے، شیخ کے سامنے انہیں لایا گیا، شیخ نے کھولا تو خوشبودار میٹھا کھانا ظاہر ہوا۔ تمام اصحاب کے ساتھ تناول فرمایا۔ چند روز کے بعد یوں ہی ایک اور بگولہ ظاہر ہوا، خادم بلا اجازت مخدوم گیا اور کہا ہمارا حصہ دیتے جاؤ، خادم اس بگولے سے زخمی حالت میں لوٹا شیخ نے فرمایا: اے بے عقل اس روز وہ سیر سے لوٹ کر جارہے تھے اور وہ آج جنگ میں شکست کھا کر واپس ہورہے تھے۔ انتہی

(۷) شیخ عبدالرحیم بلگرامی قدس سرہٗ

آپ حضرت قاضی عبدالمنتجب کے پوتے اور شیخ صفی الدین سائی پوری اور

شیخ اللہ دیہ(۱) خیر آبادی کے خلفاء سے ہیں۔ صاحب ''مرأۃ المبتدین'' نقل کرتے ہیں:

ترجمہ: حضرت قاضی عبدالمنتجب کی وفات کے بعد ان کے تمام فرزندوں نے شیخ سعد و شیخ صفی علیہما الرحمہ سے ارادت وخلافت حاصل کی۔ جب شیخ عبد الرحیم علیہ الرحمہ بالغ ہوئے تو شیخ صفی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

جو خلافت ہمارے درمیان چلی آرہی ہے۔ ہم اسے شیخ عبدالرحیم علیہ الرحمہ کے حوالے کرتے ہیں۔ شیخ عبدالرحیم علیہ الرحمہ نے کہا کہ ابھی میری والدہ محترمہ باحیات ہیں، میں ان سے اجازت لے کر آتا ہوں شیخ جب اپنی والدہ محترمہ کے پاس پہنچے تو والدہ نے آپ کی زجر و توبیخ کی کہ اتنی عظیم دولت تجھے حاصل ہو رہی تھی اور تم نے اس کی قدر نہ جانی (لینے میں جلدی نہیں کی) جلدی واپس جا، شاید کہ حاصل ہو جائے لیکن تب تک پیر و مرشد اس دار فانی سے کوچ کر چکے تھے۔ جانکنی کے عالم میں آپ نے زیر لب فرمایا کہ اگر عبدالرحیم علیہ الرحمہ آئیں تو ان سے کہہ دینا آپ کا حصہ شیخ اللہ دیہ کے پاس ہے۔ لہٰذا شیخ عبدالرحیم شیخ اللہ دیہ علیہما الرحمہ کے پاس گئے اور ان کی صحبت بابرکت میں تعلیم و تربیت حاصل کی اور ایک عظیم مقتدا و پیشوا کی حیثیت سے نمودار ہوئے۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ سعد اللہ اور ان کے بھتیجے شیخ بھیکن بھی اپنے اپنے وقت کے عظیم رہنما ہوئے۔

محرر رسالہ نے شیخ سعد اللہ کے ہاتھ کا دستخط ایک شرعی دستاویز پر دیکھا ہے دستاویز کی تحریر کی تاریخ ۱۰۲۵ھ ہے۔

(۱) دراصل یہ لفظ ''اللہ دیہ'' ہے اور اللہ دیہ خیر آباد کے بزرگوں میں سے ہیں شدت اتصال ہو کر الہدیہ زبان عام و خاص ہو گیا۔ ادیسی

(۸) سید اجمل بلگرامی قدس سرہٗ

آپ قبیلہ پچ بھیہ محلہ میدان پورہ کے سادات سے ہیں۔آپ کا نسب سید محمد صغریٰ تک اس طور پر پہنچتا ہے:

سید اجمل بن سید حسین بن سید فضل اللہ بن سید علاء الدین بن سید ابراہیم بن سید ناصر بن سید مسعود بن سید سالار بن سید محمد صغریٰ قدس سرہٗ

حضرت سید اجمل علیہ الرحمہ حسن صورت و سیرت و کمال معنیٰ میں یکتائے روزگار، عالم باعمل اور فقیہ کامل تھے۔آپ کے کمال بزرگی پر تو سبھی کا اتفاق ہے جس کا عوام وخواص آج بھی اعتراف کرتے ہیں۔

علوم وفنون سے فراغت کے بعد حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً کی زیارت کرنے گئے اور سات مرتبہ حج کیا۔ پھر مدینۃ الرسول ﷺ میں اقامت اختیار فرمائی اور شادی وخانہ آبادی بھی فرمائی۔اولادیں بھی ہوئیں اس وقت بھی آپ کی نسل مدینہ منورہ اور بلگرام دونوں جگہ میں موجود ہے (۱)۔

(۱) حضرت علامہ سید اجمل واسطی علیہ الرحمہ نے دو شادی فرمائی، ایک مدینہ منورہ میں اور ایک اپنے قبیلہ میں، مدینہ منورہ والی بیوی کی اولاد مدینہ منورہ میں مقیم ہیں، اور قبیلہ کی بیوی سے سید عبدالوہاب اور ایک دختر ہے جو عارف باللہ حضرت علامہ میر سید طیب ابن میر عبدالواحد بلگرامی (مجدد) کو منسوب ہوئی، صاحب روضۃ الکرام ص ۶۰ / پر لکھتے ہیں: ''سید اجمل بن سید حسین کے زوجہ قبیلہ سے عبدالوہاب اور ایک لڑکی تھی، دوسری شادی آپ نے مدینہ طیبہ میں کی اور اس کی اولاد وہیں رہی جو ''اخوان خمسہ'' کے نام سے مشہور ہے اور اب ایک محلہ اخوان خمسہ کے نام کا آباد ہے جو عربی ترجمہ لفظ پچ بھیا کا ہے''۔حضرت سید اجمل علیہ الرحمہ مدینہ منورہ سے بلگرام واپس تشریف لائے اور یہیں آپ کا وصال ہوا اور اسی سرزمین میں آرام فرما ہیں، صاحب نظم اللآ الی فی نسب آل علاء الدین العالی'' تحریر فرماتے ہیں: ''بلگرام باز آمدہ انتقال نمود و در مقابر کہ متصل چاہ لونار واقع است مدفون گردید''،یعنی آپ بلگرام تشریف لائے اور وصال فرماگئے اور اس قبرستان میں مدفون ہوئے جو چاہ لونار سے متصل ہے، ہمارے پیرو مرشد رئیس الاتقیاء حضرت علامہ حافظ، قاری شاہ سید اویس مصطفیٰ واسطی قادری دام ظلہ العالی کا سلسلۂ نسب حضرت سید عبدالوہاب کے توسط سے ۱۱رویں پشت میں حضرت سید اجمل علیہ الرحمہ تک پہنچتا ہے۔

حضرت سید اجمل علیہ الرحمہ صاحب حال وکمال بزرگ اور حضرت فاتح بلگرام سید محمد صاحب الدعوۃ الصغریٰ علیہ الرحمہ کے سجادہ، مقبول خواص وعوام ہستی تھے، آپ کی دختر جو حضرت سید طیب قدس سرہٗ کو منسوب

....

ہوئیں وہ ایک واقعہ پر مشتمل ہے، جس سے آپ کی قبولیت اور پر رعب شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے، صاحب ''نظم اللآلی فی نسب آل علاء الدین العالی ص ۶۱، ۶۰ / پر جسے تفصیل سے فارسی زبان میں بیان فرمایا ہے اردو میں اس کا خلاصہ حاضر خدمت ہے۔ کتاب میں اسکی ابتداء اس طرح ہے۔ ''او (سید اجمل) را از زوجۂ قبیلہ یک پسر مسمی سید عبد الوہاب و یکدختر کہ بہ سید طیب بن میر عبد الواحد سلہڑی وی کتخدا شد و حال ایں کتخدائی مبنی بر قصہ است و آں اینست''

یعنی سید اجمل کو قبیلہ والی بیوی سے ایک لڑکا سید عبد الوہاب اور ایک دختر ہے جس کی نسبت سید طیب بن میر عبد الواحد سلہڑوی سے ہوئی، اور یہ نسبت ایک قصہ پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ: سید ماہرو اور ان کے جد عالی سلہڑہ (فاتح بلگرام کی اولاد اولاً محلّہ سیدواڑہ میں رہی پھر جب اولاد بڑھی تو کچھ سیدواڑہ میں رہے اور کچھ بلگرام سے ہجرت کر گئے، بعض حضرات سلہڑہ محلّہ بلگرام میں آکر آباد ہوئے اور سید علاء الدین کی اولاد محلّہ میدانپورہ میں آکر سکونت پذیر ہوگئی) سے ''سرہ'' چلے گئے جو اس پرگنہ کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات ہے۔ اس سبب سے کہ اس جگہ کے زمیندار کے لڑکوں میں سے ایک کو مسلمان کیا تھا اور زمیندار کے سارے لڑکے گنوارے تھے، انہوں نے بلوی کیا اور بیچارہ سید غریب کو شہید کر دیا پھر ان کی اولاد منتشر ہوگئی۔ کچھ موضع باڑی میں جا کر چھپ گئے حضرت میر عبد الواحد کے دادا بھی اولاً وہیں چھپے رہے پھر قنوج میں آکر آباد ہو گئے۔ دوسو سال کا عرصہ گذرنے کے بعد حضرت میر عبد الواحد بلگرامی قدس سرہٗ اپنے آبائی وطن سلہڑہ واپس ہوئے۔ (میر عبد الواحد بلگرامی نے یکے بعد دیگرے دو عقد کئے اور دونوں سے صاحب اولاد تھے۔ پہلی بیوی سے میر عبد الجلیل (ف ۱۰۵۷ھ) اور ایک صاحبزادی بیوی مریم تھیں، پہلی بیوی قاضی شیخ عبد الدائم عثمانی بلگرام (محلّہ قاضی پورہ) کی صاحبزادی تھیں دوسری بیوی قنوج کی تھیں ان کے بطن سے تین صاحبزادے، میر فیروز (ف ۱۰۶۶ھ) میر یحییٰ اور میر طیب (ف ۱۰۶۶ھ) اور ایک بیٹی بی بی شاہا تھیں، اصح التواریخ ج ۱ ص ۲۴۰) اور قصبہ بلگرام کے سادات کرام سے اپنے بچوں کی رشتہ داری کی استدعاء کی۔ غرض کہ کسی نے ان کے رشتہ کو قبول نہ کیا، تو حضرت میر عبد الواحد علیہ الرحمہ حضرت سید اجمل علیہ الرحمہ جو کہ اس زمانے میں بہت نامور اور معزز تھے ان پر اعتبار کر کے آئے اور اظہار خیال کیا، تو حضرت سید اجمل نے فرمایا کہ اگر میں تنہا خاندان کے برخلاف رشتہ داری نبھاتا ہوں تو سب مجھے ملامت کریں گے، اور برادری سے خارج کر دیں گے، بہتر یہ کہ آپ سیدواڑہ کے (صغروی سادات) تمام قبیلے اور قبیلہ پچھیا کو جمع کر کے اظہار خیال کیجئے۔ چنانچہ حضرت میر عبد الواحد علیہ الرحمہ نے سب کو اکٹھا کیا اور قرابتداری کی استدعاء کی، اور دسوں بار عذر پیش کیا (لوگوں کے استفسار پر) اور تشفی بخش جواب نہ دے سکے، تو آخر میں حضرت سید اجمل علیہ الرحمہ نے تمام لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: یہ (حضرت میر الواحد کی طرف اشارہ کر کے) تمہارے داد ہیں یا نہیں، سبھوں نے جواب دیا، ہیں۔ پھر سوالاً فرمایا، کیا ان کی نسبتیں قنوج میں رہنے سے برادری سے باہر ہوگئی، خراب ہوگئی، سبھوں نے جواب دیا نہیں یہ ہمارے کفو ہیں اور نہ وہ برادری سے باہر ہیں نہ خراب، تو حضرت سید اجمل علیہ الرحمہ نے فرمایا تو پھر عذر و تکرار بیچ میں کیوں لاتے ہو، لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس کوئی لڑکی یا لڑکا اپنی برادری سے زائد نہیں کہ ہم ان کی رشتہ داری قبول کریں۔ تو حضرت سید اجمل نے فرمایا کہ جب ان میں نہ کوئی نقصان ہوا، نہ ہے تو میں اپنی بیٹی ان کے لڑکے سے منسوب کرتا ہوں اور اس رشتہ داری کے بعد ایسا نہ ہو کہ عذر و ملامت کرنے لگو،

آپ کا زمانہ بعض قدیم دستاویزات کی رو سے ۹۷۵ھ معلوم ہوتا ہے۔

(۹) سید محمود اکبر قدس سرہٗ

آپ بلگرام کے اکابر سادات ساکن محلّہ میدان پورہ اور سید محمد صغریٰ کی اولاد سے ہیں، آپ کا نسب اس طرح ہے:-

سید محمود اکبر بن سید خدا داد عرف سید دادن بن شاہ لطف اللہ بن سید سالار بن سید حسین بن سید نصیر بن سید حسین بن سید عمر بن سید محمد صغریٰ قدس سرہٗ۔ سید محمود شرفائے وقت کے پیشوا تھے۔ علم و عمل اور تزکیۂ ظاہر و باطن میں آپ کا کوئی شریک و مثیل نہ تھا۔

آغاز شباب میں تحصیل علم کے قصد سے وطن مالوف سے کوچ کیا اور دارالخلافہ دہلی کے بعض علماء کے حلقۂ درس میں علم کی تحصیل کی اس کے بعد حجاز فیض طراز کے لئے عازم سفر ہوئے اور مناسک حج وعمرہ اور زیارت مدینہ منورہ علی ساکنہا الصلوۃ والتحیۃ کر کے ذخیرۂ آخرت جمع کیا، چند روز کے بعد ہندوستان واپس آگئے اور احمد آباد (گجرات) کے راستے سے ہوتے ہوئے مندو پہنچے اور شیخ بہاء الدین بن ابراہیم قادری شطاری کی خدمت بابرکت سے مشرف اور مرید ہوئے۔ صرف تین روز شیخ کی خدمت میں گزارے۔ تیسرے

تمام لوگوں نے تشفی بخش جوابدیا اور کہا ہمیں کوئی عذر نہیں اور بہت مبارکبادی دیں، چنانچہ سید اجمل علیہ الرحمہ نے اپنی بیٹی کی نسبت میر سید طیب کے ساتھ کردی، اور پھر میر سید طیب کی بیٹی اپنی نواسی کی نسبت اپنے نبیرۂ سید عبدالوہاب کے صاجزادے خواجہ معین الدین سے کردی اور اسی قدیم رشتہ داری سے نئی رشتہ داری منعقد ہوتی چلی آرہی ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ عبدالواحد بلگرامی ابتداء بلگرام میں نہ رہے بلکہ صاحب اولاد ہوئے تب تشریف لائے ۔میر عبدالواحد علیہ الرحمہ کا سلسلہ نسب حضرت فاتح بلگرام تک حضرت سید عمر کے واسطہ سے دسویں پشت میں جاملتا ہے۔ حضرت میر عبدالواحد علیہ الرحمہ کے تذکرہ میں ہے کہ آپ بلگرام میں محلّہ میدانپورہ آئے اور یہیں کچھ دنوں قیام رہا پھر آپ سلہڑہ تشریف لے گئے اور یہیں سکونت پذیر ہوگئے۔ اویسی غفرلہٗ

دن شیخ نے فرمایا: تمہارا کام پورا ہو گیا اور خرقۂ خلافت واجازت سے ممتاز فرمانے کے بعد انہیں وطن اصلی کی طرف رخصت کیا۔

بلگرام واپسی، اور گوشہ نشینی

حضرت سید محمود اکبر بلگرام تشریف لانے کے بعد علم وفن کی تدریس اور افادۂ فیوض باطنی میں مشغول رہتے تھے۔ کچھ دنوں بعد بعض امرائے معتقدین کے اصرار پر قنوج اور اس کے اطراف میں اقامت اختیار فرمائی، لیکن آخر میں بلگرام میں آکر بالکل گوشہ نشیں ہو گئے، اور مخلوق سے میل جول کا دروازہ بند کر دیا۔ آپ نے لمبی عمر پائی تھی۔

دستاویز

بعض پرانے دستاویزات میں آپ کی تحریر کی گواہی مشاہدہ میں آئی۔ دستاویز کی تحریر کا سال ۹۲۵ھ ہے اور اب وہ کاغذ قاضی محمد کافی بن قاضی عبدالرسول فرشوری کے گھر میں موجود ہے۔

سید صاحب نے شب چہارشنبہ پانچویں رجب المرجب ۹۳۲ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا اور اسی سال ۷/رجب کو آپ کی رحلت سے دو دن بعد بابر بادشاہ سلطان ابراہیم لودھی پر فتحیاب ہو کر ہندوستان کی سلطنت پر قابض ہوا۔

کرامت اور وصال کی تمنا

بیان کیا جاتا ہے کہ حاکم شہر نے آم کے موسم میں اپنے آدمیوں کو سید صاحب کے باغ میں بھیجا۔ باغبان بہت گڑگڑایا اور کہا کہ یہ باغ فلاں سید صاحب کا ہے۔ پہلے کے حاکم یہاں نہایت ادب ورعایت سے پیش آتے رہے ہیں۔

حاکم کے آدمی اس گزارش کو خاطر میں نہ لائے اور شوخی اور دست اندازی شروع کر دی۔ اللہ کی شان کہ آسمان سے سنگ باری ہونے لگی اور ترمیهم بحجارة من سجیل کے مضمون نے ازسرنو عبرت کا سامان کر دیا، اور ظالم بے

دست و پا ہو کر کعصف مأکول کی صورت نہایت زخمی ہو کر بھاگ نکلے۔ حاکم کے پاس پہنچ کر اپنی سرگذشت سنائی۔ حاکم نے اس کرامت کے ظہور سے عقیدت کے پھول دامن دل میں چنے، اور حضور پاک میں حاضر ہو کر معذرت کی۔ جب آپ سے یہ کرامت ظاہر ہوئی، تو دعا فرمائی:

الٰہی! دنیاوی زندگی سے سیر ہو گیا ہوں، مجھے جلد مخلوق کی بھیڑ سے آزاد فرما، اللہ تبارک وتعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور جلد ہی امکان کی وحشت گاہ سے نکل قدس کے خلوت کدے سے انسیت پیدا فرمالی۔

حضرت سید محمود کی قبر شریف اسی باغ میں ہے جو محلہ سید واڑہ کے شمال مشرق گوشے کی سمت میں واقع ہے۔

وصیت

حضرت کے دست مبارک کا تحریر فرمودہ یہ وصیت نامہ میں نے آپ کے بعض فرزندوں کے یہاں دیکھا ہے:

یٰبنیَّ علیك بتعمیر القلوب وتنفیس الکروب فان اللہ سبحانہ عند المنکسرۃ قلوبهم وعلیك بحفظ النسبۃ مع المحافظۃ علی الکتاب والسنۃ واعبد ربك کأنك تراہ ولا تقصد فی الاولیٰ والآخرۃ الاّ ایاّہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

یعنی اے فرزند! تجھے لازم ہے کہ دلوں کو جوڑتا رہے اور غموں سے مانوس ہوتا رہے کیوں کہ اللہ سبحانہ ٹوٹے دل والوں کے ساتھ ہوتا ہے اور ان کے حال پر خاص عنایت فرماتا ہے اور تجھ پر نسبت باطنی کی حفاظت، ظاہر شریعت کی حفاظت کے ساتھ ساتھ تجھ پر لازم ہے۔ اپنے پروردگار کی عبادت اس طرح کر گویا تو اس کے حضور حاضر ہے اور اسے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور دونوں جہاں میں اس کے سوا کسی ذات کا سہارا نہ رکھنا۔

سید صاحب علم الاسماء اور علم تکسیر میں ماہر تھے، اور کسی جانور کو تکلیف نہیں دیتے تھے۔ یہی ابدال کا مذہب ہے کیوں کہ ابدال حیوانات کو، چاہے وہ موذی ہی کیوں نہ ہوں ستاتے نہیں۔ عارف جامی قدس سرہ السامی ''نفحات الانس'' میں فرماتے ہیں:

مٹی کے برتن کے سوداگر بچھو کو دوکان سے اٹھا کر خندق میں چھوڑ آتے ہیں۔ اور شیخ الاسلام نے فرمایا:

میرے والد گرامی کسی جانور کو نہیں مارتے، یہی ابدال کا مذہب ہے اور یہ لوگ ابدال سے تھے۔

فرشتے کا دیدار اور اس سے محرومی

ایک شخص کو اچھا وقت میسر آ گیا۔ اس نے اپنے فرشتے کو چشم سر سے دیکھا۔ اس سے پوچھا تمہیں دیکھنے کے لئے کونسا عمل کرنا چاہیے؟ اس نے کہا کسی جانور کو مت ستایا کرو، وہ شخص کسی جانور کو تکلیف نہیں دیتا تھا اور اپنے فرشتے کو دیکھا کرتا۔ ایک روز ایک چیونٹی نے اسے کاٹ لیا، اس نے کوئی چیز اس پر دے ماری۔ چیونٹی تو مر گئی مگر اس کے بعد اس کا فرشتہ کبھی نظر نہیں آیا۔ انتہی کلام النفحات

خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات میں مذکور ہے کہ دو گائے ذبح کرنا ایک انسان اور چار گائے ذبح کرنا دو انسان اور دس بکریاں ذبح کرنا ایک انسان کے خون کرنے کے مرادف ہے۔

شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہ نے انکار کیا ہے کہ یہ خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات سے نہیں ہے مگر اسے اگر تسلیم کر لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ قول مذہب ابدال کی نسبت سے واقع ہوا ہے۔ کتاب مشکوٰۃ شریف باب الامارۃ والقضاء میں عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ: ''من اتبع الصید غفل'' یعنی جس نے جانور کا پیچھا کیا وہ غافل ہو گیا۔ اس کی تشریح میں شیخ عبدالحق

دہلوی فرماتے ہیں:

جو شخص محض سیر وتفریح اور لہو ولعب کے لئے ہمیشہ شکار میں مشغول رہتا ہے، وہ عبادات اور نماز و جماعت سے غافل ہو جاتا ہے اور جنگلوں میں پھرتے رہنے سے انسان عجز وانکساری اور نرمی وملائمت سے دور ہو جاتا ہے۔ اس میں اس شخص کے لئے تنبیہ ہے جو بلا وجہ اور کسب رزق حلال کی نیت کے بغیر شکار میں منہمک رہتا ہے۔ ورنہ تو (تحصیل رزق حلال کے لئے) بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بھی شکار فرمایا ہے اور شکار کرنا بغیر کسی شبہ کے مباح وحلال ہے لیکن اس کی حلت کے باوجود شاعر کہتا ہے۔

شریعت کی رو سے شکار کرنا اگر چہ جائز ہے لیکن یہ مروت سے دور ہے کہ کسی جانور کا شکار کیا جائے، کیوں کہ وہ بھی تو تیری طرح ایک جاندار ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار فرمایا ہے اور اس سے کسی کو منع نہیں فرمایا ہے۔ شیخ کا کلام ختم ہوا۔

حدیث شریف میں آیا ہے: "اتقوا هذه المجازر فان لها ضرادة كضرادة الخمر" یعنی جانوروں کو ذبح کئے جانے کی جگہوں سے بچو، کیوں کہ شراب کی طرح اس کی بھی عادت پڑ جاتی ہے۔

مجزر حیوانات کے ذبح کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں مجازر جمع ہے اور ضرادة بضاد معجمه بمعنیٰ عادت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: حیوانات کے مذبح میں جانے سے بچو! کیوں کہ شراب کی طرح اس کی بھی لت پڑ جاتی ہے اور عادت پڑ جانے کے بعد چھوٹنا مشکل ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ذبح حیوانات کا دیکھنا دل کو سخت بنا دیتا ہے اور مروت دل سے نکال دیتا ہے كذافي نهايه ابن الاثير۔

مرزا ذوالفقار مؤید کے دبستان تصنیف میں تحریر ہے:

شنیدہ ام کہ بہ قصاب گوسفندے گفت
دراں زماں کہ سرش را بہ تیغ تیز برید

سزائے ہر خس وخارے کہ خوردہ ام ایں است
کسیکہ پہلوئے چرب خورد چہ خواہد دید"

ایک بزرگ جو جانور کو ستانے سے بچتے تھے، ان سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے یہ طریقہ کیوں اپنایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ لوگ خدا ترس لوگوں کو اہل دل کہتے ہیں اور دل کو کعبۂ حقیقی کہا جاتا ہے پس آب وگل سے بنے ہوئے کعبہ کے حرم میں جو کچھ حرام ہے کعبۂ حقیقی کے لئے بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہونا چاہئے۔

میں نے سنا کہ ایک بکری نے قصائی سے کہا، جس وقت وہ اس کا سر تیز چھری سے کاٹنے لگا۔ میں نے گھاس اور کانٹے کھائے اس کی یہ سزا ملی تو جو میرا موٹا تازہ پہلو کھائے گا، اس کا کیا حشر ہوگا؟

(۱۰) سید بڈھ بلگرامی قدس سرہٗ

سید بڈھ اور سید محمود اکبر کا باہمی نسبی تعلق

آپ کا سلسلۂ نسب دو واسطوں سے سید محمود اکبر قدس سرہٗ کے نسب سے اس طرح مل جاتا ہے: سید بڈھ بن سید کمال الدین بن سید قاسم بن سید نصیر الدین الیٰ آخرہ۔

سید بڈھ قدس سرہٗ بزرگان دین اور راہ یقین کہ رہبروں سے ہیں، آپ نے مقام عزلت میں قدم جما کر بہت سے سالکان طریقت کو منزل مقصود تک پہنچایا، آپ کے صاحبزادے سید ماہرو، میر عبدالواحد اکبر کے اجداد میں سے ہیں جو پدر بزرگوار کی معیت میں قصبہ باڑی چلے گئے تھے اور آپ کے دوسرے

صاحبزادے سید محمد فتح بلگرام میں رہ گئے۔ سید محمد نظام الدین جو مدھنا یک سے مشہور ہیں، کے دادا ہیں۔

شیخ محمد متخلص بہ غوثی بن حسن مندوی متوفی سنہ ۱۰۲۷ھ رحمۃ اللہ علیہ مؤلف کتاب ''گلزار ابرار'' نے شیخ عبدالرحمٰن صوفی سرہندی کے تذکرے میں سید بڈھ کا نام ضمناً ذکر کر دیا ہے۔ اس جگہ میں گلزار ابرار کی عبارت بعینہ نقل کرتا ہوں:

ترجمہ: شیخ عبدالرحمٰن صوفی سرہندی جماعت اکابر سے ہیں۔ عاشق مزاج، مبتلا سرشت، سوختہ دل، حسن پرست، وسیع الظرف، ہمدرد جو، عالی ہمت، ستودہ صفات، گوشہ نشین، معاف کر دینے والے، صاحب نیاز، آرزو کے دشمن، قناعت کے دوست، کشف کے مالک، اور سید بڈھ بلگرامی کے مرید تھے۔

جب اپنے وطن مالوف سے دارالسلطنت آگرہ آئے تو مخدومی ضیاء اللہ صاحبزادۂ غوث الاولیاء شیخ محمد غوث گوالیاری قدس اللہ اسرارہم کی خانقاہ کے ایک گوشے میں مراقبہ شروع کیا اور گلشن زندگانی کو ضیائے صحبت کی چند فصلوں سے پر بہار بنایا ہی تھا کہ عائشہ نامی ایک خوبصورت عورت پر فریفتہ ہو گئے۔ تعجب یہ کہ وہ بھی دل بر درویش تھی، اور درویشی اس کے طواف میں۔ القصہ دستور کے مطابق دونوں کی طرف سے رضامندی کے بعد رسم عقد پوری کی گئی۔ بہت دنوں تک دونوں ہمراز رہے۔

سید احمد قادری جو آپ کے راز داروں میں سے ہیں، نقل کرتے ہیں کہ شیخ دو مراقبے میں شام سے صبح کر دیتے تھے، اور دنیا کی لذتوں سے ہمیشہ کنارہ کش رہتے۔ کیوں کہ کبھی بھی ان کی نظر زمانے کی رنگینیوں میں مشغول نہ ہوئی، نہ کبھی ان کے دل نے زمانے کے ہنگاموں کا فریب کھایا بلکہ تھوڑی سی خورش و پوشش سے ہی تن بدن کی تسلی کر لیتے تھے۔ سنہ ۹۹۵ھ میں اپنے پیکر عناصر کو سپرد خاک کیا اور اپنے روحانی وطن لوٹ گئے۔

(۱۱)سید محمد طاہر بلگرامی قدس سرہٗ

آپ سید طٰہٰ سے مشہور ہیں، سید طٰہٰ بن سید قطب الدین بن سید ماہرو بن سید بڈھ الیٰ آخرہ قدس اللہ اسرارہم۔ آپ سید عالی نسب، والا حسب، پاکیزہ مزاج اور تقدس مآب ہیں۔ حد درجہ شریعت کا پاس رکھتے تھے۔ مروجہ علوم کے حصول کے بعد شیخ صفی الدین سائی پوری کی خدمت میں جاکر مرید ہو گئے، اور سلوک کی منزلیں طے کر کے ولایت کے مرتبہ علیا پر فائز ہوئے اور ۱۹۵۰ھ میں دارالبقاء کو روانہ ہوئے۔

اسی سال سید نوح بن سید محمود اکبر جن کا ذکر شریف گزرا، وہ بھی بہشت کو چلے گئے، آیت کریمہ، فلبث فیھم الف سنة الاخمسین عاما، سال وفات ظاہر کرتی ہے، اگرچہ یہ تاریخ دونوں بزرگوں کے انتقال کی ہے لیکن چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی ہے، اس لئے سید نوح کے (انتقال کی تاریخ کے) بارے میں کچھ اور ہی لطف رکھتی ہے۔

سید محمد طاہر بلگرامی کی کرامت کا ظہور

میر عبدالواحد اپنی کتاب ”سبع سنابل“ کے سنبلۂ اولیٰ میں تحریر کرتے ہیں:

”بابر بادشاہ کے زمانے میں چند مغل، پیر دستگیر حضرت مخدوم شیخ صفی قدس سرہٗ کی ملاقات کے لئے آئے تھے۔ بات صحت سیادت کی چل پڑی، وہ سب انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہندوستان میں کوئی سید نہیں ہے۔ مخدوم صاحب نے بہت سمجھایا مگر انہوں نے بالکل نہیں مانا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہماری ولایت میں ایسے سادات جو صحیح الاصل پرہیزگار عابد و زاہد ہیں، ان کے سید ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر ان کے بال جلتی آگ میں ڈالیں تو نہ جلے، مخدوم صاحب نے فرمایا ہندوستان میں بھی ایسے سادات موجود ہیں۔ مغلوں نے سمجھا کہ شیخ

ڈینگ مار رہے ہیں، اس لئے کہا کہ کسی سید کو بلوایا جائے۔ مخدوم صاحب نے فقیر (میر عبدالواحد) کے چچا جن کا نام طاہر تھا، اور طاہا کہے جاتے تھے، کو بلوایا۔ ان کا سراپا بھی نام ہی کی طرح طاہر تھا۔ ان کے بالوں کی ایک لٹ کاٹ کر آگ میں ڈالی گئی جو دیر تک رہنے کے باوجود بالکل نہ جلی، آگ سے نکالی گئی تو ویسی ہی ٹھنڈی تھی اور ذرا بھی گرم نہ ہوئی تھی۔ مغل منکرین شرمندہ اور پشیماں ہو کر کبھی مخدوم کا پیر پکڑتے تھے اور کبھی میرے چچا کے پاؤں پڑتے اور بڑی عاجزی کے ساتھ گستاخی کی معافی مانگنے لگے"۔

(۱۲) میر سید عبدالواحد قدس سرہٗ

میر عبدالواحد بن سید ابراہیم بن سید قطب الدین بن سید ماہرو بن سید بڈھ قدس اللہ اسرارہم۔ آپ فلک ولایت کے قطب اور ہدایت کے دائرے کے مرکز تھے، کھلی نشانیوں اور روشن کرامات کے مالک تھے۔

میر عبدالواحد کے پردادا سید ماہرو قدس سرہ:

آپ کے اجداد میں سید ماہرو فرمانروائی کی مناسبت سے بلگرام سے قصبہ سرہ گئے، اور وہیں فروکش ہو گئے۔ قصبہ سرہ اور اس کے چوبیس متعلقہ گاؤں بادشاہ وقت کی طرف سے انہیں انعام میں ملے تھے۔ ایک زمانہ بعد وہاں کے زمینداروں کی مخالفت سامنے آئی اور آپس میں جنگ ہوئی۔ سید صاحب نے اپنی بعض اولاد کے ساتھ شربت شہادت نوش کیا(۱)۔ ان کا مزار قصبہ سرہ میں ہے، اور ماہرو کھیڑہ قصبہ سرہ سے متصل مشہور جگہ ہے۔ سید صاحب کے بنوائے ہوئے قلعے

(۱) سید ماہرو علیہ الرحمہ کے قصبہ سرہ میں جانے کا سبب "نظم اللآلی فی نسب آل علاء الدین العالی" میں یہ ہے: "سید ماہر و جد عالی ایشاں از سلہوہ رفتہ بموضع سرہ کہ دیہات آں پرگنہ ازاں دیہہ تعلق دارد اقامت وازید و بہ سبب آنکہ شخصے راز پسران زمیندار آنجا مسلمان ساختہ بود تمامی کواران متوقف شدہ بلوا نمود نمودہ سید غریب راشہید ساختند واولاد ایشان منتشر گردید"۔ نظم اللآلی کا تاریخی نام "سبحۃ الدرۃ الیواقیت" ہے اس کا بھی ترجمہ ہو چکا ہے، جلد ہی منظر عام پر آئے گی۔ اویسی

کے آثار اس جگہ باقی ہیں۔ بقیہ اولاد اور دوسرے متعلقین قصبہ سرہ سے گئو گھاٹ (نامی گاؤں) میں آکر سکونت پذیر ہو گئے لیکن وہاں بھی مستقل پائے اقامت جمانہ سکے۔ آخر کار وہاں سے نکل کر قصبہ سانڈی میں جو بلگرام سے چار کوس (تقریباً ۱۳ر کلومیٹر) کے فاصلے پر ہے، قیام پذیر ہوئے۔

حضرت ماہرو کی بعد کی اولاد میں سے ایک شخص علم حاصل کرنے میں لگا اور تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد قصبہ باڑی کے عہدۂ قضا کی سند بادشاہ وقت سے حاصل کی۔ سید ماہرو نے اپنے پیچھے تین اولادیں چھوڑیں تھیں۔ ان میں سے دو صاجبزادے منصب قضاء کی وجہ سے قصبہ باڑی جاکر اقامت پذیر ہو گئے، اور اکبر بادشاہ کے زمانے میں قصبہ باڑی انہیں انعام میں عطا ہوا۔

میر عبد الواحد قدس سرہ کے حضرت سید ماہرو تیسرے صاجبزادے کی اولاد میں ہیں جو قصبہ سانڈی میں رہ گئے تھے۔ آپ کی صاجبزادی کی شادی ہمارے جد اعلیٰ سید محمود اصغر کے ساتھ ہوئی، اس محبت کی بنیاد پر جو آپ کو اپنے بیٹے (داماد) سے تھی، فرمایا کہ "فلاں مرا بہ بلگرام طلبید" یعنی فلاں نے مجھ کو بلگرام بلایا ہے اور پھر اپنے آبائے کرام کے وطن تشریف لے آئے، پہلے پہل محلہ میدانپورہ میں سید محمود کے مکان کے قریب سکونت فرمائی، چند دنوں کے بعد سلہڑہ کے پوکھرے (تالاب) کے کنارے جاکر آباد ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولادوں میں بہت خیر و برکت عطا فرمائی۔ تھوڑی ہی مدت میں آپ کی اولاد سے ایک بڑا محلّہ آباد ہو گیا۔

اوائل جوانی میں مخدوم شیخ صفی الدین سائی پوری کی خدمت میں بیعت سے مشرف ہوئے۔ شیخ کی آپ پر خاص توجہ رہتی تھی۔ آپ ابھی اٹھارہ سال کے ہی تھے کہ شیخ اس دنیا سے رحلت فرما گئے، اس واقعہ کے بعد میر صاحب، شیخ حسین سکندرہ کی خدمت سے منسلک ہو گئے اور انہیں سے بیشتر باطنی تربیت حاصل کی۔

چنانچہ خود ''سبع سنابل'' میں فرماتے ہیں:

میں حضرت مخدوم شیخ صفی کا مرید اور مخدوم شیخ حسین کا خلیفہ ہوں۔ حضرت مخدوم شیخ حسین کو میرے والد گرامی کے ساتھ انتہائی الفت ومحبت تھی، دونوں دو جسم ایک جاں کی طرح تھے اور میرے والد محترم بھی شیخ صفی کے خلیفہ تھے، اسی وجہ سے میں نے مخدوم شیخ محمد حسین کی صحبت اختیار کی اور مخدوم شیخ حسین ہم پر فراوانی کے ساتھ اپنی عنایات ونوازشات کی بارش کرتے اور فرماتے کہ: یہ میرے دوست کا لڑکا ہے اور جامہ خلافت سے بھی مجھ کو آراستہ کیا، اگر چہ میں اس خلافت کا اہل نہیں تھا، لیکن پھر بھی خدائے تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہوں کہ ایسے عظیم بزرگوں سے بیعت کا رشتہ رکھتا ہوں۔

خدائے تعالیٰ نے میرا پیمان تو ان شیریں گفتار بزرگوں کے منہ سے باندھ دیا۔
ورنہ ہم تو غلام ہیں اور یہ آقاؤں کی جماعت ہے۔

شیخ عبدالقادر بدایونی ''منتخب التواریخ'' میں لکھتے ہیں:

ترجمہ: شیخ عبدالواحد بلگرامی فضائل وکمالات، مجاہدات وعبادات کے جامع ہیں، روشن اخلاق اور پسندیدہ اوصاف سے متصف ہیں۔ آپ کا مشرب عالی ہے۔ اس سے پہلے چند سالوں تک ہندی میں نقش صوت باندھتے تھے (شاعری کرتے تھے) اور پڑھتے پڑھتے وجد میں آجاتے۔ ان دنوں خود کو تمام تعلقات سے علیحدہ کر لیا تھا اور ''نزہتہ الارواح'' کی ایک محققانہ شرح لکھی، ایسے ہی اصطلاح صوفیہ میں بھی کئی رسالے لکھے، انہیں میں سے ''سبع سنابل'' بھی ہے، اس کے علاوہ آپ کی اور بھی بہترین تصنیفات ہیں اگر چہ مرید کسی اور سے ہیں مگر پورا فیض شیخ حسین سکندرہ کی صحبت میں حاصل کیا اور بلگرام سے ہر سال شیخ کے عرس میں شرکت کرنے جایا کرتے تھے، مگر اب بصارت میں کمی آگئی ہے، اس لئے نہیں جا پاتے۔ آپ قنوج میں رہتے تھے ۹۷۷ھ میں جب میں لکھنؤ سے

بلگرام پہنچا تو ایک رات عیادت کے لئے تشریف لائے۔ یہ پہلی ملاقات تھی، جس نے مرہم کا کام دیا۔ فرمایا کہ ''ایں ہمہ گلہائے عشق است''، (یہ سب محبت کے پھول ہیں) اور مخدومی شیخ عبداللہ بدایونی بھی بدایوں سے اتفاقاً رجال غیب کی طرح پہنچ گئے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اگر شب قدر کبھی ملی ہے تو وہ یہی رات ہے۔ میر صاحب کے اشعار کافی بلند ہیں۔

میر کو شیخ لکھنے کا سبب

عبدالقادر بدایونی نے میر عبدالواحد کو عظمت و بزرگی کی وجہ سے شیخ عبدالواحد لکھا، جیسا کہ لوگ سید عبدالقادر جیلانی کو شیخ عبدالقادر جیلانی کہتے ہیں، آخر میں انہوں نے خود ہی لکھا ہے: میر طبع نظم بلند دارد۔ اور شیخ کا یہ کہنا کہ یہ پہلی ملاقات تھی نشاندہی کرتا ہے کہ ان کی ملاقات میر عبدالواحد سے دوبارہ بھی ہوئی ہے اور شیخ عبدالقادر بدایونی ابتدائے حال میں حسین خان کے رفیقوں میں تھے۔ حسین خاں دربار اکبری کے ملازموں سے ہیں جو چند دنوں تک لکھنؤ کا جاگیردار رہا، شیخ عبدالقادر لکھنؤ میں اس کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے میر عبدالواحد سے اپنی اس ملاقات کو ۹۷۷ھ میں لکھا ہے۔ سنوں کے ضمن میں سال مذکور کے واقعات میں لکھتے ہیں کہ ''اس سال پرگنہ لکھنؤ حسین خاں کے ہاتھ سے لے لیا گیا اور خان مذکور ایک تقریب میں ولایت اودھ سے کوہ سوالک کی حدود میں جا پہنچا، پہاڑی کافروں سے جنگ کی، اس کے اکثر رفقا شہید اور زخمی ہوئے اور میں اس سفر میں حسین خاں سے رخصت لے کر لکھنؤ سے بدایوں آ گیا'' (یہاں تک شیخ کے کلام کا خلاصہ پورا ہوا)

شیخ کے کلام میں ایک الجھن کا حل

جو شخص لکھنؤ سے بدایوں کا سفر کرتا ہے تو بلگرام درمیان راہ پڑتا ہے۔ بظاہر اسی سفر میں بلگرام میں میر عبدالواحد سے ملاقات ہوئی ہوگی، اور ان کی یہ عبارت

کہ شبے بہ عیادت آمد'' یہ تقاضا کرتی ہے کہ بیمار رہے ہوں، نیز یہ عبارت کہ ''حکم مرہم داشت وگفت ایں ہمہ گلہائے عشق است'' کا تقاضا ہے کہ زخمی رہے ہوں، مگر آپ کا کلام حسین خاں کے احوال میں یہ ظاہر کرتا ہے کہ حسین خاں کے ساتھ کوہستان نہیں گئے بلکہ حسین خاں سے رخصت لے کر بدایوں کی طرف چلے گئے، اس صورت میں کوہستاں کے زخمیوں میں یہ نہیں ہو سکتے۔ پھر ۹۷۹ھ کے واقعات میں بیان کرتے ہیں کہ ''فقیر کانت کولہ سے بدیع الحق والدین شاہ مدار کے مزار فائض الانوار کی زیارت کے قصد سے مکن پور پہنچا اور دام عشق میں گرفتار ہو گیا۔ غیرت الٰہی نے معشوق کی قوم کے چند لوگوں کو مسلط کر دیا اور شمشیر کے پے در پے نو زخم سر، ہاتھ اور کندھے پر کھائے اور تمام زخم صرف چمڑے تک محدود رہ گئے مگر سر کا زخم ہڈی کو کاٹتا مغز تک جا پہنچا اور گدی باہر آ گئی اور رگ بنصر بھی تھوڑی سی کٹ گئی ایسا لگا کہ تھوڑی دیر کے لئے اس جہان کی سیر کر کے آ گیا، لیکن معاملہ بخیر رہا۔ پھر بانگر مئو میں ایک ماہر حکیم مل گیا جن کے علاج سے ایک ہفتہ کی مدت میں زخم بھر گئے''۔ انتہی کلامہ ملخصاً

پہلی عبارت یعنی حکم مرہم داشت وگفت ایں ہمہ گلہائے عشق است'' اس واقعہ کے ساتھ مکمل مناسبت رکھتی ہے مگر سن کا اختلاف انکار کرتا ہے (کہ یہ وہی واقعہ ہے) اور شیخ عبداللہ جو بدایوں سے آکر رات میں میر عبدالواحد کی ملاقات میں شریک صحبت رہے، ایک نسخہ میں شیخ عبداللہ کی بجائے شیخ عبدالقادر لکھا ہے جو کاتب کی غلطی ہے، صحیح شیخ عبداللہ ہے۔

میر علاء الدولہ بن میر یحییٰ سیفی قزوین نے ''نفائس المآثر'' میں نقل کیا ہے کہ: ''میر عبدالواحد از اکابر سادات قنوج است وخالی از نشۂ فقر ودرویشی نیست وسلیقہ شعر خوب دارد''

یعنی حضرت میر عبدالواحد علیہ الرحمہ قنوج کے اکابر سادات سے ہیں۔ آپ

پر فقر و درویشی کے آثار نمایاں تھے، اور آپ کو شعر کہنے کا سلیقہ خوب آتا تھا۔
شیخ محمد غوثی مندوی نے ''گلزار ابرار'' میں بیان کیا۔

''حضرت سید عبد الواحد بن سید ابراہیم قنوجی صاحب ریاضت و مجاہدہ اور حقائق پر نظر رکھنے والے صاحب حال اور بڑے فصیح و بلیغ تھے۔ آپ نے ''نزہۃ الارواح'' کی نہایت عمدہ و محققانہ شرح تحریر فرمائی، جس میں توجیہ و تاویل کا مکمل سہارا لیکر عبارات کے تمام معانی و مفاہیم کو صحت و درستگی کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت سید کی قنوج میں شادی ہوئی اور چند روز اس شہر میں اقامت بھی فرمائی۔ اسی بنیاد پر ان دونوں کتابوں میں آپ کو قنوجی لکھا ہے۔ آپ کی قنوج میں اقامت شیخ عبد القادر بدایونی کے کلام سے بھی مستفاد ہوتی ہے۔ آپ کی جملہ تصانیف میں حقائق ہندی، شرح قصہ چہار برادر، حل شبہات اور شرح مصطلحات دیوان خواجہ حافظ شیرازی ہیں اور آپ کی سب سے مشہور تصنیف سلوک و عقائد میں ''سبع سنابل'' ہے۔

حضور کی بارگاہ میں سبع سنابل کی مقبولیت

ایک بار مؤلف اوراق نے رمضان المبارک ۱۱۳۵ھ میں دار الخلافہ شاہجہاں آباد میں شاہ کلیم اللہ چشتی دہلوی کی زیارت کی۔ میر عبد الواحد قدس سرہٗ کا ذکر درمیان میں آیا۔ شیخ نے میر صاحب کے مناقب و مآثر دیر تک بیان فرمائے اور فرمایا کہ ایک رات میں مدینہ منورہ میں بستر خواب پر لیٹا ہوا تھا کہ بہ ہوش و حواس دیکھتا ہوں کہ میں اور سید صبغۃ اللہ بروجی (بھڑوچ، جواب گجرات کا ایک ضلع ہے اور بڑودہ اور سورت کے درمیان میں واقع ہے) ایک ساتھ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں، صحابۂ کرام اور اولیائے عظام کا ارد گرد مجمع ہے۔ ان میں ایک شخص ایسا ہے جس کے ساتھ حضور ﷺ مسکرا کر اور کامل توجہ کے ساتھ شیریں انداز میں گفتگو فرما رہے ہیں۔ جب مجلس برخاست ہوگئی تو میں نے سید

صبغۃ اللہ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے جس پر حضور اس درجہ ملتفت ہیں؟ کہا کہ میر عبدالواحد بلگرامی ہیں اور اس احترام کا باعث یہ ہے کہ سبع سنابل جوان کی تصنیف ہے حضور کی بارگاہ میں مقبول ہوگئی ہے۔

حضرت میر ''سبع سنابل'' میں فرماتے ہیں:

''ایک دن جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا تمام مال رضائے مولیٰ میں صدقہ کر دیا۔ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ سے استفسار فرمایا: ماخلفت لعيالك فقال الله ورسوله (اسی وقت) جبریل امین حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابوبکر سے پوچھو کہ کیا میں تنہا کافی نہ تھا کہ تم نے میرے نام کے ساتھ رسول کا بھی ذکر کر دیا۔ سبحان اللہ! کیا درجہ ہے؟ اور کیسا قرب ومنزلت ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نام رسول لئے جانے پر غیرت فرما رہا ہے دانشمندوں اور نکتہ بینوں کو اس مقام پر حیرت ہے، اس ضعیف کے خیال حقیر میں یہ بات آئی، کہ عتاب کی وجہ یہ ہے کہ اے ابوبکر! تیرا پایۂ معرفت اس درجہ پہنچ گیا ہے کہ رسول کو مجھ سے جدا نہیں دیکھتے، کیوں کہ رسول تو ہم میں محو ہیں اور ہم رسول میں ثابت پھر تم نے جدا ذکر کیوں کیا، کیوں کہ (عارفوں نے) کہا ہے کہ عرش تا فرش سب محمد کے غلام ہیں۔ جب خود حق جلوہ نما ہوگیا تو محمد ﷺ کہاں رہے، نیز یہ بھی خیال میں آتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اہل وعیال کے مقام کا لحاظ کر کے جواب دیا تھا، نہ کہ اپنے مقام کے مطابق، کیوں کہ حضور ﷺ نے پوچھا ماخلفت لعيالك البتہ اگر یوں پوچھتے ماخلفت لنفسك تو اپنے مقام کے مطابق جواب دیتے یعنی کہتے: اللہ وحدہٗ''۔

نیز ''سبع سنابل'' میں فرماتے ہیں:

''میرا ایک دوست شیخ نظام نامی تھا، جو ایک مغل کی لڑکی کو تعلیم دیتا تھا لڑکی نہایت حسین وجمیل تھی۔ ایک جوان کی نظر اس پر پڑی اور وہ اس کا عاشق ہوگیا۔

اس نے اپنی نامرادی اور دردمندی کا حال شیخ نظام سے کہہ سنایا۔ شیخ نظام نے فرمایا: تم روزانہ میرے ساتھ چلا کرو، میں اسے پڑھاؤں گا اور تم اس جگہ بیٹھ کر اسے دیکھتے رہنا۔ اسی حالت میں ایک مدت گزر گئی۔ ایک دن دردمند نوجوان نے شیخ سے سرگوشی کے انداز میں کہا: اس لڑکی سے فرمایئے کہ ایک پیالہ پانی مجھے لاکر دے۔ شیخ نظام نے لڑکی سے کہا کہ پینے کے لئے ایک پیالہ پانی لاؤ، لڑکی پیالہ بھر لائی۔ آپ نے فرمایا کہ اس جوان کے ہاتھ میں دے دو۔ لڑکی پیالہ جوان کے سامنے لے گئی۔ جوان نے پیالہ اس کے ہاتھ سے لیا اور جان جاں آفریں کے سپرد کردی''۔

کافیہ کی تصوفانہ شرح

آپ کی نادر تصانیف میں معرفت کے طرز پر کافیہ ابن حاجب کی شرح ہے جو غیر منصرف کی بحث تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں اوائل کتاب سے تھوڑا سا حوالہ پیش کیا جاتا ہے: "الکلمة لفظ" ای ملفوظة علیٰ السنتنا وملحوظة لقلوبنا و محفوظة به ببوا طننا یعنی کلمۂ توحید در مرتبۂ اقرار بزبانہائے ماملفوظ است و در مرتبۂ تصدیق دلہائے مارا ملحوظ و در مرتبۂ احوال باطنہائے ماازو محفوظ۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ اکتفا بذکر مرتبۂ اقرار کردو دو معطوف محذوف فروگذاشت بحکم آنکہ حکم کردن بر اسلام وسبب جریان تکالیف احکام منوط ومربوط بمرتبہ اقرار است وقرینۂ حذف مفہوم از عبارت مصنف است کہ می گوید وضع لمعنی مفردٍ نہادہ شدہ است یعنی لازم گردانیدہ شدہ است قبول آں کلمۂ توحید بررقاب ونواصی بجہت تحصیل معنیٰ کہ فرد و مجرد است از کفر ونفاق و معاصی پس لفظ مفرد قرینۂ حذف است زیرا کہ افراد سہ مرتبہ دارد۔ افراد از کفر وافراد از نفاق وافراد از معاصی فالافراد من الکفر فی رتبة الاقرار والافراد من النفاق فی رتبة التصدیق والافراد من المعاصی فی رتبة

الاحوال لان من لقی ربہٗ تعالیٰ موحدا یبدل اللہ سئیاتہم حسنٰت۔ وہی اسم وآں کلمہ توحید سہ نوع است یکے اسم چہ اقرار وتصدیق فقط اسم توحید وصورت اوست۔ وفعل دوم فعل توحید وعمل اوست وآں دریافت احوال است۔ وحرف وسوم حرف توحید است وایں توحید عظمٰی است کہ از استعداد انسانی برطرف است واز علامات آں ہر دو توحید مذکور بے نشاں وبے کیف کہ علامۃ الحرف خلوہ عن علامات الاسم والفعل“

یعنی کلمہ ایک لفظ ہے ہماری زبانوں پر جاری ہے، ہمارے دلوں میں اس کا لحاظ اور ہمارے باطن میں وہ محفوظ ہے۔ مراد یہ ہے کہ کلمہ توحید اقرار کے درجہ میں ہماری زبانوں پر جاری اور تصدیق کے درجوں میں ہمارے دلوں میں اس کا لحاظ اور احوال کے مرتبہ میں ہمارے باطن اس کے انوار سے محفوظ ہیں۔ مصنف علیہ الرحمہ نے اقرار کے مرتبہ کا ذکر کیا اور دو معطوف محذوف چھوڑ دیئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی شخص پر اسلام کا حکم لگانے اور امور مکلفہ کے جاری ہونے کا سبب اقرار کے مرتبہ کے ساتھ قائم ہے اور اس کے محذوف ہونے کا قرینہ مصنف کی عبارت سے سمجھ میں آرہا ہے کہ وہ فرمارہے ہیں وضع لمعنی مفرد جو مفرد معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے، جو رکھا گیا یعنی لازم ٹھہرایا گیا ہے، اس کلمۂ توحید کا قبول کرنا لوگوں کی گردنوں اور پیشانیوں پر ایسے معنی کے حاصل کرنے کے لئے جو کفرو نفاق ومعاصی سے احتراز کا فرد مجرد ہے تو لفظ مفرد حذف کا قرینہ ہے، اس لئے کہ اِفراد کے تین درجے ہیں: کفر سے افراد، نفاق سے افراد، معاصی سے افراد۔ تو کفر سے افراد اقرار کے درجے میں، نفاق سے افراد تصدیق کے درجے میں اور معاصی سے افراد احوال کے درجہ میں ہے کیوں کہ جو شخص اپنے اللہ سے اس حالت میں ملے کہ وہ اسے ایک مانتا ہو تو اللہ اس کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔ اور وہ اسم ہے اور اس کلمہ توحید کی تین قسمیں ہیں: ایک اسم اس لئے کہ

فقط اقرار اور تصدیق توحید کا اسم اور صورت ہے، اور دوسری قسم توحید کا فعل اور اس پر عمل ہے اور وہ احوال کی دریافت ہے۔ اور تیسری قسم حرف توحید ہے اور یہ توحید عظمیٰ کہلاتی ہے جو انسانی استعداد سے باہر ہے اور اس کی علامات پہلے بیان کردہ دونوں توحیدوں سے بے نشان اور بے کیف ہوتا ہے کیوں کہ حرف کی علامت اسم اور فعل کی علامتوں سے خالی ہونا ہے''۔

کافیہ کی دوسری عارفانہ شرحیں

مخفی نہ رہے کہ عربی اور فارسی زبان میں کافیہ دو اور عارفانہ شرحیں فقیر کی نظر سے گزری ہیں۔ یہ دونوں بھی غیر منصرف کی بحث تک ہیں، شارح عربی کا نام میر ابوالبقا ہے، بظاہر یہ میر صاحب کے معاصر ہیں اور شارح فارسی کا نام ملا موہن بہاری ہیں، جو میر صاحب سے متاخر ہیں۔

اکبر بادشاہ کی نیازمندی

جب میر عبدالواحد کی بزرگی کا شہرہ اکبر بادشاہ کے گوش نواز ہوا، تو اپنے ایک معتمد کو میر صاحب کے پاس بھیجا اور بصد آرزو ملاقات کی درخواست کی۔ میر صاحب اردوئے معلیٰ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ جب بارگاہ سلطانی میں پہنچے تو بادشاہ نے نہایت اعزاز و اکرام سے استقبال کیا اور بلگرام کی پانچ سو بیگہ زمین بطور مدد معاش نذر کی۔

کرامت اور وصال

ایک رات ایک چور میر صاحب کے گھر میں گھس آیا اور نابینا ہو گیا۔ فریاد کرنے لگا۔ حضرت نے اس سے توبہ کرائی اور دعا کی یہاں تک کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اس کی قوت بصارت واپس کر دی۔ ایک کافر جن حضرت میر کے ہاتھ پر دولت اسلام سے مشرف ہوا وہ ہمیشہ حاضر رہا کرتا اور خدمت بجالاتا تھا۔ عمر گرامی سو سال سے زیادہ ہوئی۔ آپ کا وصال شب جمعہ تین رمضان المبارک سنہ ۱۰۱۷ھ

میں واقع ہوا آپ کے ایک عزیز نے تاریخ کہی ۔

چورفت واحد صوری و معنوی گفتم ہزار و ہفدہ و شب جمعہ ماہ صوم سیوم

۱۹+۱=۲۰ ۳۷-۲۰=۱۷ ۱۰ھ

یعنی جب حضرت میر عبدالواحد جو ظاہر و باطن کے سنگم تھے، دنیا سے تشریف لے گئے تو میں نے ان کی تاریخ وفات کہی کہ وہ رمضان کی تیسری تاریخ جمعہ کی رات ۱۰۱۷ھ ہے۔

نوٹ : مصرع ثانی صوری و معنوی تاریخ ہے لیکن بحساب جمل بیس عدد زائد ہوتے ہیں ان کو لطیف معمہ سے خارج کر دیا۔ یعنی واحد صوری جو انیس ہیں اور واحد معنی جو ایک ہے دونوں کا مجموعہ بیس ہوا (مصرع ثانی کا جمل کے حساب سے ۱۰۳۷ھ اعداد نکالتے ہیں ان میں بیس گھٹا دیں تو ۱۰۱۷ھ نکل آئیں گے اور یہی میر صاحب کی تاریخ وفات ہے)۔

مزار مقدس بلگرام (محلّہ سلہاڑہ) میں زیارت گاہ خواص و عوام ہے۔ میر عبد الواحد کے چار صاحبزادے ہیں۔ اس مقام پر پہلے شیخ صفی الدین سائی پوری، شیخ حسین سکندرہ، شیخ عبدالقادر بدایونی، سید صبغۃ اللہ بروجی، اور شاہ کلیم اللہ چشتی دہلوی و ملا موہن بہاری قدس اللہ اسرارہم کے احوال رقم کرتا ہوں کہ ان اکابر کے اسمائے گرامی میر عبدالواحد کے تذکرے میں مذکور ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد فرزندان میر و صاحبان سجادہ کے تذکرے تحریر کروں گا۔

(۱۳) شیخ صفی الدین عبدالصمد قدس سرہٗ

شیخ صفی الدین عبدالصمد بن شیخ علم الدین سائی پوری قدس سرہٗ اولیائے کاملین اور شیخ سعد الدین خیر آبادی کے خلفائے اکابر سے ہیں۔ سارے جہان کے مرکز عقیدت تھے، کشف حقائق اور طالبین کی تربیت میں اونچی شان رکھتے

تھے، اور پیر ہی کی طرح مجرد اور بلا نکاح رہ کر زندگی بسر فرمائی۔ بارہ سال کی عمر میں سائی پور سے خیر آباد پہنچ کر شیخ سعد الدین کی خانقاہ سے منسلک ہو گئے اور علم کی تحصیل میں مشغول رہنے لگے۔

شیخ سعد کی نوازشات

ایک روز شیخ سعد الدین کی نگاہ شیخ صفی پر پڑی۔ بارگاہ میں طلب فرما کر احوال دریافت کیے، جب آپ کے والد کا نام شیخ علم الدین سنا، تو بڑی شفقت فرمائی، کیونکہ یہ ان کے دوست کے صاحبزادے تھے۔ اور بڑی نوازشوں سے خود آپ ہی ان کی پرورش کے کفیل ہوئے۔ شیخ صفی مدتوں شیخ سعد سے شرف تلمذ حاصل کرتے رہے اور سعادت بیعت سے مشرف ہوئے اور خدمات بجالائے۔

ایک رات شیخ نے جبکہ مولی کا موسم نہ تھا، فرمایا کہ اس وقت کہیں مولی مل سکتی ہے؟ شیخ نے عذر نہ کیا کہ آدھی رات ہے اور مولی کا موسم نہیں ہے۔ عرض کیا کہ جا کر تلاش کرتا ہوں۔ خیر آباد میں کوچہ کوچہ پھرے اور محلّہ محلّہ گھومتے رہے، لوگ گھروں کے دروازے بند کر کے سو چکے تھے۔ ایسے وقت میں مولی کا پتہ کس سے دریافت کرتے۔ پریشان اور عاجز ہو کر ایک جگہ بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ ایک آدمی اپنے گھر میں بیدار ہوا، اور بولا کوئی مصیبت زدہ رو رہا ہے، خبر لینی چاہئے۔ گھر کا مالک باہر نکلا اور پوچھا تم کون ہو اور کیوں روتے ہو؟ بولے مجھے مولی کی ضرورت ہے۔ اس شخص نے کہا کہ مولی کا موسم نہیں ہے، دوسرے دو شخص اور بھی حاضر ہوئے، ایک عورت نے کہا میں نے فلاں شخص کے گھر کے صحن میں دیکھا ہے کہ مولی جمائی گئی ہے۔ سب مل کر وہاں گئے اور صاحب خانہ کو جگا کر مولی کی درخواست کی۔ صاحب خانہ نے دو مولی اکھاڑ کر پاک پانی سے کر شیخ صفی کے حوالے کر دیں، شیخ صفی دونوں مولیاں لے کر شیخ کے سامنے حاضر ہوئے، شیخ بہت خوش ہوئے اور دعا فرمائی کہ جس کسی کو بھی دشوار کام اور سخت مہم پیش آئے گی

تیری وجہ سے انشاء اللہ العزیز آسان ہو جائے گی۔

شیخ نے انہیں چلے میں بٹھایا، تیسرے روز فتح یاب ہوئے اور تمام علویات و سفلیات ان پر منکشف ہو گئے، پھر جامۂ خلافت سے نوازے گئے، اور شیخ کے تمام خلفاء پر فوقیت حاصل کر لی۔ سالہا سال مسند ارشاد پر بیٹھ کر طالبین کو مطلوب تک پہنچایا۔ میر عبد الواحد بلگرامی حل شبہات میں تحریر فرماتے ہیں:

ابتدائے حال میں شریعت و طریقت کے بعض مشکل مسائل اکابرین علماء و مشائخ سے میں نے دریافت کئے مگر شافی جواب نہیں پایا۔ دل میں تہیہ کر لیا کہ اکناف عالم کی سیر کروں۔ ہوسکتا ہے کسی ایسے مرد خدا سے ملاقات ہو جائے جو ان مشکلات کو حل کر دے، جب میں چلا تو پہلی ہی منزل پر قیلولہ کے وقت پیر دستگیر یعنی مخدوم شیخ صفی کو خواب میں دیکھا کہ نہایت عنایت کے ساتھ میری طرف متوجہ ہیں فقیر کے دل میں آیا کہ جب مخدوم موجود ہیں تو سفر کی کیا ضرورت؟ پھر تازہ وضو کرنے کی نیت سے مخدوم کے سامنے سے اٹھ آیا۔ قاضی الہداد قدوائی جو مخدوم کے مریدوں میں ہیں، میرے پیچھے سے آئے اور فرمایا کہ تجھے مخدوم صاحب بلا رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرا دل نہیں چاہتا کہ فلاں کہیں اور جائے۔ فقیر فوراً پلٹا اور حضور میں پہنچ کر عرض کیا کہ قاضی الہداد زبان مبارک سے آپ کی جانب سے مجھ سے ایسا فرما رہے ہیں۔ وہ جو کہہ رہے ہیں معاملہ ویسا ہی ہے۔ جب میں بیدار ہوا تو سفر و اقامت کے بارے میں تردد پیدا ہوا۔ آخر دل میں ٹھہرالیا کہ اگر دوبارہ ایسا خواب دیکھوں گا تو سفر ترک کر دوں گا، دوسری بار بھی یہی خواب دیکھا تو واپس مڑا اور خانقاہ میں مزار پاک کے پائینتی کم وبیش چالیس روز اعتکاف میں بیٹھ گیا تمام مشکلات کے شافی جوابات پا گیا اور اس نسخہ میں وہی سوالات و جوابات لکھے ہیں''۔

نیز ''سبع سنابل'' میں فرماتے ہیں:

''شیخ سعد قدس سرہٗ کی خانقاہ میں ایک کم عمر بچہ تھا صفیا نام کا۔ جب کبھی اسے کوئی پکارتا تو شیخ صفی جواب دیتے اور حاضر ہو جاتے۔ آپ کی پاکیزہ طبیعت میں یہ خیال کبھی نہ آیا کہ مجھے کوئی صفیا کہکر نہ پکارا کرے۔

ہر کہ در خود دید در وے کس نہ دید

مرد از خو درستہ را حق برگزید

جس نے اپنے باطن کو خود پرکھ لیا تو پھر دوسرے اس کی جانب نگاہ بند کر لیتے ہیں (اس کی عیب جوئی میں نہیں لگتے) کیوں کہ جو اپنے آپ کو فنا کر ڈالے اللہ اسے چن لیتا ہے۔

شیخ صفی نے فرمایا کہ ''درویشی کا راستہ موت کا راستہ ہے یعنی موتوا قبل ان تموتوا حالانکہ لوگ جینے کی تدبیر کرنے کو اس راہ میں قدم رکھتے ہیں اور اکثر لوگ تو سکہ درویشی کو ہی حصول رزق کا وسیلہ سمجھتے ہیں اور عوام کی گرویدگی اور ان میں اپنی مقبولیت پر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ فاضل و دانشمند شیخ ایک بادشاہ کے یہاں گئے، دربان نے اجازت نہیں دی تو انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

سرور اسر ہنگ رافرماں بدہ

دست درباں بشکند یا پائے من

یعنی اے بادشاہ سپاہی کو حکم دے کہ یا تو دربان کا ہاتھ توڑ دے یا میرا پیر توڑ دے

شیخ صفی قدس سرہٗ نے مصرع ثانی کو بدل کر کہا۔ ع

دست درباں نشکند جز پائے من

یعنی دربان کا ہاتھ نہ توڑ ہاں میرا پیر ضرور توڑ دے

وصال اور مزار

شیخ صفی کی وفات ۱۹ ار محرم ۹۳۳ھ میں ہوئی۔ میر عبد الواحد بلگرامی نے ''شیخ پاک'' تاریخ برآمد کی ہے۔ آپ کی آرامگاہ سائی پور (صفی پور) میں ہے۔

(۱۴) شیخ حسین قدس سرہٗ ساکن سکندرہ قدس سرہٗ

آپ شیخ صفی الدین سائی پوری کے اکابر خلفاء سے ہیں۔ پہلے آپ وقت کے دولتمندوں میں تھے، آپ کی سخاوت کا جوہر مرتبۂ کمال کو پہنچا ہوا تھا، تیراندازی، نیزہ بازی کی مشق اور تمام فنون سپاہ گری کے اتنے ماہر تھے کہ بادشاہ اور امرائے وقت تک جانتے تھے۔ کہ یک بیک عنایت الٰہی کو جوش آیا اور انہیں آلائش دنیا سے پاک کردیا، آپ نے تمام دنیاوی اسباب کو چھوڑ کر تنہائی اختیار کرلی۔ شب و روز ایک درخت پر باہر نکل کر پرندے کی طرح پروں میں اپنا سر چھپائے عالم استغراق میں رہتے تھے۔ اسی اثنا میں کمند شوق حرمین شریفین کی جانب کھینچ لے چلا اور اس سعادت عظمیٰ سے سرفراز ہوئے۔

رسول کریم ﷺ کی ہدایت بیعت

ایک رات خواب میں سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ بار ہوئے اور فرمایا کہ ہندوستان واپس جاؤ اور مقام سائی پور میں شیخ صفی الدین سے بیعت ہو جاؤ، شیخ حسین فرماتے ہیں کہ: جب میں سائی پور پہنچا تو دل میں خیال آیا کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر شیخ مجھے خلوت میں یاد فرمائیں اور بغیر عرض کئے سر مبارک کی ٹوپی مرحمت فرمائیں اور ایک مکان میری عبادت کے لئے مقرر فرمادیں۔ جب میں اس مبارک چوکھٹ پر پہنچا، شیخ نے خادم سے فرمایا، شیخ حسین نام کا ایک شخص دروازے پر کھڑا ہے، اسے کہو کہ اندر آئے، خادم باہر آیا اور پکارا کہ شیخ حسین کون ہیں؟ میں نے قلندروں کی طرح گدڑی پہن رکھی تھی۔ عرض کیا کہ میرا نام حسین ہے لیکن میں شیخ نہیں ہوں، خادم واپس گیا اور عرض پہنچادی فرمایا وہی ہے۔ خادم پھر واپس آیا اور مجھے خدمت اقدس میں لے گیا۔ شیخ نے بڑی شفقت فرمائی اور خاص ٹوپی پہنائی۔ خانقاہ ملائک پناہ میں جگہ عطا فرمائی، پھر دو چلے میں نے خانقاہ

میں کیئے، اس کے بعد حکم ہوا کہ سکندرہ جا کر قیام کرو، اور خلقت الٰہی کی ہدایت کرو۔ آپ نے پچاس سال تک گوشہ عبادت میں قدم جمائے اور کسی انسان کے دروازے پر فقیری کی آبروریزی نہیں کی۔

راقم الحروف نے اس جگہ شیخ حسین کی شیخ صفی قدس اللہ اسرار ہما سے ملاقات صاحب گلزار ابرار کی روایت کے مطابق معنی کے حفظ اور تبدیل عبارت کے ساتھ پیش کردی ہے۔

میر عبدالواحد سنابل میں فرماتے ہیں:

''حضرت مخدومی (شیخ حسین) قدس اللہ روحہ، کو جب ہدایت الٰہی کی کشش اور بے نہایت عنایتوں کا جذبہ میسر آگیا تو آپ کا باطن لذات وشہوات دنیا سے سرد پڑ گیا۔ جاہ اور دولت دنیا کی خواہش تیاگ دی، اور ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی طرح فقر و فاقہ سے دوستی کرلی۔ اس فقر پر جو غنیٰ کے بعد حاصل ہوا تھا، ایسے ہی صابر وشاکر رہتے تھے جتنے کہ دوسرے اس غنا پر جو فقر کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے انہیں مالداری کی حالت میں دیکھا تھا۔ جب فقر و بینوائی پر اس قدر خوش دیکھتے تھے تو تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ تونگری و دولت، وہ جاہ وشوکت، وہ دلاوری وشیر مردی، وہ تیراندازی کا کمال، وہ چوگاں بازی کا فن، سخاوتیں اور بخششیں سب کچھ چھوڑ کر یہ مرد بینوائی پر ریجھا ہوا ہے۔ مخدوم صاحب کسی کو جواب دیتے: اگر خداوند تعالیٰ غریب نواز نہ ہوتا تو اس غریب کو اس مردار سے کون چھٹکارا دلاتا، صبر وقناعت کے مرتبے تک کون پہنچاتا اور بعض کو جواب دیتے: اے دوستو! انعام الٰہی کا شکریہ مجھ پر اس حالت میں ادا کرنا بہت ضروری ہے کہ اسی نے میرا نام مالداروں کے دفتر سے نکال کر فقیروں، مسکینوں کے رجسٹر میں چڑھادیا، اور پیران طریقت کی لڑی میں جوڑ دیا کہ الدنیا ملعونۃ وما فیھا الا ذکر اللہ۔ الحاصل آدمی کو چاہئے کہ راہ فقر میں قدم سیدھا رکھے اور

فاقہ وبینوائی کی شدت سے گریزاں نہ رہے۔

چیست دنیا خاکدان کہنہ و ویرانہ
غصہ جائے محنت آبادی ملامت خانہ

ہر لئیمے نا سزائے ترک دنیا کے کند
سرفرازی را رسددر یاد لے مردانہ

یعنی دنیا کی حقیقت کیا ہے، پرانا اجاڑ کوڑے دان ہے۔ غصہ، محنت اور ملامت کا گھر ہے۔ بد بخت، نالائق دنیا کب چھوڑتا ہے؟ مردانگی اوردریادلی سے انسان سرفرازی تک رسائی حاصل کرتا ہے۔

حضرت مخدوم جب عمر کے آخری حصہ میں پہنچ گئے تو ان آخری ایام زندگانی میں کبھی کبھی فرماتے تھے: میری آرزو یہی ہے کہ موت کے وقت کوئی خوش الحان قاری یہ آیت کوری اور جیت لے میں تلاوت کرے کہ یہ دونوں ہندی سروں کے نام ہیں، آیت یہ ہے: ربّ قد اٰتیتنی من الملك وعلمتنی من تأویل الاحادیث فاطر السمٰوٰت والارض انت ولیّ فی الدنیا والآخرة توفنی مسلماً و الحقنی بالصٰلحین، اور جب قاری کلمۂ توفنی مسلما و والحقنی بالصلحین، پڑھے تو میں اپنی جان دے دوں۔ انتہیٰ

نظام الدین اولیاء کا پسندیدہ لہجہ

یہ بیان بالکل اسی طرح ہے جیسے سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی قدس سرہٗ کو لہجہ پوربی بہت پسند تھا۔ ایک بار حاضرین مجلس سے کسی نے پوچھا کہ حضور پوربی کو بہت سنتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں؟ فرمایا اس لئے کہ میں نے میثاق کے دن ندائے، الست بربکم۔ اسی دھن میں سنی تھی۔

لوگوں کا بیان ہے کہ جب شیخ حسین کی وفات کا وقت قریب آیا تو مسجد کے صحن میں ایک قبر کھدوائی اور تعمیر شروع کرادی۔ دوستوں سے آخری بات چیت

کی، لوگ حیرت میں آگئے، جب تعمیر مکمل ہوگئی تو کشادہ پیشانی سے جان جہاں آفریں کے سپرد کردی۔ یہ واقعہ ۹۷۶ھ میں پیش آیا۔

(۱۵) شیخ عبدالقادر بدایونی قدس سرہٗ

آپ فنون وفضائل کے جامع اور اقران وامائل کے امام تھے۔ اکتساب کمالات شیخ مبارک ناگوری اور دوسرے فاضلین عصر سے حاصل کیا، علمی فضیلت کے ساتھ نظم گوئی کا شعور اور عربی و فارسی مضامین لکھنے کا بہترین سلیقہ تھا۔ ہندی نجوم (جیوتش) حساب ہندی و ولایتی نغموں کی واقفیت تھی اور چھوٹی بڑی شطرنج بھی جانتے تھے۔ تھوڑی بہت بین نوازی بھی جانتے تھے۔ شیوۂ قناعت و راستبازی اور درستگی معاملات میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ اپنے زمانے کے اکثر علما و مشائخ کو پایا اور صحبت میں بھی رہے، کچھ دنوں حسین خاں کے ساتھ بھی جو دربار اکبری کے عہدیداروں میں تھا، وقت گزارے۔

شہنشاہ اکبر کے پیش امام

آخر جلال خاں قورچ کی وساطت اور امیر فتح اللہ شیرازی کی معرفت سے اکبر بادشاہ کے پیش امام کے عہدے پر مامور ہوئے اور چالیس سال تک شیخ فیضی اور ابوالفضل کی مصاحبت میں رہے لیکن اپنی اتنی بڑی تاریخ میں ان کے حالات لکھنے میں دلچسپی نہیں لی۔ شیخ فیضی کے تذکرے میں اس کی بہت مذمت کرتے ہیں، پھر معذرت بھی کرتے ہیں کہ ”چہ تواں کرد حق دین وحفظ عہد آں بالاتر از ہمہ حقوق است الحب للہ والبغض للہ“ (کیا کرسکتے ہیں؟ دین کا حق اور اس کی رعایت سارے حقوق سے بالاتر ہے۔ محبت بھی اللہ کیلئے ہونی چاہیے اور نفرت بھی اسی کی خاطر۔ اس لئے فیضی وغیرہ کی مذمت اسی جذبے کے تحت ہے)۔

اگرچہ چالیس سال ان کی صحبت میں گزرے لیکن طبیعتوں اور مزاجوں میں تغیرو

فساد کے بعد وہ نسبت مرچکی اور خاص کر مرض الموت میں مرتفع ہوگئی اور صحبت کا انجام نفاق ثابت ہوا۔ ایک دوسرے سے چھٹکارا پا گئے، اور ہم سبھی اس بارگاہ کی طرف متوجہ ہیں جہاں ہر قسم کے انصاف کی تکمیل ہوتی ہے۔ الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الاالمتقون"۔ (اس دن سارے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقین کے)۔

راست گوئی اور ارادت و عقیدت

آپ کی جملہ راست مزاجیوں میں یہ بھی ہے کہ اکبر بادشاہ کے چالیس سالہ واقعات کھال ادھیڑ کر لکھے ہیں اور کلمۂ حق کے اظہار میں ایسے دبنگ بادشاہ کی مخالفت کا اندیشہ نہ کیا، اور اس آیت کریمہ الیس اللّٰہ بکاف عبدہٗ کے مضمون پر عمل کیا، آپ شیخ حاتم سنبھلی کے مرید ہیں اور شیخ داؤد چھنی وال سے کافی عقیدت رکھتے تھے۔ آپ کی وفات ۱۰۰۴ھ کی حدود میں واقع ہوئی۔

(۱۶) سید صبغۃ اللہ بن سید روح اللہ بروجی قدس سرہٗ العزیز

بروج (۱) (بھڑوچ) احمد آباد گجرات کے ماتحت علاقوں میں ہے، آپ شیخ وجیہ الدین گجراتی کے کامل تلامذہ وخلفاء میں تھے، چند سال مرشد کے حسب الحکم اپنے وطن میں طلبہ کی تعلیم اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں مشغول رہے پھر یکا یک زیارت حرمین شریفین کا شوق دامن گیر ہوا اور اس دولت کبریٰ سے سعادت یاب ہوئے پھر اولاد کی محبت اور قرابت کے خیال نے آپکی توجہ، وطن اصلی کی

(۱) بھڑوچ صوبۂ گجرات کا ایک ضلع ہے جو بڑودہ اور سورت کے درمیان دریائے نرمدہ کے ساحل پر واقع ہے، کسی زمانہ میں یہ بندرگاہ تھی۔ اویسی

طرف موڑی۔

یہاں تک کہ ۹۹۹ھ میں دل ان سب سے بے نیاز کر کے مجردانہ "مالوہ" وارد ہوئے۔ انہیں دنوں مدینہ مصطفیٰ علی صاحبہ السلام والتحیۃ کی زیارت کا شوق موجزن ہوا۔ ۱۰۰۰ھ میں "خاندیش" کے راستے احمد نگر دکن پہنچے اور وہاں کے حاکم برہان الملک کے اصرار پر وہاں لگ بھگ ایک سال ٹھہرے رہے۔ دوسرے سال سفر دریا کا ارادہ کر کے بیجاپور پہنچے، والیٔ بیجاپور نے بھی چند دنوں خاطر تواضع کی پھر اس مبارک سفر کے لئے زادراہ مہیا کیا، اور ایک جہاز نذر کیا، تاکہ تمام صوفیا اور فقراء فارغ دلی کے ساتھ منزل مقصود کو روانہ ہو سکیں۔

سید صاحب نے مقامات مقدسہ پہنچنے اور زیارت نبویہ کے حصول کے بعد کوہ احد میں سکونت اختیار فرمائی، اور ظاہری و باطنی طلباء کے مرکز ثابت ہوئے، وہیں "جواہر خمسہ" کا عربی میں ترجمہ کیا، آپ کے شاگرد احمد شناوی نے اس پر حاشیہ لکھا اور شناوی بکسر شین معجمہ دونوں مشدد دیار عرب کے ایک مقام کی طرف منسوب ہے، جواہر خمسہ کا عربی ایڈیشن مع حاشیہ، عرب کے علاقہ میں مروج ہے۔

بیشمار لوگوں نے سید صاحب کی خدمت میں طریقت کے فیوض حاصل کئے اور اپنا منتہائے مقصود پایا۔ شیخ محمد عقیلہ مکی قدس سرہٗ کتاب "لسان الزمان" میں ان کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:-

"الشيخ الكبير العالم الشهير السيد صبغة الله بن السيد روح الله الحسينى شيخ مشائخ الطريقة الشطارية العشقية رحمه الله تعالىٰ وهو صاحب علوم الجميعة والمعارف العظيمة انتفع به الناس واخذوا عنهٗ وهو احد من اظهرهٗ الله تعالىٰ واشهرهٗ اخذ طريقة سادة الشطارية عن السيد وجيه الدين وهو عن الغوث سيدى محمد غوث صاحب الجواهر الخمسة

وقد انتفع بہٖ اناس کثیرون منهم السید میر و السید اسعد البلخی المتوفی بالمدینة والشیخ الکبیر احمد الشناوی وللسید صبغة الله مصنفات منهاکتاب الوحدة ورسالة ارادة الدقائق فی شرح مرأة الحقائق وما لا یسع المرید ترک کل یوم من سنن القوم توفیٰ رضی الله تعالیٰ عنه بالمدینة ۱۰۱۵ھ خمسة عشرو الف وقبره بها یزارو یترک بہٖ" انتهی۔

یعنی حضرت سید صبغۃ اللہ بن سید روح اللہ حسینی اپنے زمانے کے مشہور اور جید عالم دین تھے، آپ سلسلۂ شطاریہ عشقیہ کے شیوخ میں سے ہیں۔ ظاہری علوم وفنون اور باطنی اسرار ورموز کے جامع تھے، لوگ آپ سے نفع اٹھاتے رہے، آپ سے اکتساب فیض کرتے رہے، خدائے تعالیٰ نے آپ کو اس زمانہ میں نمایاں اور مشہور مقام عطا فرمایا تھا، سلسلۂ شطاریہ میں آپ کا شجرۂ خلافت یہ ہے: عن سید وجیہ الدین عن محمد غوث صاحب الجواہر الخمسہ۔ آپ سے کثیر افراد نے نفع حاصل کیا جن میں سید میر، سید اسعد بلخی متوفی مدینہ منورہ، اور شیخ کبیر احمد شناوی وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت سید صبغۃ اللہ علیہ الرحمہ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں، مثلاً کتاب الوحدۃ، رسالہ ارادۃ الدقائق شرح مرأۃ الحقائق، مالا یسع المرید ترک کل یوم من سنن القوم۔ آپ کا انتقال ۱۰۱۵ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا۔ یہیں پر آپ کا مزار مقدس بھی ہے، جس کی لوگ زیارت کرتے ہیں اور فیوض وبرکات حاصل کرتے ہیں۔

(۱۷) شاہ کلیم اللہ چشتی دہلوی قدس سرہٗ

متاخرین میں شہرہ آفاق شیخ ہیں، علوم عقلیہ ونقلیہ میں درجۂ کمال اور حقائق ومعارف میں بزرگ مرتبہ والے تھے۔ آپ کے آباء واجداد معماری کا پیشہ کرتے

تھے۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے تعمیر قلوب کا خاصہ عطا فرمایا۔ایک عالم کے قلوب کو اپنی تازگی ہمت سے محکوم بنایا، تعلیم کی تکمیل کے بعد حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و کرامۃً پہنچے اور مدتوں اس دیار فیض آثار میں رہے۔

شیخ یحییٰ مدنی کی خدمت میں دست بیعت دیا، بے شمار عنایتوں کو لئے دیار ہند کی جانب مراجعت فرمائی۔شاہ جہاں آباد بازار خانم میں قیام فرمایا اور کتب حقائق کی تدریس وارباب ارادت کی تربیت میں مشغول ہو گئے، کلام اللہ کی ایک تفسیر سلک تحریر میں پروئی۔امراء وفقراء حلقہ بگوش عقیدت تھے۔دینی و دنیاوی مطالب میں کامیابی جمع کرتے تھے۔۲۴ر ربیع الاول ۱۱۴۳ھ میں عالم قدس میں آرام فرما ہوئے اور اپنی سکونت والی حویلی میں مدفون ہوئے۔

(۱۸) ملا موہن بہاری قدس سرہٗ

آپ کا اصل نام محی الدین ہے مقام پیدائش ونشو ونما شہر بہار ہے۔نو سال کی عمر میں کلام اللہ کو حفظ کیا اور اپنے والد ملا عبد اللہ کی خدمت میں علوم کا اکتساب کیا۔سترہ سال کی عمر میں فراغت کی فاتحہ پڑھی۔چند دنوں تک اپنے وطن میں درس وافادہ میں مشغول رہے، اس کے بعد شاہجہاں بادشاہ کی ملازمت میں پہنچے۔

شہنشاہ اورنگ زیب کے استاد مقرر ہوئے

شاہزادہ محمد اورنگ زیب کی تعلیم دینے پر مقرر ہوئے۔شاہ حیدر نبیرۂ شیخ وجیہ الدین گجراتی قدس اللہ اسرارہما سے بیعت ہوئے۔آخر کار پیش گاہ خلافت سے رخصت لے کر وطن پہنچے اور ریاضت ومجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔چوراسی سال کی عمر میں ۱۰۶۸ھ میں مرحلۂ آخرت طے فرمایا۔

(۱۹) میر عبد الجلیل بن میر عبد الواحد قدس سرہٗ

میر عبد الواحد کی دو شادیاں ہوئیں، اور چار بلند مرتبت شاہزادے اور دو صاجزادیاں پیدا ہوئیں۔ پہلی بیوی سے میر عبد الجلیل اور ایک لڑکی، دوسری بیوی سے تین لڑکے اور ایک لڑکی متولد ہوئے۔

میر عبد الجلیل کی پیدائش اور جذب کی حالت

میں نے میر عبد الواحد کے ایک نوشتے میں مشاہدہ کیا کہ عبد الجلیل کی پیدائش اوّل وقت ظہر بروز جمعرات ۲۰/رجب ۹۷۲ھ میں ہوئی، میر عبد الجلیل جذبۂ قوی اور بلند کیفیات کے مالک تھے۔ آغاز جوانی میں وحشت نے دامن دل پر قبضہ کرلیا، سب کچھ چھوڑ کر جنگل کی راہ لی، بارہ سال تک درویشی کی گدڑی میں اکناف عالم کی سیاحت فرمائی، اکثر اوقات صحراؤں اور جھاڑیوں میں بسر کرتے۔ درختوں کی پتیوں اور جنگلی گھاسوں کو اپنی غذا بنایا، اور مخلوق سے کبھی اختلاط نہ رکھا، گھر والوں کو ان دنوں کسی طرف سے بھی ان کی خبر نہ ملتی تھی، عزیز و اقارب کو مایوسی نے آگھیرا۔

بارہ سال مکمل ہونے کے بعد جس موسم میں کہ حضرت بدیع الدین شاہ مدار علیہ الرحمہ کا عرس ہوتا ہے، لوگ اطراف و اکناف عالم سے زیارت کے لئے آتے ہیں۔ انہیں زائرین کی جماعت میں بلگرام وارد ہوئے، کیوں کہ شاہ مدار علیہ الرحمہ کا مرقد منور بلگرام سے بارہ کوس ہے۔ بلگرام میں آپ کا گذر اس گلی سے ہوا جہاں آپ کی بہن کا گھر (سسرال) تھا۔ میر اس حالت میں اکثر عالم بیخودی میں رہتے تھے اور نعرے مارا کرتے تھے۔ اتفاقاً اپنی بہن کے گھر کے سامنے بھی آپ سے ایک نعرہ سرزد ہوا۔ آپ کی بہن اس طویل ایام جدائی اور بھائی کی زندگی سے مایوس ہو جانے کے باوجود آواز پہچان گئیں اور بولیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبد الجلیل کی آواز ہے اور بے اختیار دہلیز خانہ تک دوڑی آئیں اور بھائی کو آغوش میں پکڑ کر زار و قطار رونے لگیں۔ میر نے ہر چند نا

آشنائی ظاہر کی کہ کسی طرح چھوٹ جائیں پھر آخر صلہ رحم غالب آیا اور وحشت محبت میں بدل گئی، اس پاکباز خاتون نے میر صاحب کو گھر لے جا کر ڈھیرے ڈھیرے کپڑے پہنائے۔ میر صاحب چند دنوں کے بعد صاحب اہل وعیال ہوئے پھر عمر کے آخری حصے میں بلگرام سے مارہرہ توابع آگرہ جا کر مقیم ہو گئے اور اسی جگہ عقبیٰ کی طرف سامان سفر باندھا۔ آپ کی وفات آٹھویں صفر ۱۰۵۷ھ میں دوشنبہ کے روز ہوئی۔ مزار فائض الانوار اسی جگہ زیارت گاہ انام ہے۔

میر سید اویس کے اوصاف اور سجادگی، انتقال اور مزار

میر عبد الجلیل کے تین بلند مرتبت صاحبزادے پیدا ہوئے، ان میں سب سے چھوٹے سید اویس قدس سرہٗ ہیں، جنہوں نے والد ماجد کے انتقال کے بعد سجادہ ہدایت کو آراستہ کیا، آنجناب ایمان کے اویس یمن اور عرفان کے سہیل فلک ہیں، ابدال کا طریقہ آپ نے انتخاب کیا تھا۔ کسی ذی روح کو نہیں ستاتے تھے، یہاں تک کہ کسی موذی کو بھی تکلیف نہ دیتے اور رحم کرنا آپ کی عادت کریمہ تھی۔ اگر کسی مزدور کو کام پر لگاتے، تو گرمیوں کے موسم میں گرمی کی شدت میں اور ٹھنڈیوں کے موسم میں سخت سردی میں عمل کی مشقت سے باز رکھتے اور اپنے سایۂ عاطفت میں جگہ دیتے تھے مگر اجرت پوری عطا فرماتے۔ ۲۰؍رجب المرجب ۱۰۹۷ھ میں مرغزار قدس میں آرام فرما ہوئے، آپ کی خوابگاہ بلگرام میں سرراہ واقع ہے، جہاں وہ غریبوں کی حالت میں آرام فرماں ہیں، شاہ جلال بدخشی متخلص خرد کہتا ہے۔

مقبول خدا اویس ثانی
از دار ملال بست محمل

تاریخ وصال او خرد گفت
براوج سپہر یافت منزل (۱۰۹۷ھ)

یعنی خدا کے مقبول اویس ثانی نے دنیا سے اپنا رخت سفر باندھا۔ خرد نے ان کے انتقال کی یہ تاریخ کہی، انہوں نے آسمان کی بلندی پر منزل پائی ہے۔

(۲۰) میر سید فیروز قدس سرہٗ

آپ میر عبدالواحد کے دوسرے صاحبزادے ہیں، وقت کے تمام اصاغر و اکابر کے مرکز تھے، بلند مرتبہ اور بڑی شان والے تھے۔ شیوہ، جودوسخا اور حاجتمندوں کی حاجت برآری میں ممتاز رہے۔ ابتدا سے انتہا تک والد بزرگوار کی خدمت میں تلمذ کیا اور تمام کتب درسیہ کی تکمیل کی۔

جب میر عبدالواحد قدس سرہٗ اس عالم سے رحلت فرما گئے تو لوگ صاحب سجادہ ہونے کی امید میر سید فیروز سے لگائے ہوئے تھے مگر سید فیروز نے اپنے چھوٹے بھائی میر سید طیب کو سجادہ نشین کیا اور فرمایا سجادہ تم سنبھال رکھو اور درویشوں اور اہل خانقاہ کی خدمت میں بجالاؤں گا۔

سید فیروز شب و روز خورد و نوش کے سامان آنے جانے والوں کے لئے مطبخ میں تیار رکھتے تھے۔ چار سو غریب بچیوں کی شادیاں حسب مرتبہ اپنی طرف سے نقد و جنس مہیا کر کے کرائیں۔

تقریباً سو سال شرف و اقتدار کے ساتھ زندگی گزاری مگر ایک لمحہ کے لئے بھی یاد مولیٰ سے بھی غافل نہ رہے۔ تمام رات بیداری میں گزار دیتے، مراقبہ اور اوراد و وظائف میں مستغرق رہتے۔ پانچویں محرم ۱۰۶۶ھ میں سفر آخرت فرمایا اور میر عبدالواحد کے پہلو میں پوربی جانب مدفون ہوئے۔

میر سید طیب قدس سرہٗ بھائی کے انتقال کے بعد بہت ہی مغموم ہو گئے مگر جب انہیں قبر میں اتار کر نکلے تو بڑے شگفتہ اور خوش ہو کر نکلے۔ لوگوں کو تعجب ہوا۔ سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ بھائی نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ غمگین نہ ہو۔

ساٹھ دن کے بعد تم بھی مجھ سے آملو گے۔ آخر ایسا ہی ہوا کہ ساٹھ روز بعد میر سید طیب بھی اس عالم سے رحلت فرما گئے۔

(۲۱) میر سید یحییٰ قدس سرہٗ

آپ میر عبد الواحد کے تیسرے صاجبزادے ہیں، میں نے میر عبد الواحد کے دست خاص سے لکھی ہوئی یہ عبارت ایک کتاب کے گوشے میں ملاحظہ کی کہ ''تولد فرزندم یحییٰ شب دوم از ماہ ذی القعدہ کہ شب اول ہفتہ بود وقت سحر ۹۸۵ھ خمس وثمانین وتسع مئۃ دست داد'' (یعنی میرے بیٹے یحییٰ کی پیدائش ماہ ذی القعدہ کی دوسری رات جو ہفتہ کی پہلی رات تھی، صبح کے وقت ۹۸۵ھ میں ہوئی)۔ سید یحییٰ انسان کی صورت میں فرشتہ تھے۔ آیۂ کریمہ وسلام علیہ یوم ولدو یوم یموت ویوم یبعث حیاً کے مصداق تھے، عالم کامل اور ابتدا تا انتہا والد ماجد کے شاگرد تھے۔

کلام اللہ کے حافظ بھی تھے اور خوش آوازی سے سامع کو بے خود کر دیتے تھے۔ دنیا ومافیہا سے کنارہ کش اور مجتنب رہتے تھے۔ ریاضت وعبادت اور طالبان شریعت وطریقت کی رہنمائی آپ کے شب وروز کے مشاغل تھے۔

آپ کے بہترین تبرکات میں میزان الاعمال اور معیار الاحوال طریقت میں ہیں۔ قبر مبارک میر عبد الواحد کے چبوترے سے الگ دوسرے چبوترے پر پورب کی طرف ہے۔

(۲۲) میر سید طیب قدس سرہٗ

آپ میر عبد الواحد کے صاحب سجادہ اور چوتھے صاجبزادے ہیں۔ میر عبد الواحد کے خط شریف میں مشاہدہ ہوا کہ ''تولد سید طیب روز یکشنبہ مقدار یک ونیم

پاس بود نہم ربیع الآخر شریف ۹۸۶ھ ست وثمانین وتسعمائتہ''
سید طیب کی پیدائش اتوار کے دن ڈیڑھ پہر کی مقدار گزرنے کے بعد ۹۸۶ھ میں ہوئی۔

آپ کی ذات ایسی مقدس ہے کہ جن وانس اس پر فخر کریں تو زیب دیتا ہے اور اگر زمین وزماں ناز کریں تو موزوں ہے۔

صاحب ''مرأۃ المبتدین'' جو میر صاحب کے معاصر ہیں رقمطراز ہیں :

''میر سید طیب اللہ ان کی عمر دراز اور دولت زیادہ فرمائے آج دنیا کا استحکام اور انسانوں کی برکت ان کی ذات سے قائم ہے۔ قطبیت، ابدالیت، غوثیت واوتادیت اور جتنا بھی کچھ کہا جا سکتا ہے، سب ان کی ذات میں موجود ہے اور یہ دولت مادرزاد ہے'' اس قدر کثیر العبادت ہیں کہ گویا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصد کرامت ظاہر ہو گئے ہوں۔ آپ جب سے سن شعور کو پہنچے نماز قضا نہیں ہوئی۔ اگر آپ کا وجود اس سے پہلے ہوتا تو مجتہدین اور سلف صالحین میں شمار ہوتے۔ اس وقت اگر کسی کو سلف صالحین کے دیکھنے کی خواہش ہو تو میر سید طیب کو دیکھے، میں کون ہوتا ہوں ان کے احوال ومقامات کو بیان کرنے والا، اس کے لئے منہ میں زبان چاہئے، سینے میں دل چاہئے، آج وہ زبان کہاں جو ان کی تعریف کر سکے؟ اور وہ دل کس کے پاس ہے جو ان کی حقیقت جان سکے، وہ فہم کس جگہ ہے جو ان کے احوال سے واقف ہو سکے؟ دعا گو کو فقط اتنا معلوم ہے کہ دنیا کا نظام انہیں کی ذات سے قائم ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ ہر سو سال کے بعد ایک شخص پیدا ہوگا جو ہماری سنتوں کو زندہ کرے گا، آج وہ میر صاحب ہی کی ذات میں موجود ہے۔

ہم بریں نکتہ ختم شد مقصود
للہ الحمد ذی العلا والجود''

اسی نکتہ پر مقصود ختم ہے، اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں جو بلندیوں اور بخشش والا ہے۔ یہاں تک مرأۃ المبتدین کا مضمون ہے۔

اتباع سنن، تحصیل کمالات، سجادہ نشینی

آپ نے ظاہری و باطنی کمالات اپنے پدر بزرگوار سے حاصل کئے۔ والد کے انتقال فرمانے کے بعد مستحق ہونے کی وجہ سے مسند ارشاد پر رونق افروز ہوئے، اور طالبان مولیٰ کو مبادی سلوک سے منتہائے وصول تک پہنچایا۔ نبی ﷺ کی پیروی اپنے تمام حرکات وسکنات میں ملحوظ رکھتے تھے، پوری مبارک زندگی میں حتی الامکان سنت نبوی ﷺ سے ذرہ برابر تجاوز نہیں کیا، علوم ظاہرہ کا وقار انہیں کے دریائے کمال سے روز افزوں تھا، ہمیشہ طالبان علوم کے درس وافادہ میں مشغول رہے، بے شمار لوگوں کو اپنے فیض تربیت سے استاذی کا صدر نشین بنا دیا۔

تبرکات

بہت سی کتب درسیہ مثلا ہدایۂ فقہ اور تفسیر قاضی بیضاوی وغیرہ اور اس کے علاوہ پر آپ کے دست خاص کا لکھا ہوا حاشیہ آج بھی موجود ہے جو آپ کے کمال تبحر علمی، جودت فطرت پر شاہد ہیں۔

سید کرم اللہ والد سید العارفین میر شاہ لدھا قدس اللہ اسرار ہما فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص روئے زمین پر فرشتہ دیکھنا چاہے تو وہ میر سید طیب کا مشاہدہ کرلے اور خود سید العارفین شاہ لدھا نے بھی ان سے استفادہ کیا ہے اور اپنا مرشد قرار دیا ہے فرماتے ہیں:

دور اندیشی

ایک روز کوئی عزیز ملاقات کا اشتیاق لئے میر سید طیب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور توحید کا ایک مشکل مسئلہ پوچھا۔ حضرت میر نے تجاہل سے کام لیا اور فرمایا کہ مجھے یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے، آپ نے عوام کی نظروں میں اپنی کم مائیگی کا

خیال نہ کیا، نہ ہی سائل کی کم اعتقادی کا خیال کیا۔ جب مجلس ختم ہوئی اور خلوت کی گھڑی آئی تو آپ نے سائل سے فرمایا کہ گھر کی بات بازار میں نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں! اب جو سوال کرنا ہو کرو!

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ اور حضرت میر صاحب کے مابین بڑی الفت و محبت تھی۔ شیخ عبدالحق انہیں بزرگ خیال کرتے اور انہیں شیخ طیب کہہ کر پکارتے تھے۔ ایک مرتبہ ایام پیری میں سبق پڑھا رہے تھے کہ کتاب میں ایک جگہ کچھ تامل ہوا۔ اسی وقت میر طیب کو یاد فرمایا اور کہا کہ اگر شیخ طیب اس وقت ہوتے تو آسانی سے اسے حل فرما دیتے۔ اتفاقاً میر سید طیب وطن سے دہلی جانے کے ارادے سے نکلے ہوئے تھے، اسی لمحہ راہ سے کمر بستہ شیخ عبدالحق کی خدمت میں پہنچے۔ شیخ صاحب بہت مسرور ہوئے اور فرمایا مرحبا! ہم آپ ہی کو یاد کر رہے تھے اور قصہ دہرا کر کتاب سامنے کر دی۔ میر سید طیب نے کتاب ہاتھ میں لی اور تھوڑے تامل کے بعد عبارت اس انداز سے پڑھی کہ اس کا مطلب بغیر سمجھائے خود واضح ہو گیا، شیخ نے حاضرین سے فرمایا کہ میں نے نہیں کہا کہ شیخ طیب اس مقام کو آسانی سے حل کر دیں گے۔

حسن خلق

انہیں دنوں شیخ نورالحق خلف الصدق شیخ عبدالحق بادشاہ وقت کے اصرار پر دارالخلافہ آگرہ کا منصب قضا سنبھالے ہوئے تھے۔ شیخ عبدالحق نے میر سید طیب سے پوچھا کہ کس راہ سے آنے کا اتفاق پڑا؟ کہا آگرہ کے راستے سے، فرمایا نورالحق سے ملاقات ہوئی، کہا کہ سفر کے موانع کی وجہ سے ملاقات کی فرصت نہیں ملی، شیخ نے فرمایا کہ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ وہ منصب قضا کا مرتکب ہوا ہے، اس لئے آپ نے اعراض فرمایا اور اس کے بعد شیخ نے چند الفاظ بیٹے کی تعریف میں زبان مبارک سے ادا فرمائے اور کہا کہ اگرچہ میرا بیٹا ہے مگر باپ کی جگہ، اگرچہ وہ میرا

شاگرد ہے مگر استاذ کی جگہ، اگر چہ وہ میرا مرید ہے مگر پیر کی جگہ جانتا ہوں، میر سید طیب شیخ کے سامنے سے اٹھ کھڑے ہوئے، اس انداز سے گویا کمر سیدھی کرنے جارہے ہوں اور بغیر شیخ کی اطلاع کے اسی طرح کمر بستہ ہوکر الٹے پاؤں پلٹے، آگرہ کی راہ لی، اور شیخ نورالحق سے ملاقات کر کے واپس آئے، شیخ عبدالحق میر صاحب کے حسن خلق سے بیحد خوش ہوئے اور معذرت کرنے لگے۔

کشف و نصیحت

سید ضیاء اللہ بلگرامی جن کا ذکر فصل ثانی میں آرہا ہے، ایک روز حاضری خدمت کا ارادہ کر کے میر سید طیب کے پاس پہنچے اور دل میں کہا کہ اگر آج میر صاحب مجھے اپنے ہاتھ سے پان کا بیڑہ کھلائیں تو ان کی ولایت کا معتقد ہو جاؤں گا، جب مجلس انور میں پہنچے تو میر صاحب کو (بذریعہ کشف) معلوم ہوگیا۔ بلّو نامی اپنے خادم سے فرمایا کہ پان کے بیڑے لے آؤ۔ خادم پان کے بیڑے لے آیا۔ حضرت میر نے تمام بیڑوں کو حاضرین مجلس میں تقسیم کر دیا اور سید ضیاء اللہ کو نہیں دیا جب مجلس برخاست ہوئی اور سید ضیاء اللہ تنہا رہ گئے تو حضرت میر نے بیڑہ اپنے دست مبارک سے کھول کر سید ضیاء اللہ کے حوالہ کر دیا، سید صاحب سخت نادم ہوئے حضرت میر نے جھڑک کر فرمایا کہ درویشوں کا امتحان نہیں لینا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ ان کی ناراضگی حرکت میں آجائے۔

کرامت

ایک روز وضو فرما رہے تھے کہ مٹی کا لوٹا جو ہاتھ میں تھا دیوار پر مارا۔ لوگوں کو اس غیر عادی حرکت پر تعجب ہوا۔ چند دنوں کے بعد ایک خادم جسے آپ نے کہیں بھیجا تھا واپس آیا اور بیان کیا کہ میں جنگل میں چلا جارہا تھا کہ ایک شیر کا سامنا ہو گیا۔ شیر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ حضرت پیر دستگیر یعنی میر سید طیب کو یاد کیا۔ فضا سے ایک لوٹا برآمد ہوا اور شیر کی کھوپڑی پر لگا، شیر مڑا اور جنگل کا راستہ پکڑ لیا اور مجھے

اس مصیبت سے نجات ملی۔ جب تاریخ ملائی گئی تو دونوں باتیں ایک ہی وقت میں واقع ہوئی تھیں۔

حضرت میر نے پانچویں ربیع الاول ۱۰۶۶ھ میں انجمن قدس کو جلوہ افروزی بخشی، آپ کے اتباع سنت کی دلیل بھی یہی ہے کہ ربیع الاول کے مہینے میں انتقال فرمایا کہ یہ سنت اضطراری بھی حاصل ہوگئی، آپ کی عمر شریف ۴؍دن کم ۷۹؍سال کی ہوئی۔ آپ کا مرقد مبارک میر عبدالواحد کے مزار کے پاس علیحدہ احاطہ میں ہے۔ آپ کی تاریخ وفات ''ستون دیں افتاد'' (۱۰۶۶ھ) سے نکلتی ہے۔ موجودہ دور میں میر محمد یوسف جو فقیر کے ہم سبق اور خالہ زاد بھائی ہیں، جن کا ذکر آرہا ہے، انہوں نے اسی تاریخ قدیم کو سلک نظم میں پرویا ہے۔

پنجم شہر انتقال نبی
رفت طیب زد ہر بے بنیاد

از پئے ضبط سال تاریخش
گفتہ ہاتف ''ستون دیں افتاد'' (۱۰۶۶ھ)

یعنی ماہ ربیع الاول کی پانچویں تاریخ کو میر سید طیب اس فانی دنیا سے تشریف لے گئے۔ ان کی تاریخ وفات کے سال کے لئے ہاتف نے کہا دین کا ستون گر پڑا۔

(۲۳) میر عبدالواحد اصغر قدس سرہٗ

آپ میر سید طیب بن میر عبدالواحد اکبر کے صاحبزادے اور ان کے سجادہ ہیں۔ آپ کو جد اعلیٰ کی نسبت سے عبدالواحد اصغر کہا جاتا ہے۔

آپ بھی آباء واجداد کی طرح کمالات ظاہری و باطنی سے متصف تھے۔ زنگ آلود طبیعتوں کو طالبین کے عکس وجود سے صیقل کرتے تھے۔ آپ کی وفات

۱۱۰۰ھ کے بعد دوسری دہائی (۱۱۱۱ھ تا ۱۱۲۰ھ) میں ہوئی۔ قبر شریف میر سید طیب کے پہلو میں ہے۔

(۲۴) میر سید نعمت اللہ قدس سرہٗ

میر سید نعمت اللہ بن سید محمد زاہد بن میر عبد الواحد اصغر بن میر سید طیب بن میر سید عبد الواحد اکبر بن سید ابراہیم بن سید قطب الدین بن سید ماہرو بن سید بڈھ بن سید کمال الدین بن سید قاسم بن سید نصیر بن سید حسین بن سید عمر بن سید محمد صغریٰ جد اعلیٰ سادات بلگرام و مارہرہ و مسولی وغیرہ)۔

سجادہ نشینی اور تعلیم

سید محمد زاہد نے سجادگی کا بار اٹھانے سے انکار کر دیا تھا، اس لئے اس دولت کا قرعہ سید نعمت اللہ کے نام نکلا، جو ظاہری علوم میں بلند اور حقائق و معارف میں اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے۔ ابتدا میں چچا بزرگوار میر عبد الہادی بن میر عبد الواحد اصغر سے شرف تلمذ حاصل کیا، جن کا تذکرہ انشاء اللہ تعالیٰ فصل ثانی میں آئے گا، اس کے بعد ملا قطب الدین شہید سہالوی کے حلقۂ درس میں پہنچے اور کتب درسیہ نہایت مستعدی کے ساتھ مکمل کر کے فراغت حاصل کی پھر وطن مالوف میں آ کر آبائے کرام کے سجادہ نشیں ہو گئے۔ مسند تدریس کے ساتھ مسند ارشاد و ہدایت کی رونقیں بھی دوبالا کیں۔

راقم الحروف نے اکثر صحبت بابرکت میں رہنے کی سعادت حاصل کی۔ آپ ریاضت و مجاہدے کے نورانی بزرگ، پسندیدہ اخلاق اور دل پسند عادات کے مالک تھے۔ پیشانی مبارک سے برکات کی کرنیں چمکتیں تھیں۔ اس حقیر (آزاد) پر خاص لطف و کرم فرماتے تھے۔

ایک بار مجھ فقیر سے فرمایا کہ ایک روز قطب المحدثین سید مبارک بلگرامی

کے حلقۂ درس میں، جن کا ذکر اسی فصل میں آرہا ہے، حاضر ہوا۔ کلام اللہ کی ایک آیت سید مبارک نے مجھ سے پڑھنے کو فرمایا میں نے فوراً آیت پڑھ دی، سید مبارک نے پوچھا کہ تم حافظ ہو؟ میں نے بر سبیل خوش کلامی کہا کہ ''میں حافظ نہیں ہوں، حافظ کا باپ ہوں''۔ آپ کے ایک لڑکے کا نام حافظ تھا۔ سید نعمت اللہ نے پانچویں رمضان المبارک ۱۱۴۰ھ میں ریاض جنت کو خرام ناز فرمایا اور میر سید طیب کی پائینتی کی طرف احاطہ کے باہر داخلہ کے دائیں طرف مدفون ہوئے۔

مؤلف اوراق کہتا ہے۔

نعمت اللہ سید العرفاء
درگلستان قدس آرامید

ہاتفے گفت سال تاریخش
صاحب نعمت ارم گردید ۱۱۴۰ھ

یعنی سید العارفین نعمت اللہ گلستان قدس میں آرام فرما ہوئے۔ ایک ہاتف نے ان کی سال تاریخ کہی کہ وہ بہشت کی نعمت کے مالک ہوگئے۔

(۲۵) شاہ طیب قدس سرہٗ

آپ اسی درخت (سید نعمت اللہ) کے پھل اور علوم اجداد کے وارث ہیں۔ تمام ظاہری و باطنی فضائل میں کامل دست گاہ رکھتے ہیں، کچھ کتابیں والد ماجد کی خدمت میں پڑھیں، اس کے بعد میر عبدالہادی بن میر عبدالواحد اصغر کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر شرف تلمذ حاصل کیا، اور تمام کتب متداولہ اخیر تک پڑھیں پھر حدیث کی سند قطب المحدثین سید مبارک قدس سرہٗ سے حاصل کی۔

خوش خطی

آپ کی عربی و فارسی تحریریں اگرچہ طبعی ہیں مگر پھر بھی بہت ہی شیریں، پختہ

وپر رونق ہیں کہ جس کا دیکھنا نور بصارت کو جلا دیتا ہے۔ آپ کی سرعت کتابت عقلوں کو حیرت میں ڈالنے والا نسخہ ہے۔ شرح ملا جامی کو صرف ایک ہفتے میں اول سے آخر تک لکھ ڈالا اور یحییٰ بن ابی بکر عامری یمنی کی کتاب ''بہجۃ المحافل'' جو سیرت نبویہ پر ایک ضخیم کتاب ہے، تیئس روز میں اس کی کتابت کر ڈالی، ایک عظیم کتب خانہ اپنی خوشخطی کی یادگار چھوڑا ایام شباب کے چند دن نوکری میں گزارے، دنیوی مشاغل کے باوجود باطن کو صاف کرنے اور نورانی بنانے کے لئے مطالعہ کتب سے خود کو فارغ نہیں رکھا۔

والد بزرگوار کے انتقال کے وقت احمد آباد گجرات میں تھے۔ خبر سنتے ہی نوکری چھوڑ کر وطن واپس آ گئے اور مقدس پیشروں کے سجادہ نشین ہوئے اور زندگی بھر طاعت وریاضت، درس وتدریس کا مشغلہ اپنائے رہے، ساتویں رجب المرجب بروز چہار شنبہ ۱۱۵۲ھ میں نزہت کدۂ آخرت کو جا بسایا۔ قبر مبارک میر عبد الواحد اکبر کے چبوترے کے پائنتی چبوترہ پر میر سید طیب کی حریم سے متصل دیوار شرقی کے پاس ہے، راقم الحروف نے تاریخ وفات آیت کریمہ وھم مکرمون فی جنات النعیم (۱۱۵۲ھ) سے استخراج کی ہے۔

واضح ہو کہ شیخ حسن بن علی عجیمی نے قصیدۂ لامیہ شیخ ابن فارض مصری کی شرح میں لکھا ہے کہ علامہ شیخ سیدی شہاب الدین احمد میورقی (۱) طائفی کے مکتوب میں پایا گیا کہ من ارّخ وفاۃ شیخ کان فی شفاعتہ یعنی جس نے کسی بزرگ کی تاریخ وفات لکھی وہ بروز قیامت اس کی شفاعت میں ہوگا۔

اسی بنا پر فقیر نے اس کتاب میں اکثر بزرگوں کی تاریخ آیات قرآنی سے نکالی، نثر ونظم میں ضبط کی ہے، مجھے امید ہے کہ ان مقدس حضرات کی ارواح طیبہ کی برکتیں اس کمزور کی حالت پر رحم فرمائیں گی۔

(۱) میورقی ایک جزیرہ ہے، بحرۂ روم میں اٹلی کے نزدیک، اویسی

(۲۶) سید دین محمد (سلمہ اللہ تعالیٰ) قدس سرہٗ

سید دین محمد بن شاہ طیب بن سید نعمت اللہ قدس اللہ اسرارہم۔ ان دنوں اجداد کے کرامت نژاد سجادہ نشیں ہیں اور ستودہ اوصاف اسلاف کے طریقۂ مطہرہ پر گامزن ہیں۔

اللّٰھم انصر من نصر دین محمد علیه الصلاة والسلام وارزقنا محبة عبادك الصلحین واولیائك المقربین ربنا تقبل منا دعاء نا انك انت السمیع العلیم۔

اے اللہ اس کی مدد فرما جس نے محمد علیہ الصلاۃ والسلام کے دین کی مدد کی اور ہمیں اچھے بندوں اور اولیاء مقربین کی محبت کا ذائقہ عطا فرما، اے ہمارے رب ہماری دعا قبول فرما بیشک تو سننے والا جاننے والا ہے۔

(۲۷) سید محمود اصغر قدس سرہٗ

سید محمود اصغر بن سید حسین ابن سید نوح بن سید محمود اکبر قدس اللہ اسرارہم، انہیں اپنے دادا سید محمود اکبر کی نسبت سے (جن کا تذکرہ گذر چکا ہے) سید محمود اصغر کہتے ہیں۔ آپ کے والد ماجد سید حسین کا تذکرہ فضلا کے بیان میں آئے گا۔ سید محمود اصغر کا مبارک وجود، پرہیزگار اور عبادت گزار انسان کی شکل میں ایک فرشتہ تھا، آپ ظاہری فضائل سے آراستہ اور انوار باطنی سے معمور تھے۔ علامہ مرحوم میر عبدالجلیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

محمود در فضائل کسبی و موہبی

ہمتائے اونزادہ ز ارحام عنصری

یعنی فضائل کسبی وعطائی میں حضرت محمود علیہ الرحمہ کے مثل کسی ماں نے نہیں جنا۔

ابتدا میں علم حاصل کرنے قنوج پہنچے، وہاں کے علما سے کتب درسی کی تعلیم حاصل کی اور کامل استعداد پیدا کرلی۔ طالب علمی کے زمانے میں باوجود قرب مسافت کے کبھی وطن جانے کی خواہش تک نہ ہوئی، کیوں کہ قنوج و بلگرام کی درمیانی مسافت پانچ کوس ہے۔ تحصیل علم کے ذوق سے تھوڑی ہی مدت میں فراغت حاصل کرلی اور کتاب ظاہر و باطن کی صحت کے ساتھ تکمیل کرلی، پھر وطن کی جانب توجہ فرمائی۔

ان دنوں میر عبدالواحد قدس سرہٗ قصبہ ''سانڈی'' میں مقیم تھے، آپ نے حضرت میر کی خدمت میں جاکر رسم بیعت ادا کی اور سخت ریاضتیں کیں، حضرت میر نے انہیں اپنی خاص عنایات سے نوازا اور اپنی قابل احترام دختر کا عقد ان کے ساتھ کردیا، پھر اپنی جگر گوشہ سے بے پایاں الفت ہی کی وجہ سے مع اہل و عیال بلگرام کو تشریف ارزانی بخشی، سید محمود نے تمام عمر عزیز گوشہ نشینی میں گزار دی، حجرۂ عبادت سے کبھی قدم باہر نہیں رکھا۔

سفر دھلی اور گوشہ نشینی

البتہ ایک بار مزارات مشائخ قدس اللہ اسرارہم کی زیارت کے واسطے سفر دہلی اختیار فرمایا تھا اور دیار دلی کے خاک پاک میں آرام فرما بزرگوں کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوکر بے شمار برکتیں سمیٹیں، پھر شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دیگر اکابرین کی صحبت اٹھائی اور وطن اصلی کی طرف واپس آگئے، قدم گوشۂ عافیت میں رکھ کر تمام اوقات یاد مولیٰ سے معمور بنائے رکھے، اکیس رمضان المبارک ۱۰۲۴ھ میں عالم روحانیت میں جا بسے، میر سید طیب قدس سرہٗ نے یہ مصرعہ تاریخ نکالا ہے۔ع

ولی عاقبت محمود باشد۔ ۱۰۲۴ھ

آپ کی قبر پری والے باغ میں شمال مغرب گوشے میں ہے اور باغ محمود

وہی باغ ہے جو آپ کے نام نامی سے منسوب ہے۔ آپ کے فیض آثار انگشتہائے مبارک کی یادگار کلام پاک کا نسخہ آج بھی موجود ہے جو قرآن کی صحت اقتدا کے لئے اعتبار کا درجہ رکھتا ہے۔ قرآن کے مکمل ہونے کی تاریخ پہلی ذی الحجہ ۱۰۱۹ھ تحریر فرمائی ہے میر سید عبد الواحد کی دختر سے ان کے چار لڑکے تولد ہوئے: سید عبداللہ، سید عبداللطیف، سید امان اللہ، سید محمد اعظم، مولف اوراق کا نسب تین واسطوں سے سید امان اللہ تک پہنچتا ہے۔

(۲۸) میر سید حسین دہلی وال بلگرامی قدس سرہٗ

ملقب بہ سید السادات بن سید ابراہیم بن سید نظام الدین بن سید محمد ماہ بن سید میراں عرف سید ماہ میر بن سید بڈھ بن سید جمال الدین بن سید ابراہیم بن سید ناصر بن سید مسعود بن سید سالار بن سید محمد صغریٰ قدس سرہٗ۔

آپ خانوادۂ سیادت کا معیار اور علماء وزہاد کا خلاصہ تھے۔ کمسنی ہی میں تحصیل علم کے ارادے سے ہجرت کر گئے۔ بلندی قسمت نے آپ کو شیخ عبد العزیز بن شیخ حسن کمال الحق دہلوی قدس اللہ اسرارہما کی خدمت میں پہنچا دیا پھر آپ نے شیخ کے سایۂ رحمت میں بیٹھ کر تلمذ کیا، منقول ومعقول کی کتابوں میں کامل استعداد پیدا کرلی اور کمالات کی سب سے اونچی چوٹی پر قدم جمالیا۔

انہیں دنوں شیخ نے انہیں خلافت کا جوڑا پہنایا اور اپنی دامادی سے بھی مشرف فرمایا، پھر کسی پروگرام سے ملک دکن کی طرف سفر کیا۔ اس علاقے میں بھی عمر کا ایک حصہ گزارا، اس کے بعد دہلی واپس آگئے، اور گوشۂ تنہائی میں جلوہ افروز ہوگئے، آخر میں شیخ کے حکم پر بلگرام واپس تشریف لائے اور مقتدائے وقت شمار ہوئے اور اپنی ظاہری وباطنی فیض بخشیوں کی بدولت اس بقعہ کو نور الٰہی سے معمور کردیا۔ آپ نے لمبی عمر پائی۔

دہلی وال لقب کی وجہ

بلگرام ہی میں ۱۰۰۰ھ میں مالک حقیقی سے جا ملے، مرقد منور محلہ سید واڑہ میں مقام فیض ہے۔ آپ کا دہلی وال کے لقب سے ملقب ہونے کی وجہ کلام سابق سے واضح ہو چکی۔ جب میر سید حسین بلگرام تشریف لائے تو دوسری بار قبیلۂ پچ بھیا میں شادی کی، شیخ عبدالعزیز و قبیلہ پچ بھیا دونوں لڑکیوں کی اولاد باقی ہے اور سید ابراہیم عرف سید میاں، جن کا ذکر آ رہا ہے، دختر قبیلہ پچ بھیا کی اولاد ہیں۔ صاحب ''مرأۃ المبتدین'' لکھتے ہیں:

''وہ سید صاحب بڑے عالی شان بزرگ گزرے ہیں، ان کی پیشانی سے انوار مصطفوی و آثار مرتضوی دمکتے تھے۔ لوگ انہیں وقت کا سید السادات کہتے تھے، تمام فروعی و اصولی علوم کے جامع تھے۔ شاگردی و ارادت اور دامادی سب آپ کو شیخ عبدالعزیز دہلوی سے حاصل تھی، شیخ نے بارہا بر سر منبر مجمع عام میں فرمایا، یا سیدی جو بھی امانت آپ کے دادا سے ہم تک پہنچی ہے وہ سب سلامتی کے ساتھ آپ کی نذر کرتے ہیں۔ اکثر مدرسین و مستعدین میر صاحب کی درسگاہ میں حاضر ہوتے اور استفادہ کرتے تھے اور مجتہد عصر خیال کرتے تھے۔ آپ کا قول تھا، ''چگونہ باشد حال کسے کہ دینش ہوس نفس او بود و ہمتش گرد آوری دنیا باشد، نہ نیک کردارست کہ از خلق گزیدہ بود، و نہ عارف کہ از خلق بریدہ باشد''۔

اس شخص کا کیا حال ہوگا کہ جس کا سارا دین نفسانی خواہشات اور مقصد حیات دنیا طلبی رہی ہو۔ یہ نہ تو نیک کردار ہے کہ مخلوق میں پسندیدہ، اور نہ عارف باللہ کہ مخلوق میں انتخاب ہو۔

لوگوں کا بیان ہے کہ جس وقت تحصیل علم و عرفاں کے بعد میر صاحب اپنے پیر صاحب کے حکم سے وطن آئے اور اپنا موروثی گھر ہمسایوں سے طلب فرمایا تو انہوں نے کہا کہ جہاں سے میر صاحب نشان بتائیں گے وہی ان کے گھر کی حد

ہوگی، چوں کہ بچپن ہی میں گھر سے نکل پڑے تھے اور (اب تک) تمام زمین پر پڑوسیوں نے گھر بنالیا تھا، اسی وجہ سے آپ کو اپنے گھر کی حدود اچھی طرح معلوم نہیں ہوسکتی تھیں۔ (لہٰذا) اس جگہ کو چھوڑا اور دوسری جگہ گھر بنایا کہ کہیں دوسروں کی زمین قبضے میں نہ آجائے اور دیانت میں نقصان واقع ہو۔ کلمۂ حق کہنے میں آپ کبھی کسی کا لحاظ نہیں کرتے تھے، نہ لوگوں کی خوشامد و بدآمد ہی کی پروا کرتے بے محابا سب کے سامنے حق بات کہہ گزرتے، یہاں تک کہ خادموں اور فرزندوں کے منع کرنے سے بھی نہیں مانتے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ جو کوئی بھی مرد آپ کے قبیلہ یا شہر کا مرجاتا تو تیسرے روز اس کے گھر جاتے اور اس کی بیوی سے کہتے کہ جزع وفزع کم کیا کرو۔ حضور ﷺ کی طرف سے اجازت ہے، کوئی دوسرا شوہر تلاش کرو تاکہ وہ تمہارے نان ونفقہ کی خبر گیری کرسکے، چونکہ ہندوستان میں دوسرا شوہر رکھنے کی عادت نہیں ہے۔ مرد وعورت اس سے غلط مطلب لیتے تھے اور میر کو برا بھلا کہتے تھے، لیکن میر صاحب کو گراں نہیں گزرتا تھا۔ میر صاحب کے گھر کے آس پاس سیدوں اور آپ کے عزیزوں کا گھر تھا۔ اگر کوئی لڑکا راستے سے گزرتا تو فوراً اٹھ کھڑے ہوتے اور اگر کوئی سیدانی دودھ پیتا بچہ دعا کرانے لاتی کہ آپ اس پر دعا پڑھ کر پھونک ڈالدیں تو فوراً کھڑے ہوکر پھونک ڈالتے۔ میر صاحب نے لمبی عمر پائی اور جب تک زندہ رہے آپ کا یہی معمول تھا۔ نیز خاص و عام کی مجلس میں فرمایا کرتے کہ فاطمہ کی سب اولاد کو جنت کی بشارت ہے۔ ہر چند لوگ منع کرتے کہ سادات بہت ہیں، عبادت سے سستی برتیں گے، اس طرح کہنا مصلحت نہیں۔ آپ جواب دیتے، اگر مصلحت نہ ہوتی تو لوگ لکھتے نہیں۔ تو ان کا لکھا ہوا سناتا ہوں آخری دم تک یہی کلمہ آپ کی زبان پر جاری تھا۔

''مرأۃ المبتدین'' کی عبارت یہاں مکمل ہوگئی۔

واضح ہو کہ میر سید حسین قدس سرہٗ کا قول کہ ''اولاد فاطمہ ہمہ مبشر بہ جنت اند''

شیخ محی الدین ابن العربی نور اللہ ضریحہٗ کے مذہب کے موافق ہے۔ فتوحات مکیہ کے ۲۹/ ویں باب میں بیان فرمایا ہے اور شیخ ابن حجر مکی علیہ الرحمہ نے بھی ''صواعق محرقہ'' میں احادیث نبوی وقول علماء اس باب میں نقل کیا ہے۔ ملک العلماء قاضی شہاب الدین علیہ الرحمہ کی کتاب مناقب السادات کے قلمی نسخہ سے ان کا مذہب بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ ان شئت ذلك فاطلب هناك اور میں نے بھی رسالہ ''سند السادات'' میں اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔

اب طوطی نغمہ سرا (قلم) شیخ عبد العزیز دہلوی قدس سرہٗ کے احوال بطور حصول برکت بیان کرتا ہے، اور اسی وسیلہ سے سعادت جاودانی حاصل کرتا ہے۔

شیخ قطب عالم فرزند ارجمند وصاحب سجادۂ شیخ عبد العزیز دہلوی قدس اللہ اسرار ہما نے اپنے آبائے کرام کے احوال سلک تحریر میں منسلک کئے ہیں، اس کا کچھ حصہ مل گیا ہے، اس کتاب میں بطور اختصار اس کا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

شیخ عبد العزیز کے آباء واجداد

''شیخ عبد العزیز کے دادا شیخ طاہر قدس اللہ اسرار ہما ملتان سے تحصیل علم کے ارادے سے ہندوستان کے مشرقی علاقے میں آئے پھر رفتہ رفتہ بہار پہنچے اور بہار کے سفر میں فضلائے عصر سے علم حاصل کیا۔ قاضی بہار نے اپنی لڑکی ان کے رشتۂ نکاح میں دے دی، اور توالد وتناسل کا سلسلہ بھی وہیں شروع ہوا۔ تھوڑے دنوں کے بعد شیخ صاحب اہل وعیال کے ہمراہ جونپور چلے گئے اور وہیں جوار رحمت میں آسودہ ہیں۔ قبر شریف جونپور میں ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے اور برکتیں حاصل کی جاتی ہیں۔

شیخ حسن کے حالات

شیخ طاہر قدس سرہٗ کے خلف الصدق شیخ حسن نے نو سال کی عمر میں کلام اللہ حفظ کیا اور اٹھارہ سال کی عمر میں اکثر کتب متداولہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے اور

اسی عمر سے یادِ حق میں مشغول ہو گئے۔ پچیس سال کی عمر میں درویشی کو کمال بخشا اور راجی سید حامد شاہ کے مرید و خلیفہ ہوئے اور کمال الحق کا خطاب پایا۔ راجی سید حامد شاہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر فردائے قیامت میں پوچھا جائے گا کہ درگاہ عالم پناہ میں ہمارے لئے کیا تحفہ لائے ہو؟ میں کہوں گا شیخ حسن جیسا فرزند لے کر آیا ہوں اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ شیخ حسن ہمارے سلسلۂ (روحانیہ) کی حجت ہیں۔

سلطان سکندر لودھی شیخ سے غائبانہ عقیدت رکھتا تھا۔ اس نے شیخ سے تشریف لانے کی خواہش ظاہر کی۔ اس وقت بادشاہ کی چھاونی آگرہ میں تھی۔ شیخ حسن جونپور سے آگرہ پہنچے۔ سلطان آپ کی خدمت میں پالان بردوش بنا رہا (سراپا خدمت بنا رہا) شیخ نے تھوڑی مدت آگرہ میں گزاری۔ آخرکار دہلی کا سفر فرمایا اور ''بدیع منزل'' میں اقامت اختیار فرمائی۔ بدیع منزل سلطان تغلق کے بنوائے ہوئے قلعہ کی ایک برج ہے۔ زبانوں کے تغیر کی بنا پر اسے بجی مندل (اور غالباً بجے منڈل سے معروف ہے) کہتے ہیں، ایک روز قوال نے یہ رباعی پڑھی۔

اے ساقی ازاں مے کہ دل و دیں من است
پر کن قدحے کہ جان شیریں من است
گر ہست شراب خوردن آئیں کسے
معشوقہ بہ جام خوردن آئیں من است

یعنی اے ساقی! اس شراب سے جو میرا دین و دل ہے، اک پیالہ بھر دے کیوں کہ وہ میری پیاری جان ہے۔ اگر صرف شراب نوشی کسی کا دستور ہے تو محبوبہ کے ساتھ شراب پینا ہمارا آئین ہے۔

تو شیخ پر ایک عجیب وارفتگی طاری ہوگئی۔ تین روز مسلسل بے کھائے پئے وجد کرتے رہے۔ تیسرے روز اسی غلبۂ شوق میں جان جہاں آفریں کے سپرد

کردی۔ بروز جمعہ ۲۴؍ربیع الاول ۹۰۹ھ میں آپ کی وفات ہوئی، بدیع منزل میں آپ کا مزار شریف ہے۔ شیخ کی تصانیف میں ''مفتاح الفیض'' ہے جو ترسٹھ رسالوں پر مشتمل ہے۔ شیخ حسن کے چار فرزند تھے جن میں سب سے چھوٹے شیخ عبدالعزیز تھے لیکن مرتبہ میں سب سے بڑے تھے۔ والد نے انہیں بچپن ہی میں مرید کرلیا تھا اور خرقۂ خلافت بھی عطا فرمایا تھا۔ ابھی ساڑھے دس سال کے تھے کہ والد نے عالم دنیا سے رحلت فرمائی۔ آپ کی تربیت خواجہ جلال الحق قاضی خاں ظفر آبادی نے فرمائی۔

شیخ عبد العزیز کی امتیازی شان

شیخ عبدالعزیز جب سن شعور کو پہنچے تو حاجی عبدالوہاب بخاری کے خلف الصدق میر سید محمد سے شرف تلمذ کیا اور حاجی صاحب سے بھی کتاب فصوص الحکم اور فوائد (کی تعلیم یا سند) اخذ کی۔ حاجی صاحب آپ کے ساتھ نہایت عنایت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ اپنے زبان گوہر بار سے عبدالعزیز عاشق کہا کرتے تھے آپ نے انہیں خانوادۂ سہروردیہ کا جامۂ خلافت پہنایا اور فرمایا میں دنیا سے نہیں جاؤں گا، جب تک کہ عبدالعزیز کو اپنے جیسا نہیں بنادوں گا۔

اس کے بعد شیخ عبدالعزیز ظفر آباد پہنچے اور والد بزرگوار کی امانت قاضی خاں سے واپس لی اور تین سال خود کو ریاضت کی بھٹی میں اتنا پگھلایا کہ اپنے تانبے کو خالص سونا بنا دیا اور خرقہ خلافت پہنا، بعدہٗ میر سید ابراہیم ایرجی کی خدمت میں پہنچے اور چند کتابیں پڑھیں، اور سلسلۂ قادریہ کا جامۂ خلافت زیب تن فرمایا۔

نیز آپ نے شیخ تاج محمود سے خلافت چشتیہ بھی حاصل کی پھر سجادۂ رشد و ہدایت پر متمکن ہوئے اور پوری عمر مبارک خلائق عالم کو حقائق وعرفان کی طرف بلاتے رہے۔

آخر وقت میں نہایت ذوق وشوق کے عالم میں اس دنیا سے رحلت فرمائی۔
حافظ محمد صادق جو ایک خوش الحان اور بہترین لب ولہجہ کے قاری تھے، ان سے آپ نے فرمایا کہ قرآن پڑھئے۔ انہوں نے سورۂ ق پڑھنا شروع کی جب آیت و نحن اقرب اليه من حبل الوريد پر پہنچے تو وارفتگی طاری ہوگئی۔ تین مرتبہ سر مبارک سے ٹوپی کو رقص دیا پھر حافظ نے آیت هو الاول والآخر والظاهر و الباطن وهو بكل شئ عليم پڑھی تو شیخ کی وارفتگی بڑھنے لگی، یہاں تک کہ جب قرآن ختم کیا اور آیت سبحان ربك رب العزة عما يصفون و سلام علىٰ المرسلين والحمد لله رب الغلمين پر پہنچے تو شیخ نے دونوں مبارک ہاتھوں کو چہرۂ مشکبار پر پھیرا اور سینۂ فیض گنجینہ پر ملا اور جان جاناں کے سپرد کردی۔

آپ کی تصانیف میں ۲۳؍رسالے ہیں۔ صاحب مرأۃ المبتدین کہتے ہیں:
"شیخ عبدالعزیز دہلوی شیخ وقت تھے جنہیں بحر مواج کہا جاتا تھا۔ آپ کی عقل آپ کے علم سے بڑھی ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے آپ نے کبھی حفظ مراتب میں کوتاہی نہیں برتی، اور نہ قدم جادۂ ادب سے باہر رکھا۔ اخفائے حال اپنے اوپر فرض سمجھتے تھے۔ اکثر زبان مبارک سے فرمایا کرتے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کو معجزات کا اظہار واجب ہے یونہی امت کو کرامت کا اخفاء واجب ہے۔" تمام اصول وفروع کے جامع تھے۔ حضور علیہ وسلم کی کئی بار خواب میں زیارت فرمائی اور استفادہ کیا اور بزرگان دہلی کی روحانیت سے فوائد حاصل کئے۔ چنانچہ آپ کو فی الواقع اویسی کہہ سکتے ہیں۔ کسر نفسی اس درجہ تھی کہ خود کو کسی لائق نہیں گردانتے تھے اور نہ ہی کسی پر اعتراض کرتے تھے مگر جب کہ دین کا معاملہ ہوتا تو از راہ غیرت ٹوک دیتے تھے۔ آپ کا قول تھا "ہر چیز کے لئے ایک خدمتگار ضرور ہوتا ہے تاکہ اس کی حفاظت کرے اور دین کا محافظ ادب ہے" یہ بھی آپ

ہی کا قول تھا ''ایک بندہ کا معرفت حق میں ایک مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ وہ خود نمائی سے پرہیز کرے۔'' آپ کا اپنا سارا وجود سنت نبوی میں ڈھلا ہوا تھا۔ خاندان نبوت کے ساتھ اخلاص و عقیدت ہر چیز سے زیادہ تھی، یہاں تک کہ شیخ کے محلے میں چند اہل حرفہ (دست کار) رہتے تھے اور خود کو سید کہتے تھے۔ جب شیخ درس کے لئے باہر آتے اور طلبہ کی بھیڑ ہوتی۔ اس دوران ان کا کوئی بچہ اگر کھیلتا ہوا ادھر آنکلتا تو دیکھتے ہی کھڑے ہو جاتے اور سبق بند کر دیتے اور جب تک بچہ کھیلتا رہتا آپ مکمل ادب کے ساتھ کھڑے رہتے اور اپنے پاس سے بھگاتے بھی نہیں۔ طلبہ اس سے بیحد تنگ آگئے تھے (درس کے وقت) گلی کوچوں میں نگہبان بٹھا دیا کرتے تا کہ کوئی سید بچہ ادھر نہ آنے پائے۔ شیخ کو یہ بات معلوم ہوئی تو ڈانٹ پلائی جب تک آپ زندہ رہے یہی حالت رہی آپ کے تمام خلفاء صاحب حفظ و کرامت ہوئے''۔ انتھی کلام مرأة المبتدین

مولانا عالم کابلی فرماتے ہیں:

''میں ۹۶۷ھ میں دہلی آپ کی خدمت میں پہنچا اور ارادہ کیا کہ عارف جامی قدس سرہٗ کے ان دو شعروں کے معانی دریافت کروں۔

عاشقم بے دلم اسیر و غریب
کارم از دست رفتہ دستم گیر

ما بہ یاد تو زندہ می مانم
ورنہ ہجراں نمی کند تقصیر

یعنی میں ایک ہوائے نفس کا شکار، غربت سے دوچار، زخمی دل عاشق ہوں۔ میرے ہاتھ کام کے قابل نہیں رہے۔ لہٰذا میری دست گیری کر۔ ہم تو بس تیری یاد میں زندہ رہ رہے ہیں۔ ورنہ فراق یار (مجھے ہلاک کرنے) کوئی کمی نہیں چھوڑ رہا ہے۔

اس سے پہلے کہ میں پوچھوں شعروں کے معانی کی مناسبت سے ایسے معارف بیان فرمائے کہ سوال کرنے کی حاجت نہ رہی''۔انتہی

اکبری دربار کے امراء کی شیخ سے عقیدت

دربار اکبری کے تمام امراو سردار شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور برکت حاصل کرتے تھے، خاص طور سے بیرم خان خاناں ان اعراس میں حاضر ہوتا جنہیں شیخ منعقد کراتے تھے اور نہایت نیازمندی سے پیش آتا۔

شیخ عبدلقادر بدایونی کہتے ہیں:

''بیرم خاں کی معزولی کے زمانہ میں دہلی پہنچا، اس زمانہ میں تصوف کی کتابوں کے استفادے اور استفاضے کے لئے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ خوش قسمتی سے مجھے ایسے اوقات میسر آگئے جس کی لذت زبان سے بیان نہیں کرسکتا۔ میں نے ان کے معجز بیان کلمات سے وہ لطف اٹھایا کہ ایک مدت گزرنے کے بعد ابھی تک اس کی مٹھاس میرے دل سے نہیں گئی۔ ۶/جمادی الاخریٰ دوشنبہ کے روز ۹۷۵ھ میں ان کی وفات ہوئی قـضـی نحبه تاریخ وفات ہے خانقاہ اشرف کے صحن میں ان کا مزار ہے''۔

(۲۹) سید ابراہیم معروف بہ سید میاں قدس سرہٗ

سید ابراہیم بن سید غلام محمد بن سید عبدالحق بن سید حسین دہلی وال بلگرامی قدس سرہٗ شہر کے مشائخ کبار سے ہیں۔ فقر میں بلند درجہ رکھتے تھے اور خدا پرستی کے گوشہ میں گزر بسر کرتے تھے۔ ایک مسجد اور خانقاہ سید السادات میر سید حسین کے مزار کے دائرے میں بنا کر شیوۂ نان بخشی اور فقراء کی خدمت اپنا شعار بنائے ہوئے تھے۔ شہر میں آنے جانے والے مسافر اکثر آپ کی خانقاہ میں وارد ہوتے تھے۔ ان کی خدمت گزاری میں آپ کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے۔

بیس رمضان المبارک ۱۱۱۴ھ کو اللہ کی رحمت سے جا ملے (انتقال فرمایا) خوابگاہ بلگرام میں ہے۔

(۳۰) شیخ اڈھن معروف بہ شیخ الاسلام قدس سرہٗ

آپ حاجی سالار قنوجی کے صاحبزادے ہیں جو وقت کے اولیائے کاملین میں تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب خواجہ عثمان ہرونی (ہارونی) پیر خواجہ معین الدین چشتی پر منتہی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ کے خاندان کو ''عثمانی'' کہتے ہیں۔ شیخ اڈھن، شیخ مبارک سنڈیلوی کے اکابر خلفا سے ہیں۔ وقت کے پیشوا اور مفتی شہر تھے، زہدوتقویٰ، حفظ شریعت، طالبان ظاہری وباطنی کے معاملات سلوک حل کرنے میں بے نظیر تھے۔

شیخ محمد غوثی مندوی کتاب ''گلزار ابرار'' میں شیخ سالار بڈھ کے حالات کے ضمن میں رقمطراز ہیں:

سید صفی جہتی، شیخ بدرالدین سرہندی و شیخ اڈھن بلگرامی شیخ مبارک سنڈیلوی کے خلفاء میں ہیں، اپنے بلند پایہ حالات میں اونچا مقام رکھتے ہیں۔ اہل زمانہ دین کے معاملات اور خداشناسی کے کردار میں برابر ان بزرگوں کے آستانوں کی طرف بصد نیاز جھکتے رہے ہیں اور مشکلات دوعالم کا حل ان کے گفتار ہائے اسرار کشا سے پاتے ہیں'' انتہیٰ

اور صاحب مرأۃ المبتدین لکھتے ہیں:

''شیخ اڈھن شہر کے استاذ تھے اور اکثر مدرسین وطلباء شاگردی کے لئے آپ کی خدمت میں آتے رہتے تھے، یہاں تک کہ ملا محمد خیرازی جو ملا احمد جنیدی کے شاگرد رشید تھے جس وقت ہندوستان آئے تو شیخ کی شاگردی اختیار کرلی۔ آپ کا قول تھا ''درویش کے لئے خلاف شرع کام یہی ہے کہ کرنے کے بعد پشیماں ہو یعنی ایسا کام ہی کیوں کرے کہ اس سے شرمندگی اٹھانی پڑے'' کسی نے شیخ سے

پوچھا افضل ترین عبادت کون سی ہے؟ فرمایا ہمہ وقت ادب کا لحاظ رکھنا۔ آپ نماز عیدین کے سوا کبھی صحن خانہ سے باہر نہ نکلے۔ آج کل آپ کے سلسلے کی یہی رسم بن گئی کہ کبھی کوئی سجادہ نشین صحن مسجد اور خانقاہ سے باہر نہیں نکلتا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ ایک روز شہر کا معزول حاکم الوداع کہنے کے لئے شیخ کی خدمت میں آیا، دیکھا کہ اپنے ہاتھوں سے مسجد کی اینٹیں درست کر رہے ہیں۔ حاکم نے التماس کیا کہ اگر میں بحال ہو گیا تو اسے درست کرادوں گا تاکہ آپ کو زحمت نہ ہو۔ فرمایا جب بھلائی کی نیت دل میں کر لی تو بحال ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد آپ نے فاتحہ پڑھی۔ اسی روز کسی نے افسر کی مجلس میں حاکم کی کارگزاریوں کی تعریف کی۔ افسر نے بحالی کا پروانہ جاری کر دیا۔ جب اس تک یہ خبر پہنچی تو لوگوں نے دیکھا جس دن شیخ نے فاتحہ پڑھی تھی وہی بحالی کی تاریخ تھی، جس وقت آپ کا انتقال ہوا تو آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ عبدالجلیل جانشین ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ خلفاء نے ان کی قبر شریف والد کے مزار کے پاس بنائی، قبر ٹیڑھی ہو گئی۔ گویا کسی بزرگ کے سامنے تواضع کر رہے ہیں، بعدازاں ان کے برادر خورد جن کا نام شیخ ابوالمعالی تھا جانشین ہوئے۔ جب وہ بھی دار فانی سے دار البقاء کو رحلت کر گئے تو ان کی قبر بھی وہیں بنی اور ان کی قبر بھی ٹیڑھی ہے، جتنی سیدھی کرتے ہیں ٹیڑھی ہو جاتی ہے"۔

انتہی کلام مرأۃ المبتدین

شیخ ابوالمعالی کے بعد ان کے خلف الصدق شیخ ابوالمعانی (یا کے پہلے نون) ملقب بہ شیخ الاسلام ثانی سجادہ خلافت پر بیٹھے۔ بڑا اونچا مقام تھا اور ظاہری باطنی دولت کا سرمایہ کافی مقدار میں رکھتے تھے، مدت تک مسند ارشاد کو رونق بخشی، اور طالبان مولیٰ پر ہدایت کے دروازے کھولے۔ ابتدائے حیات ہی میں اپنے فرزند شیخ صوفی کو اپنا جانشین کیا اور آبائے کرام کا خرقہ خلافت پہنایا پھر دار الخلافہ

شاہجہاں آباد کا سفر کیا اور دہلی کے آرام فرما بزرگوں کے مزارات کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور جامع مسجد میں عبادت کے لئے ایک حجرہ پسند فرمایا اور مدتوں مقیم رہے۔

آپ کلام اللہ کے حافظ بھی تھے، آپ کی خوش الحانی سے سامعین کا دل گداز ہو جایا کرتا۔ آپ کے ایک معتقد امیر نے آپ کی تعریف صاحبقران شاہجہاں۔ انار اللہ برہانہ۔ کے سامنے بیان کی اور بادشاہ کے سامنے لے گیا، اتفاقاً مہینہ رمضان المبارک کا تھا۔ بادشاہ نے فرمایا: رمضان المبارک کی فضیلت میں آیت پڑھئے، آپ نے آیت کریمہ شهر رمضان الذی انزل فيه القرآن ''رمضان کا وہ مہینہ جس میں قرآن اترا لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی کی روشن باتیں (کنز الایمان ع ۷ پ ۲) شروع کی اور ایسی دلکش آواز کے ساتھ پڑھی کہ بادشاہ پر رقت طاری ہوگئی اور مکرر پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ دوبارہ دوسرے لہجے میں قرأت کی، بادشاہ بہت محظوظ ہوئے اور بلگرام کے ماتحت ''گرولی'' نامی ایک گاؤں شیخ کی حسب منشا مدد معاش کے طور پر مرحمت فرمایا۔ فرمان کے تحریر کی تاریخ ۱۰۶۰ھ ہے۔ شیخ ابوالمعانی اپنے خاندان کے صاحب رشد و ہدایت اور سربراہ ہیں، آپ کے آباء واجداد جس محلے میں سکونت پزیر تھے، اس کا نام آپ ہی سے منسوب ہوا، یعنی محلہ شیخ معانی اور یہ محلہ سیدواڑہ کا شرقی حصہ ہے۔

شیخ اڈھن کی مسجد

معلوم ہو کہ جس مسجد کو شیخ اڈھن قدس سرہٗ نے بنایا، اس کا کتبہ حسب ذیل جو دروازے کے اوپر نصب ہے۔

۱- درایام جلال الدین محمد اکبر غازی
که ازمعمار عدل او عمارت یافته دوراں

۲-بنا از میرزا حاجی محمد اوزبک گشته
عجب دروازۂ خوش خم چو طاق ابروئے خوباں
۳-گزشتہ نہ صد و ہفتاد و ہشت از ہجرت مرسل
کہ گشتہ از در رحمت تمام اندر مہ شعباں (۹۷۸ھ)
۱-سلطان جلال الدین محمد اکبر غازی کے زمانہ میں، جس کے معمار عدل سے زمانہ کی عمارت بنی۔
۲-مرزا حاجی محمد اوزبک کے ذریعہ یہ مسجد بنی، جس کا حیرت انگیز دروازہ حسینوں کے محراب دار آبرو کی طرح خوش نما خمدار ہے۔
۳-محمد ﷺ کی ہجرت کے ۹۷۸ رسال گزرنے کے بعد، شعبان کے مہینے میں اللہ کی رحمت سے اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔

تجدیدِ تعمیر

جب یہ مسجد شکستہ ہوگئی تو شیخ ابوالمعانی کے عہد میں مسجد کی عمارت کی تجدید ہوئی۔ اس بار محراب کے وسط میں جو عبارت پتھر پر کندہ کی گئی، یہ ہے ۔

۱- درزمان شریف شاہجہاں
منبع الجود مطلع الاحسان
۲- ساخت مرزا حسن علی دانا
مسجد اسّس علی التقویٰ
۳-ازپئے سال ایں خجستہ بنا
کردم از پیر عقل استملا
۴-عقل بالفور درپاک بسفت
وادخلوا المسجد الحرام بگفت ۱۰۲۶ھ

۱-شہنشاہ شاہجہاں کے زمانہ میں، جو سخاوت کا منبع اور احسان کا مطلع ہے۔

۲-مرزا حسن علی دانا نے ایسی مسجد بنائی، جس کی بنیاد تقوے پر قائم کی گئی ہے۔
۳-اس مبارک تعمیر کی سال تاریخ کے لئے، میں نے پیر عقل سے تحریر مانگی۔
۴-فوراً عقل نے پاک موتی پرو دیئے، اور ادخلوا المسجد الحرام کہا۔

مسجد کی تیسری تعمیر

مرور ایام کے ساتھ مرزا حسن علی دانا کی بنائی ہوئی مسجد بھی شکستگی سے دوچار ہوئی پھر ۱۱۶۶ھ میں نواب ابوالمنصور خاں صفدر جنگ کو جو احمد شاہ فرمانروائے ہندوستان کے وزیر اعظم تھے، تیسری مرتبہ تعمیر مسجد کے تجدید کی توفیق ہوئی اور مؤلف کتاب (آزاد) نے صاحب سجادہ شیخ غلام حسن کی استدعا پر یہ قطعہ تاریخ نظم کیا۔

۱- درزمان جلوس احمد شاہ
زیر فرمان اوملوک جہات

۲-رکن عالی جناب صفدر جنگ
آصف عہد بانئ خیرات

۳-کرد تعمیر خانۂ ایزد
یافت از غیب حسن توفیقات

۴-صاحب ایں مکاں غلام حسن
زیب افزائے مسند برکات

۵-گفت تاریخ ایں بنا آزاد
مسجد تازہ منزل حسنات ۱۱۶۶ھ

۱-بادشاہ احمد شاہ ابدالی کے زمانے میں، جس کے فرمان کے تابع ہر سمت کے بادشاہ ہیں۔
۲-ان کے وزیر اعلیٰ جناب صفدر جنگ اپنے زمانے کے آصف اور نیکیوں کے بانی ہیں۔

۳-انہوں نے خدا کا گھر بنایا اور غیب سے یہ نیک توفیق پائی۔
۴-اس مسجد کے مالک (مجازی) غلام حسن ہیں، جو بابرکت مسند کی زینت بڑھا رہے ہیں۔
۵-آزاد نے اس تعمیر کی یہ تاریخ کہی: مسجد تازہ منزل حسنات۔ (۱۱۶۶ھ)(۱)

شیخ صوفی کے اوصاف

شیخ صوفی علیہ الرحمہ عظیم و جلیل شخصیت کے مالک تھے اور اپنے سلسلۂ عالیہ کے اصول وقواعد اچھی طرح برتتے تھے۔

لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ایک افغان نے شیخ کے خلاف دعویٰ کردیا کہ آپ نے پانچ سو روپئے نقد بطور قرض مجھ سے لیا ہے۔ شیخ نے گواہی مانگی، اس نے کہا میرے پاس گواہ نہیں ہیں، آپ ہی قسم کھا لیجئے۔ شیخ خاموش ہو گئے اور اٹھ کر گھر کے اندر چلے گئے پھر عورت کے زیورات اور گھر کا اثاثہ بیچ کر پانچ سو روپئے نقد ادا کردیئے، افغان وہ روپئے لے کر چلا گیا۔

پھر ایک مدت کے بعد واپس آیا اور شیخ کے قدموں پر گر پڑا۔ عرض کی چونکہ میں مفلس تھا اور میرا دل گواہی دیتا تھا کہ آپ قسم ہرگز نہیں کھائیں گے اور نقد بھی ضرور دیں گے۔ اس لئے غلط دعویٰ کر کے میں نے آپ سے رقم حاصل کی اور پھر اسی کو سرمایہ بنا کر تجارت شروع کی۔ زمانے نے موافقت کی اور مجھے بہت منافع

(۱) شیخ اڈھن قدس سرہٗ نے جس مسجد کی بنیاد رکھی تھی اس کی تعمیر مختلف شاہانِ زمانہ کے ادوار میں ہوتی رہی اور ہر بار نیا کتبہ بھی کندہ کیا جاتا رہا ہے، اس کے بعد بھی اس کی تعمیر ہوئی ہے جس میں یہ کتبہ مسجد کے درمیانی دروزہ پر کندہ ہے

بہ یمن دولت نواب مستطاب زماں
وزیر اعظم و فیاض آصف دوراں
بنائ کعبہ ثانی نمودہ فضل عظیم
بنام پاک خداوندگار کون ومکاں (۱۱۹۵ھ)

یہ مسجد اب ''عطا میاں'' کے نام سے مشہور ہے اور محلّہ ''کاسوپیٹ'' کے نام سے معروف ہے۔ اس جگہ گستاخ رسول وہابی، جماعت، نے ایک مدرسہ اپنے مردود مذہب کے فروغ کے لئے بنا رکھا ہے، اللہ تعالیٰ اس جگہ کو جلد سے جلد ان کے ناپاک قدموں سے پاک کرے اور شیخ الاسلام شیخ اڈھن قدس سرہٗ نے جس مقصد کے لئے اس کا قیام فرمایا تھا وہ انجام پائے۔ ادیسی

ہوا اور اسی پانچ سو روپیوں کی بدولت میں صاحب ثروت ہو گیا۔ اب مبلغ ایک ہزار روپے نقد اور کچھ تحفے شیخ کی خدمت میں لایا ہوں۔ شیخ نے ہاتھ کھینچ لیا، اور فرمایا جو چیز ہم نے دے دی، پھر اسے واپس نہیں لیتے (گویا) اس بار پہلے سے بھی بڑھ کر بلند ہمتی کا ثبوت دیا۔

پنڈت کی عقیدت

بلگرام کا ایک برہمن بلبدر نامی نے ایک کتاب ''نورس سنگار'' کے بیان میں، شیخ کے نام سے لکھی اور اس کا نام ''صوفی'' رکھا، اوائل کتاب میں چند دوہے شیخ کی مدح میں کہے ہیں اور یہ دو دوہے اسی کے ہیں۔

جولی جتکم سادھ رکھ راجا رانارائی
تے لچھے سوں ہت کریں سو یہ دیت لٹائی

کرے کا مناں کوت کوئی کہے آپنو حال
بردے سوئے پلک میں صوفی کلپ تمال

شیخ عبد الجلیل اور صاحب کتاب

آپ کے انتقال کے بعد آپ کے فرزند ارجمند شیخ عبدالجلیل قدس سرہٗ قائم مقام ٹھہرے۔ محرر رسالہ نے ان کی زیارت کی ہے، سرتاپا مجسمہ شریعت وطریقت تھے۔ بارہویں صدی ہجری کی تیسری دہائی میں دنیا کو الوداع کہا۔

آپ کے بعد آپ کے لڑکے شیخ غلام مشائخ قدس سرہٗ جانشین ہوئے اور اسلاف کرام کے طریقۂ مرضیہ پر زندگی گزاری۔ ان تمام بزرگوں کی قبریں شیخ اڈھن کے مقبرے میں ہیں۔ روح اللہ ارواحہم۔ اس وقت شیخ غلام حسن پسر شیخ غلام مشائخ آباؤ اجداد کرام کے جانشین ہیں، حضرت حق جل شانہٗ ان کی عمر و مرتبہ میں ترقی عطا فرمائے۔

(۳۱) مخدوم محمد رکن الدین بلگرامی قدس سرہٗ

آپ سلطانی و خدائی طاقتوں سے باخبر اور زندہ دلی و آگاہی کے رمزوں سے واقف ہیں۔ فضائل ظاہری کے ساتھ کمالات معنویہ سے بھی آراستہ ہیں آپ درد کے خواہش مند ٹوٹے دلوں کا وصل کی مومیائی سے علاج کرتے تھے۔

آپ شیخ اللہ دیہ خیر آبادی قدس سرہٗ کے حقیقی بھتیجے اور مرید و خلیفہ ہیں، جن کے مناقب مورخین عصر نے اجمالاً وتفصیلا بیان کئے ہیں۔ میرن جد مخدوم محمد رکن الدین کے دو صاحبزادے تھے: میر نصیر الدین، میر نظام الدین۔ میر نظام شیخ اللہ دیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ دونوں حقیقی بھائی ہیں۔ میر سید جان کی لڑکی کے بطن سے پیدا ہیں جو میر سید علاء الدین صاحب ولایت قصبہ سنڈیلہ کے والد ہیں۔

مخدوم محمد رکن الدین میر نصیر الدین کے فرزندار جمند ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت دارالارشاد خیر آباد۔ میں ہوئی وہیں پلے بڑھے اور دست ارادت عم بزرگوار کے دامن سے وابستہ کیا اور بلند درجے اور اونچے مراتب حاصل کئے۔

پھر خطہٗ بلگرام کو قدوم میمنت لزوم سے سرفراز کیا اس کا سبب یہ ہوا کہ جب سید عمر بن سید بدر الدین جو محلہ سید واڑہ کے چار خاندانوں میں سے ایک کے جد اعلیٰ ہیں۔ شیخ ابوالفتح خلف صادق شیخ اللہ دیہ قدس اللہ اسرار ہما کے مرید ہو گئے اور اس خاندان کرامت کے ساتھ اپنے روحانی تعلقات جوڑ لئے۔ جیسا کہ مرأۃ المبتدین مصنفہٗ سید شریف بن سید عمر کی عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ اسی وقت سید عمر نے شیخ ابوالفتح سے عرض کیا کہ ہمارے وطن کے بوڑھے اور کمزور لوگ بُعد مسافت کی وجہ سے حضور سے کسب فیض نہیں کر سکتے۔ لہٰذا مخدوم زادوں میں سے کسی ایک کو بلگرام رہنے کی اجازت دیجئے، تاکہ وہاں کے لوگ انوار سعادت حاصل کر سکیں۔ شیخ ابوالفتح نے شیخ اللہ دیہ کی روحانیت کی طرف رجوع کیا اور

مخدوم محمد رکن الدین کو (بلگرام) جانے کی اجازت عطا فرمائی۔ لہٰذا مخدوم قدس سرہٗ خیر آباد سے بلگرام تشریف لائے اور اس خطہ کو اپنے ورود مسعود کی بدولت بیشمار برکات سے معمور فرمایا۔ آپ میر عبد الواحد اکبر صاحب سبع سنابل کے ہمعصر ہیں۔ ایک شرعی دستاویز میں میں نے مشاہدہ کیا کہ یہ عبارت خود آپ نے اپنے ہاتھ سے تحریر فرمائی ہے۔

"اقرّ المقرّون المذکورون بالقسمة المسطورة فی الصدر عندی۔

کتبه: خویدم العلماء محمد رکن الدین بخطہٖ"

یعنی اوپر لکھی ہوئی تقسیم کا مذکورہ لوگوں نے میرے سامنے اقرار کیا۔ یہ تحریر علماء کے ادنیٰ خادم محمد رکن الدین نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہے۔

دستاویز لکھنے کی تاریخ محرم کی انیس تاریخ ۱۰۰۸ھ ہے۔

آپ کا محل اقامت محلّہ میدانپورہ سے متصل شمال ومغرب کے گوشے پر ہے اور مرقد منور مسجد شریف کے سامنے احاطے میں زیارت گاہ ومقام تبرک ہے۔

شیخ محمد قدس سرہٗ

آپ کی اولاد امجاد سے حضرت شیخ محمد قدس سرہٗ ہیں۔ علوم شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ آپ کا دروازہ مریدین وطالبین کے لئے کھلا رہتا۔ بچپن ہی سے پدر بزرگوار کے ظل عاطفت میں تربیت پائی اور شرف ارادت و خلافت سے شرف اندوز ہوئے پھر والد ماجد کے انتقال کے بعد سجادہ کرامت پر رونق افروز ہوئے۔

ایک رات عالم خواب میں غوث صمدانی شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ آپ انہیں اشارہ فرمارہے ہیں کہ مقام "بہتہ" (بھٹہ) میں جاکر میرے فرزند عبد اللہ جیلانی سے خرقۂ خلافت حاصل کرو اور شیخ عبد اللہ کو بھی عیاناً (جاگتے میں) خرقۂ خلافت پہنانے کا حکم فرمایا۔ شیخ محمد قدس سرہٗ آپ کے حسب

ارشاد بلگرام سے موضع بہتہ روانہ ہوئے اور شیخ عبداللہ کی خدمت میں پہنچے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا اور خاص الخاص عنایتوں سے ممتاز ہوئے۔ چند روز کے بعد وطن مالوف بلگرام لوٹ آئے، بقیہ عمر ہدایت وارشاد میں بسر فرمائی اور بہت سے طالبان طریقت کو مقصود تک پہنچایا۔

شیخ عبد اللہ کے حالات

اب تھوڑا سا تذکرہ شیخ عبداللہ بھتی قدس سرہٗ کا لکھا جاتا ہے۔ شیخ عبداللہ بن سید عمر بن سید حسین جیلی قدس اللہ اسرارہم کا نسب بارہ واسطوں سے غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ خرقۂ خلافت اپنے والد بزرگوار سے پہنا، اور ہندوستان کے اکثر مشائخ کی صحبت اٹھائی اور موضع بھتہ علاقہ دہلی میں سکونت اختیار فرمائی۔

شیخ سلیم چشتی فتحپوری کی رفاقت میں سیاحت کو نکل پڑے اور حرمین شریفین کرمہما اللہ تعالیٰ کی زیارت کا شرف حاصل کیا پھر ہندوستان کا رخ کیا۔ اس کے بعد شیخ کے اشارے پر اجمیر شریف میں خواجہ معین الدین چشتی سنجری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ کے قریب چلہ کیا۔ کچھ دنوں اس مقام سعادت انجام میں فیوض و برکات حاصل کئے، اور خواجہ کے اشارے پر موضع بھتہ واپس آکر اقامت گزیں ہو گئے اور خلق کثیر کو ارادت و ہدایت سے نوازا۔ تمام اوقات باوضو استغراق و مراقبہ میں منہمک رہتے تھے، بعض لوگوں کی چغلخوری سے جہانگیر بادشاہ نے ناراض ہو کر آپ کو طلب کیا۔ جب آپ بادشاہ کے روبرو پہنچے تو دعا پڑھ کر کنکریاں پھینکیں، بادشاہ نے پوچھا آپ نے یہ کیا کیا؟ آپ نے فرمایا کہ دفع بلا کے لئے دعا پڑھی ہے، بادشاہ کا دل حضرت سید کی باتوں سے نرم پڑ گیا اور انتہائی تعظیم وتوقیر کے ساتھ رخصت کیا۔

عمر گرامی سو سال سے زائد ہوئی۔ بروز جمعہ دس ربیع الاول ۱۰۲۷ھ میں

آرام گاہ آخرت کو جابسایا۔ مزار مبارک بھتہ میں ہے، عرس شریف میں بڑا مجمع لگتا ہے۔

مخدوم تاج معین الدین قدس سرہ

اب اصل مقصد پر آ گیا، حضرت شیخ محمد قدس سرہٗ کے انتقال کے بعد آں جناب کے فرزند ارجمند مخدوم تاج معین الدین قدس سرہٗ نے مسند ارشاد کو زیب و زینت بخشی۔ معرفت کے بے شمار مقامات سے گزر کر مرتبۂ احدیت کے عظیم روح پیما اور کمال سبک روحی سے فرشتوں کے مقام سے آگے بڑھ جانے والے اور شیوۂ تقویٰ میں کامل معیار رکھنے والے بزرگ ہیں۔ اسمائے الٰہی کی دعاؤں میں یکتائے زمانہ تھے، جب انہوں نے ملک جاودانی کا راستہ لیا تو اس آسمان کے درخشندہ ستارے شاہ امام الدین قدس سرہٗ اپنے آبائے کرام کی گدی پر جلوہ فگن ہوئے۔ انہوں نے اپنی گراں قدر عمر کا زیادہ تر حصہ اللہ کی یاد اور دوستوں کو یادالٰہی کی تلقین میں صرف کیا۔

۱۱۰۰ھ کے بعد بارہویں صدی ہجری کے دوسرے عشرے (۱۱۱۱ھ تا ۱۱۲۰ھ) میں آپ کی وفات ہوئی۔ ان تمام اکابر کے مزارات مخدوم محمد رکن الدین کے مزار کے آس پاس ہیں۔

شاہ یٰسین کے حالات

شاہ یٰسین قدس سرہٗ شاہ امام الدین قدس سرہٗ کے باغیچے کے پھلدار درخت، آبائے کرام کی مسند کو نقش و نگار سے مزین کرنے والے اور اجداد کرام کے چراغوں کو روشن کرنے والے بزرگ ہیں۔ نور حقیقی ان کی پیشانی سے جھلکتا تھا، زمانہ آپ کے وجود سے شرف اندوز تھا، مزاج میں تکلف بالکل نہ تھا، سب کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے تھے، سچ تو یہ ہے کہ آپ سرتاپا اخلاق کا مجسم نمونہ اور مہربانیوں کی مکمل تصویر تھے۔ آپ کی ہمت کا جوہر نہایت بلند تھا، روزی کا

ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔ آنے جانے والے فقراء کی خبر گیری میں مشہور تھے۔ شہر اور اس کے اطراف کے بے شمار لوگوں نے آپ سے مرید ہونے کی سعادت حاصل کی۔

چار جمادی الاولیٰ اسی سال یعنی ۱۱۶۶ھ میں انتقال فرمایا اور مخدوم محمد رکن الدین قدس سرہٗ کے حریم کے باہر زینہ کے پاس مدفون ہوئے، آزاد کہتا ہے:

۱-شاہ یٰسین آیت عرفاں
از جہاں رفت آں بزرگ سرشت

۲-دوش پروانۂ درا نجمنے
گفت تاریخ شمع بزم بہشت ۱۱۶۶ھ

یعنی ۱- شاہ یٰسین جو معرفت کی نشانی اور بزرگ سرشت تھے، وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

۲-گذشتہ رات محفل میں ایک پروانہ نے ان کی تاریخ یہ کہی کہ وہ بزم بہشت کی شمع بن چکے ہیں۔

شاہ محمد کے حالات

شاہ یٰسین کے بعد ان کے جانشین شاہ محمد حافظ اپنے والد مکرم کی جگہ جلوہ افروز ہوئے۔ انہوں نے نئے سرے سے آبائے کرام کے سجادے کو رونق بخشی۔ وہ سارے فیوض کا سرچشمہ ہیں۔ اللہ جل شانہ نہ جانے کتنے دلوں کے اس چہیتے کو قیامت تک یہاں کی زینت بنا کر باحیات رکھے۔

کتاب ختم ہونے کے بعد شاہ محمد حافظ نے جن کا لقب حافظ میاں تھا ۲۸ ذی قعدہ ۱۱۷۳ھ کو انتقال فرمایا اور اپنے ہی باغیچے میں جو حیدر آباد پورہ کے متصل محلہ میدان پورہ کے اتر کی جانب ہے، مدفون ہوئے کتاب کے مؤلف (آزاد) کہتے ہیں۔

۱-وداع جہاں کرد حافظ میاں
چراغ بزرگان عرفاں سرشت

۲-شبے ہاتف غیب تاریخ او
بفرمود او شمع بزم بہشت ۱۱۷۳ھ

یعنی ۱-بزرگوں کے چراغ عرفاں سرشت حافظ محمد میاں نے دنیا نے الوداع کہا۔
۲-رات کو ہاتف غیبی نے ان کی یہ تاریخ کہی کہ وہ جنت کی محفل کی شمع ہیں۔

(۳۲) شاہ رکن الدین معروف بہ شاہ اوتاولے قدس سرہٗ

رکن الدین بن مخدوم تاج معین الدین بن مخدوم محمد بن محمد رکن الدین بلگرامی قدست اسرارہم۔ آپ مجذوبوں کے سردار ہیں۔ آپ گہرا جذب اور نفس پر مکمل قابو رکھتے تھے۔ آپ کی زبان مبارک سے جو نکلتا تھا، قضائے مبرم کا حکم رکھتا تھا۔ ہمیشہ آپ فقیرانہ گدڑی میں مستانہ وار پھرتے تھے۔ آپ سے بہت سی خوارق عادات کرامتیں ظاہر ہوئیں۔

آپ کی وفات ۱۱۰۰ھ کے بعد واقع ہوئی۔ مزار شریف مخدوم رکن الدین کے مرقد کے بیرون احاطہ دیوار شرقی سے متصل ہے۔

(۳۳) سید تاج الدین بن حجرہ نشین قدس سرہٗ

آپ بلگرام کے سادات حسینی واسطی قبیلہ پچ بھیا ساکن محلہ میدانپورہ سے ہیں، آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ سید تاج الدین حجرہ نشین بن سید طیب بن سید بدلے بن سید حسین بن سید فضل اللہ بن سید محمد بن سید فضل اللہ بن سید علاء الدین

بن سید ابراہیم بن سید ناصر بن سید مسعود بن سید سالار بن سید محمد صغریٰ قدس سرہٗ۔
آپ کی زندگی مراتب فقر میں یکتا اور ممتاز تھی۔ ہمیشہ یاد مولیٰ میں مشغول رہتے اور قدم حجرے سے باہر کم ہی نکالتے، اسی لئے آپ کو حجرہ نشین کہا جانے لگا۔

حالات

صاحب مرأۃ المبتدین رقمطراز ہیں: ''وہ ابتدا میں تعلیم میں مشغول رہتے تھے۔ کتاب مطالعہ کرنے شہر سے دور ایک باغ میں چلے جاتے، وہاں ایک فقیر بے قید (مجذوب) سے ملاقات ہوگئی، جن کا نام شیخ پیارے تھا۔ اس فقیر نے انہیں اپنی طرف مائل کرلیا، سید صاحب نے تعلیم سے کنارہ کشی کرلی اور گدڑی پوش ہوگئے۔ بہت سے لوگ ان کی متابعت میں گدڑی پوش ہوگئے، اور بظاہر ملامتی بن گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ شیخ نے ہمیں ایک ہفتہ مجاہدے میں بٹھایا اور دنیا سے بے علاقہ کردیا، میں نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ نے تنہائی کی وحشت اپنے دوستوں سے دور کردی ہے، جب یہ کلمہ (میری زبان سے) انہوں نے سنا تو فرمایا کہ تمہارا کام پورا ہوگیا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ ایک رات گرمی کے موسم میں اپنے اصحاب کے ساتھ شہر سے باہر آئے موسم بہت گرم تھا۔ دوستوں سے فرمایا: شاید اس بڑے درخت کی نوک پر کوئی ایسی ہوا ہو کہ گرمی کی سوزش ختم کردے۔ فوراً آپ اوپر اڑے اور اس درخت کی نوک پر جا پہنچے اور تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس آگئے، آپ کے اکثر اصحاب اباحتی ہوگئے تھے، اور دوستوں کی وجہ سے کئی بار کئی جگہ قید ہونا پڑا۔ قریب تھا کہ علما آپ کے قتل کا فتویٰ دے دیں۔ ایک مدت تک آپ کا حال یہی رہا لوگ آپ کے بارے میں بہت غلو کرتے تھے، عوام میں آپ کی کرامتوں کا شہرہ رہا اور خواص نے ملحد سمجھ رکھا، دھیرے دھیرے لوگوں کا شور پرسکون ہوگیا اور آپ اس حالت سے واپس آگئے، اس وقت آپ نے اس فقیر بے قید کو بہت ڈھونڈا مگر

نہیں پایا۔" (انتہیٰ کلام مرأۃ المبتدین)

سیدنا تاج الدین کی قبر شریف محلہ میدانپورہ کے شمالی باغ میں حیدر آباد کی آبادی سے متصل مزار شہداء کے پاس ہے۔

(۳۴) سید قاسم اسرار قدس سرہٗ

آپ سید تاج الدین حجرہ نشین کے مریدین اور بلگرام کے بخاری الاصل سادات سے ہیں۔ ان کا محلہ سید واڑہ کے مشرقی حصہ میں ہے۔

آپ روشن ضمیر پیر اور معرفت کے میخانہ تھے۔ طریقت کی رہنمائی اور خالص شراب (معرفت) کی گردش میں مشغول رہتے تھے، بہت سے سرمستوں کو آپ کی توجہ سے ہوش آ گیا اور خودی کے حصار سے باہر نکل آئے۔

سید تاج الدین نے فرمایا ہے:

"قاسم اسرار مرأۃ ایں ملک است" یعنی قاسم اسرار اس ملک کا آئینہ ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے: سید تاج الدین کا کلام سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی قدس سرہٗ کے کلام کی طرح ہے، جو آپ نے شیخ عثمان سراج الدین اودھی بنگالی کے بارے میں فرمایا تھا کہ "عثمان آئینہ ہندوستان است"۔ فرق یہ ہے کہ سلطان المشائخ کی زبان پر لفظ ہندوستان جاری ہوا تھا۔ ہندوستان تمام ممالک ہند کو شامل ہے، اور سید تاج الدین کی زبان پر لفظ "ایں ملک" جاری ہوا تھا، ایں ملک کا لفظ احتمال رکھتا ہے کہ اس سے مراد تمام ممالک ہند ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ مراد بعض علاقہ ہندوستان ہو۔ یہی زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ متکلم کے وطن کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ نے کلمہ "ایں" استعمال فرمایا ہیں اور "ایں" اشارہ قریب کے لئے آتا ہے۔ ظاہراً مراد ثانی ہی ہے اس لئے کہ شیخ عثمان کا سلسلہ تمام ہندوستان میں شائع ہے اور سید قاسم اسرار کا سلسلہ شائع نہیں ہے۔

سلطان المشائخ کے قول ''عثمان آئینہ ہندوستان است'' مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہندوستان میں عالم ملک الملکوت کے اسرار کا انکشاف شیخ عثمان کے مجلی و مصفی وجود سے حاصل ہوتا ہے، جیسے جام جمشید و آئینہ سکندر کہ جن سے اس عالم کے بعض اسرار منکشف ہوئے باوجودیکہ حضرت حق جلّ وعلا کی تجلیات کے لئے ہر ملک وولایت میں اولیاے کرام کے وجود سے ایک ایسا آئینہ جلوہ نما ہے کہ اپنا جمال باکمال اس آئینے سے مشاہدہ کرتا ہے اور اپنا جمال اس مظہر میں ظاہر کرتا ہے اور کشور ہندوستان میں مظہر جمالِ الٰہی شیخ عثمان کا وجود ہے۔ واللہ اعلم

صاحب مرأۃ المبتدین فرماتے ہیں:

''سید تاج الدین اکثر طالبان حق کو سید قاسم اسرار کے حوالے کر دیتے۔ جو کوئی بھی دنیا یا دین کی ضرورت پیش کرتا تو سید قاسم کی طرف اشارہ فرماتے، مرض الموت میں آپ سے فرمایا کہ تمہارا مقام کوئی مغرب کی طرف ''شمس آباد'' کی ایک بلند جگہ پر ہے، جو خدا کی طرف سے مقرر ہوا ہے۔ خوف نہ کرنا غیب سے عمارت اور توکل کا سامان فراہم ہو جائے گا۔ ان کی موت کے بعد سید قاسم اسرار اس جگہ جا کر بیٹھ گئے، اور دو تین ماہ نہ گزرے تھے کہ ایک دولتمند کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے ایک مسجد، ایک خانقاہ اور رہائش کے لئے ایک مکان، ایک روضہ اور ایک باغ وہاں بنوا دیا اور ان کے لئے وظیفہ متعین کر دیا''۔ انتہیٰ

سید العارفین میر شاہ لدھا قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ سید قاسم کی خاک مزار سے عرفان کی بو آتی ہے اور علامہ میر عبدالجلیل فرماتے تھے: سید قاسم اسرار صاحب سخن تھے، گویا سید قاسم انوار کے عکس جمال نے آپ کے احوال کی بساط پر نمایاں ہو کر آپ کو قاسم اسرار بنا دیا، مزید فرماتے تھے: ایک مرتبہ ان کا دیوان دارالحکومت آگرہ میں میں نے دیکھا تھا، لیکن بلگرام میں وہ نسخۂ دیوان موجود نہیں ہے۔

آپ کی آخری آرامگاہ شمس آباد سے ملحق توابع قنوج میں ہے۔

(۳۵) سید عمر بلگرامی قدس سرہٗ

آپ سید محمد صغریٰ کی نسل سے ہیں، سلسلۂ نسب اس طرح ہے، سید عمر بن سید بدرالدین عرف سید بدلے بن سید ابراہیم بن سید پیارہ بن سید حسن بن سید محمود عرف بدھن بن سید بڈھ بن سید جمال الدین بن سید ابراہیم بن سید ناصر بن سید مسعود بن سید سالار بن سید محمد صغریٰ قدس سرہٗ۔ سید بدرالدین عرف سید بدلے محلہ سید واڑہ کے قبائل اربعہ میں سے ایک کے جدالقبیلہ ہیں جو ۹۸۷ھ میں انتقال فرماگئے۔

سید عمر حضرت سید حسین دہلی وال بلگرامی کے تلامذۂ خاص میں ہیں۔ مدتوں آپ کی درسگاہ میں تلمذ کا شرف حاصل کرتے رہے، علوم ظاہری و باطنی کا سرمایہ حاصل کرنے کے بعد دست بیعت شیخ اللہ دیہ (خیرآبادی) کے فرزند و صاحب سجادہ شیخ ابوالفتح قدس اللہ اسرارہما کے ہاتھ میں دیا۔ پھر مدتوں شیخ کی خدمت میں رہے اور ریاضت و مجاہدات کھینچتے رہے پھر وطن مالوف لوٹ آئے اور عبادتِ الٰہی میں عمر گزاردی۔

آپ کی قبر انور موضع چاندپور شہر کے پوربی طرف ہے، جہاں آپ کے مرقد مبارک پر ایک گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔

(۳۶) سید شریف قدس سرہٗ

(مصنف مرأۃ المبتدین)

آپ خلف الصدق سید عمر بن سید بدرالدین بدلے قدس اللہ اسرارہم ہیں۔ آپ نے اپنے والد کے پاس علم کی تحصیل کی اور والد ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دست ارادت شیخ ابوالفتح قدس سرہٗ کے دامن میں دیا اور خرقۂ خلافت پہنا

اور معارف وحقائق کا کامل حصہ پایا، پھر واپسی کی اجازت لے کر وطن اصلی پہنچ کر گوشہ نشین ہو گئے، اور دل مبداء اصلی سے وابستہ کرلیا، اوقات کا بیشتر حصہ سلوک واحوال اور اقوال صوفیہ کی کتابوں کے مطالعے میں گزارا۔

نسخۂ ''مرأة المبتدین'' مشائخ ہند کے احوال کے تذکرے میں ایک مفید و متوسط کتاب تالیف فرمائی، اور تمام کلمات مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کو بھرپور کوشش سے اکٹھا کیا، اور کسر نفسی کی بناء پر کتاب کا نام ''مرأة المبتدین'' رکھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کوشش کو قبول فرمائے۔

(۴۷) سید کرم اللہ قدس سرہٗ

آپ سید محمود اکبر بلگرامی قدس سرہٗ کی نسل پاک سے ہیں جن کا ذکر ماسبق میں ہو چکا ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے: سید کرم اللہ بن سید لطف اللہ بن سید حسن بن سید نوح المعروف بسید پیارہ بن سید محمود اکبر قدس سرہٗ۔ ان میں سید حسن کا تذکرہ فضلاء کے بیان میں آئے گا۔ سید کرم اللہ اپنے زمانے کے بزرگ، اپنے وقت کی عمدہ ہستی اور اخلاق الٰہیہ سے مزین تھے۔

۱۰۵۱ھ کے آس پاس سید محمد کے اشارے پر جو ساداتِ بارہہ میں سے تھے اور شاہجہاں کے دربار میں نوکر تھے، سہارن پور کی حکومت میں مقام بوریا میں قیام کیا۔ بعد میں شہزادہ محمد شجاع بن شاہ جہاں کے دربار میں رہنے لگے۔ شہزادہ نہایت عزت و تعظیم سے پیش آتا، آخر محمد شجاع کے برہم ہوجانے کی وجہ سے بلگرام میں آکر خانہ نشیں ہو گئے، اور اوقات گرامی طاعت وریاضت میں بسر کرنے لگے۔

وفات

رجب المرجب کی بارہ تاریخ ۱۰۷۳ھ میں جہان فانی سے دل برداشتہ ہو

گئے، وصیت کے مطابق آپ کی قبر شریف زمین کے برابر کر دی گئی۔

باقیات صالحات

آپ کے آثار میں محلہ میدانپورہ کے وسط میں ایک مسجد ہے، ایک مدت کے بعد سید کرم اللہ کے خط خاص سے اس کا سال تعمیر پرانے کاغذات میں ۱۰۷۱ھ نکلا، محرر سطور نے سن یادر کھنے کے لئے اس قطعہ تاریخ کو سلک نظم میں پرو دیا ہے۔

۱- کرم اللہ سید عالی	زبدۂ دودمان آل عبا
۲- مسجدے ساخت از صفا معمور	کرد بنیاد او علی التقویٰ
۳- من بنیٰ مسجد الوجہ اللہ	کان مثواہ جنۃ الماویٰ
۴- ہاتفے گفت سال تاریخش	کرد تعمیر مسجد زیبا

۱۰۷۱ھ

یعنی، ۱-عالی سید کرم اللہ، جو آل عبا کے خاندان کا انتخاب ہیں۔
۲-انہوں نے بھرپور صفائی سے ایک مسجد بنائی، جس کی بنیاد تقویٰ پر قائم فرمائی۔
۳-حدیث پاک میں جس نے اللہ کی رضا کے لئے مسجد بنائی، اس کا ٹھکانہ جنت الماویٰ ہے۔
۴-ہاتف نے اس کے سال کی تاریخ بتائی، ’’کرد تعمیر مسجد زیبا‘‘ انہوں نے آراستہ مسجد تعمیر فرمائی۔

(۳۸) سید عبد النبی قدس سرہٗ

سید عبد النبی بن میر سید طیب بن میر عبد الواحد اکبر بلگرامی قدس اللہ اسرارہم، آپ باپ دادا کے کمالات کے وارث اور دونوں عالموں کے فضائل کے جامع تھے۔ خصوصاً فروع حنفیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، نیز ہمیشہ افادۂ قال و

افاضۂ مقال میں مشغول رہا کرتے تھے۔ آپ اپنے والد ماجد کی خدمت سے مستفید ہیں اور خلافت جناب میر سید محمد کالپوی قدس سرہٗ سے بھی حاصل تھی۔

آپ کی ملاقات سلطان اورنگ زیب۔ انار اللہ برہانہٗ۔ سے بھی ہوئی ہے۔ سلطان نے آپ کا شاندار اعزاز واکرام کیا اور لگ بھگ سو بیگہ زمین بلگرام سے متصل ضروریات زندگی میں آسانی کے لئے عنایت کی۔

آپ کی وفات سنہ ۱۰۹۴ھ میں ہے اور خوابگاہ بلگرام ہے۔ ''مرشد مجتہد زمان ۱۰۹۴ھ'' سے آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ آپ کے فرزند ارجمند میر سید مربی کا بیان انشاء اللہ اس کے بعد آئے گا۔ سید عبد الغنی کے تذکرے میں میر سید محمد کالپوی کا نام سامعہ نواز ہوا، جس کی وجہ سے مجھ متوالے پر سرخوشی کی کیفیت طاری ہوگئی ہے، کیوں کہ فقیر کا سلسلہ سید العارفین میر شاہ لدھا کے واسطے سے میر سید احمد خلف الصدق میر سید محمد قدس اللہ اسرارہم تک پہونچتا ہے۔ لامحالہ اس دودمان قدس سرہٗ کے مناقب مجملاً صفحۂ نیاز پر لکھتا ہوں اور اپنی زبان وعمل سے ان کے عظیم احسانات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

(۳۹) میر سید محمد الترمذی کالپوی قدس سرہٗ

آپ کی اصل ترمذ کے صحیح النسب سادات کرام سے ہے۔ آبائے کرام توابع لاہور مقام جالندھر میں آکر سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ آپ کے والد ماجد میر ابو سعید گردش روزگار کی وجہ سے وطن عزیز سے چلے آئے اور دار الولایۃ کالپی شریف میں رہنے لگے تھے۔

حضرت میر سید محمد قدس سرہٗ نے عنفوان شباب میں شیخ یونس۔ نور اللہ مضجعہ۔ کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کی، جو عالم باعمل اور محدث کامل تھے، آپ نے (سعد الدین) تفتازانی کی ''مطول'' تک شیخ ہی کی خدمت میں پڑھی

اور اجازت حدیث حاصل کی۔ شیخ یونس قدس سرہٗ شریعت غراء کی محافظت میں نہایت ہی کوشاں رہتے تھے، اسی لئے استاذ محترم پاسداری شریعت آپ کے مزاج وہاج میں کافی تاثیر بخش ثابت ہوئی، اور متابعت نبوی ﷺ کے نور نے سر سے پیر تک آپ کو ڈھانپ لیا، اور بعض کتب درسیہ کا تکملہ تھوڑے دنوں تک مولانا عمر جاجموی۔ روح اللہ روحہٗ۔ اور زیادہ تر جمال الاولیاء کوڑوی قدس سرہٗ کے حلقۂ درس میں پوری کی۔ فضیلت ظاہری میں بلند مرتبہ حاصل کیا، اور فاتحۂ فراغ شیخ جمال الاولیاء قدس سرہٗ سے پڑھی، اور حضرت شیخ ہی سے طریقہ عالیہ چشتیہ میں بیعت بھی ہوئے، نیز سلاسل قادریہ وسہروردیہ ومداریہ کی اجازت بھی پائی۔ حضرت شیخ نے آپ کو اپنی خاص الخاص عنایات سے نوازا اور جو امانتیں سلاسل اربعہ کے مشائخ سے آپ تک پہنچی تھیں، سب حضرت سید کے سپرد فرمائیں پھر حضرت سید حسب ارشاد شیخ قدس سرہٗ کوڑہ(۱) سے کالپی آئے اور سکونت پذیر ہوگئے، اور رب الارباب کی یاد اور اصحاب کی تلقین اپنا شیوہ بنالیا۔ چند مرتبہ آپ سفر کے لئے کالپی سے باہر بھی نکلے۔

حضرت امیر ابو العلاء قدس سرہٗ سے ملاقات

ایک مرتبہ جالندھر کا سفر اس ارادے سے اختیار فرمایا کہ وہاں پہنچ کر خاندان کی لڑکی سے نکاح کرلیں۔ جب اکبر آباد (آگرہ) پہنچے تو امیر ابو العلاء احراری سے ملاقات کی اور مجلس کے آخری حصہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ حضرت امیر کی عادت تھی کہ آپ سے اکثر ہنسی چھوٹتی تھی اور قہقہہ لگاتے تھے، حضرت سید کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ درویش اور قہقہہ! یہ کون سا دستور ہے؟ حضرت امیر ابو العلاء نے صدر مجلس سے آپ کی طرف نگاہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ مولانا روم فرماتے ہیں: ؎

(۱) کوڑہ ضلع فتحپور میں ہے ۱۲

بر بیضۂ دل باش ہاں مانند مرغ پاسباں ☆ کز بیضۂ دل زایدت مستی وشور وقہقہہ

یعنی، ہاں! بیضۂ دل کا پاسباں رہ، مرغ پاسباں کی طرح، تا کہ تیرے بیضۂ دل سے مستی، شور اور قہقہہ پیدا ہو۔

اس کے بعد آپ کی زبان مبارک سے نکلا کہ ہمارا قہقہہ اسی مقام سے ہے۔ قریب تھا کہ حضرت سید کے بدن پر کپکپی طاری ہو جائے۔ دل پر جبر کر کے شریعت کی پاسداری نبھائی اور بغیر رجوع کئے ہوئے، جالندھر کی راہ لی اور جب لوٹنے لگے تو ہر منزل پر حضرت امیر ابوالعلا کو دیکھتے تھے کہ آپ کو ایک پالکی سوار اپنی طرف کھینچ رہے ہیں، ناچار ہو کر اکبر آباد (آگرہ) پہنچے اور طریقۂ نقشبندیہ کی گزارش کی۔ حضرت امیر نے کمال توجہ سے سلسلۂ نقشبندیہ کا طریقہ تعلیم فرمایا۔ حضرت سید کالپی پہنچ کر کئی سال اسی میں مشغول رہے۔ پھر دس سال کے بعد دوبارہ حضرات میر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چار ماہ صحبت اقدس میں رہ کر فیوض وبرکات حاصل کئے۔

سفر اجمیر

آپ کے اہم سفروں میں اجمیر کا سفر بھی ہے جو خواجۂ بزرگ معین الدین قدس سرہٗ کی کشش سے درپیش آیا۔ اس سفر میں آپ کے خلف الصدق حضرت میر سید احمد قدس سرہٗ بھی آپ کی رکاب سعادت میں ساتھ تھے۔ جس روز آپ اجمیر میں وارد ہونے والے تھے، اس روز بہادر خاں کنبوہ ناظم شہر، شہر کے باہر استقبال کے لئے آیا، اور لوازم خدمات کمال نیازمندی سے بجالایا، آٹھ روز اس فردوس نظر مقام میں ٹھہرے رہے، ہر روز صبح وشام صوفیوں کے ساتھ مرقد مبارک پر حاضری وزیارت کو جاتے، اور قبر مطہر کے پاس مراقبہ میں بیٹھتے۔

صاحب ''معارج الولایت'' آپ کے بیان میں رقمطراز ہیں:

''جب آپ خواجۂ بزرگ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت آپ پر

غنودگی (یانیم بیہوشی) کی کیفیت طاری تھی۔ حضرت خواجہ نے اس وقت آپ کو دو عدد پان کے پتے عنایت فرمائے۔ جب آپ کو افاقہ ہوا تو وہ دونوں پان کے پتے آپ کے ہاتھ میں موجود تھے، آپ نے شب گزاری بھی روضۂ مبارک کے اندر کی اور خواجہ صاحب کی روح اقدس سے ملاقات فرمائی اور بہت سے انوار و برکات حاصل کئے''۔ انتہی

حضرت سید ہمیشہ دل کباب اور آنکھیں اشکبار رکھتے، ہر مجلس میں ایک یا دو رومال آنسوؤں سے تر ہو جاتے اور آخری ایام میں مسلسل چھبیس سال تک آپ روزہ دار رہے، اگر کوئی جسمانی مرض لاحق ہوتا تو دوائیں رات میں استعمال کرتے۔ اطباء بہت کہتے کہ دوا کا استعمال صبح کے وقت نفع بخش ہوتا ہے، آپ جواب دیتے: صحت و بیماری مشیت باری کے دست قدرت میں ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے صحت کا ارادہ کرلیا ہے، تو رات کے وقت بھی دوا کارگر ہوگی، پھر لذت صوم کو برباد کیوں کروں؟ اور ایام منہیہ شرعیہ میں ایک بیڑا پان کے سوا کچھ تناول نہیں فرماتے تھے۔

عادت کریمہ تھی کہ جب مجلس تلقین میں لفظ مبارک ''اللہ'' زبان سے ادا فرماتے تو پورے جذبہ وشوق کے ساتھ ادا فرماتے اور سامعین کو از خود رفتہ کر دیتے تھے، ایک روز آپ کے پانچ سالہ لڑکے کا انتقال ہوگیا تو تین روز تک اس کلمۂ شریفہ ''اللہ'' کے اظہار میں لب نہ کھولے تاکہ لڑکے کی وفات کا غم واندوہ، محبت الٰہی میں شامل نہ ہو جائے۔

قطبیت کبریٰ

حضرت سید اواخر عمر میں عیسوی المشہد ہو گئے تھے، اور قطبیت کبریٰ کے بلند مقام پر فائز تھے۔ عیسوی المشہد سے مراد یہ ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ فرما دیتے تھے۔ اسی طرح آپ بھی مردہ دلوں کو زندہ دل

فرمادیا کرتے تھے۔ حضرت شیخ کمال افسری قدس سرہٗ جو حضرت سید کے خلفائے خاص اور بزرگان دین میں ہیں اور بختاور خان نے اپنی تاریخ مرأۃ العالم (۱) میں تذکرۂ شعرا کے ضمن میں آپ کا نام لیا ہے، انہوں نے حضرت کی مدح میں مثنوی راح وریحان میں اس مقام کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے ؎

۱- دم عیسیٰ اگر احیاء گل کرد — دم جاں بخش او احیاء دل کرد

۲- بود ہر صبح روشن کار ایں دم — کز استادان ایں کار است او ہم

یعنی ۱- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مبارک پھونک نے اگر مٹی میں جان ڈالدی، تو ان کی جاں بخش پھونک نے دل کو زندگی عطا کی۔

۲- ہر روشن صبح کو یہ پھونک کام کرتی ہے کہ اس فن کے استاذوں کے دونوں کام ہیں۔

تصانیف

آپ کی گرامی تصانیف میں ''تفسیر سورۂ فاتحہ'' اور ''روائح'' عربی زبان میں اور رسالہ تحقیق روح، اسرار التوحید، ارشاد السالکین، رسالہ فناء، عقائد صوفیہ، رسالہ عمل ومعمول ہیں۔ اس کے بعد رسالۂ واردات اس وقت لکھا جب شیخ محب اللہ الہ آبادی قدس سرہٗ کے رسالہ تسویہ پر علمائے ظاہر نے ہنگامہ برپا کردیا اور سلطان اورنگ زیب۔ انار اللہ برہانہ۔ کے پاس لے گئے کہ اس رسالہ میں مخالف شریعت باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ سلطان نے حکم فرمایا کہ قلم روے بادشاہی کے تمام درویشوں کو بادشاہی لشکر گاہ میں حاضر کیا جائے اور سب کو مقالے پڑھ کر سنائے جائیں۔

رسالہ تسویہ پر علماء کا ھنگامہ اور سید کے رسالۂ واردات سے کرامت کا اظہار

(۱) کتاب مرأۃ العالم مصنفہ بختاور خاں بہت ہی کمیاب ہے اور مولوی سید حسین بلگرامی المخاطب بہ نواب عماد الملک بہادر کے کتب خانے میں موجود تھی علامہ آزاد نے اسی کا مطالعہ کیا تھا یہ کتاب اس وقت تک چھپی نہیں تھی۔ ۱۲

حضرت شیخ محمد افضل الہ آبادی کو ''رسالہ واردات'' کے بارے میں بڑی فکر لاحق ہوئی کہ حضرت سید نے غلبۂ حال میں کلکِ ارشاد سے اسے لکھا ہے، ہر چند شیخ قدس سرہٗ کا دل نہیں چاہتا تھا کہ اسے دھوئیں لیکن ان ایام میں جب کہ فتنے کی آگ بھڑکی ہوئی تھی، اس کا محفوظ رکھنا بھی مصلحت نہیں سمجھتے تھے۔ ناچار لکڑی کے بڑے برتن میں پانی بھر کر اس چار ورقی رسالے کو اس میں ڈال دیا، کیوں کہ کالپی کے کاغذ کی یہ خاصیت ہے کہ اگر پانی میں ڈال دیا جائے تو جلدی گھل جاتا ہے، اس لئے خود بخود محو ہو جائے گا، اس سے شیخ کی غرض یہ تھی کہ اپنے ہاتھ سے مٹانے کی کوشش نہیں کی (بلکہ وہ خود مٹ گیا) (رسالہ) رات بھر پانی میں پڑا رہا مگر کوئی ورق نہ خراب ہوا، نہ کوئی سطر مٹی، صبح کے وقت جب اس حال میں دیکھا تو خیال آیا کہ حضرت سید کی یہی مرضی ہے کہ یہ رسالہ باقی رہے، آپ نے اسے سکھا کر حفاظت سے رکھ دیا، شیخ محمد یحیٰی الہ آبادی قدس سرہٗ کتاب ''اعلام الانام'' میں لکھتے ہیں: میں نے اس رسالہ کو بعینہٖ حضرت سید کے دوسرے مصنفہ رسالوں کے ساتھ یکجا مجلد کر کے اپنا حرز جان وایمان بنا رکھا ہے''۔

وصال اقدس ۲۶؍شعبان بروز سہ شنبہ ۱۱۷۰ھ میں ہوا، مقدس آرام گاہ کالپی میں ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے ؎

۱- غوث عالم یگانۂ آفاق — میر سید محمد ذی شاں

۲- گفت تاریخ رحلتش آزاد — رفت قطب زمان بسوئے جناں

۱۱۷۰ھ

یعنی ۱- جہان والوں کے فریاد رس زمانے کے یکتا، میر سید محمد جو شان والے ہیں۔

۲- آزاد نے ان کے رحلت کی یہ تاریخ کہی، زمانہ کے قطب جنت کی طرف چلے گئے۔

(۴۰) میر سید احمد بن سید محمد کالپوی قدس اللہ اسرارہما

محمدی ولایت کے وارث اور احمدی پرچم کے حامل ہیں۔ آغاز شعور سے ہی لمعۂ ہدایت اور نور ولایت پیشانی ہمایوں سے دمکتا تھا، مبدأ فیاض جل شانہٗ نے جمال صورت اور کمال معنی دونوں سے خوب نوازا تھا۔ تمام صفات پسندیدہ اور خصائل محبوبہ خصوصاً سخاوت، ایثار، خلوص و مروت وغیرہ آپ کے عنصر لطیف میں ودیعت کیا تھا۔

شروع میں ظاہر علوم حاصل کرنے میں کوشش فرمائی، کچھ عرصہ والد ماجد کے پاس تحصیل علم کی پھر حسامی سے تفسیر بیضاوی تک شیخ محمد افضل الہ آبادی قدس سرہٗ کے پاس پڑھی اور دست بیعت والد ماجد کے ہاتھ میں دیا اور طریقۂ محمدیہ پر نہایت لگن اور توجہ سے کاربند رہے۔

چوبیس سال کی عمر میں والد قدس سرہٗ کی مسند پر متمکن ہوئے اور مجلس ارشاد و تلقین کی محفل گرم کی، حق تعالیٰ نے آپ کو عقیدت و شہرت کا بڑا حصہ عطا فرمایا تھا۔ اپنے مقدس آستان کو ہر شریف و رذیل کا قبلۂ حاجات بنادیا تھا، اس کے باوجود آپ کا کوئی وقت فقر وانکسار سے خالی نہیں گزرتا تھا۔ آفتاب عالمتاب کی طرح آپ کی توجہ و التفات کی کرنیں سب پر یکساں پڑتی تھیں، والد آپ پر غایت درجہ عنایت فرماتے تھے کہتے تھے ''محمد و احمد یکے ست'' (محمد اور احمد دونوں ایک ہی ہیں)''۔

خواجہ اعظم کا سید کے سر پر دستار باندھنا

جس روز خواجہ بزرگ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے مزار فائض الانوار سے رخصت ہوئے تو فرمارہے تھے کہ حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے ہمیں رخصت کیا اور دستار سید احمد کے سر پر باندھی اور فرمایا کہ ''ایں مجلس چشت را گرم می سازد''

(یہ لڑکا مجلس چشتیہ کو گرم کرے گا) بس یہی وجہ ہے کہ آپ سماع کے نہایت شائق تھے اور حضرت والد اقدس کے احتراز کے باوجود ان کے حین حیات میں بھی سماع وسرود میں علانیہ مشغولیت رکھتے، پھر والد کے انتقال کے بعد ایام عرس میں بھی مجلس سماع آراستہ کرتے تھے، شیخ محمد افضل اللہ آبادی قدس سرۂ نے یہ خبر سن کر نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کر دیا کہ اب تو ایام عرس میں میرا آنا محال ہو گیا، کیوں کہ یاروں کی موافقت مجھ سے نہیں ہوسکتی مگر یاروں کے خلاف کچھ کر بھی نہیں سکتا، حضرت سید قدس سرۂ نے دو خطوط یکے بعد دیگرے لکھے اور نہایت تاکید سے بلایا، شیخ محمد افضل آخری خط کے آنے پر کالپی تشریف لائے، حضرت کے آنے پر سرود موقوف کر دیا لیکن تین روز تک کھانا نہیں تناول فرمایا۔ ان دنوں جب بھی شیخ سے ملاقات کرتے تو ناصحین کی اور حضرت والد قدس سرۂ کے مریدین کی، جو باب سماع میں ملامت کا ہنگامہ برپا کئے ہوئے تھے، شکایت کرتے۔ آخر کار تیسرے روز بھی شکایت کی، (اور سماع کی خواہش ظاہر کی) شیخ نے تسلی کے لئے بہت سے الفاظ کہے، یہاں تک نماز عصر کا وقت آ گیا۔ نماز ادا کرنے کے بعد پھر وہی گفتگو شروع کر دی اور نماز مغرب کے بعد بھی یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوا، شیخ نے اس کا علاج یہی دیکھا کہ (قوالوں کو بلایا جائے) پوچھا قوال کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا ہم حاضر ہیں۔ فرمایا تم سب اپنے کام میں مشغول کیوں نہیں ہوتے؟ قوال اجازت پاکر سرگرم سرود ہو گئے اور حضرت سید کا دل شاد ہو گیا۔ عرض کیا میاں جیو! میں بھی گاؤں گا پھر رومال اور تسبیح ہاتھ میں لیکر کھڑے ہوئے لفظ مبارک اللہ زبان سے ادا فرمایا۔ حاضرین پر عجیب اثر ہوا اور ایک جماعت تو بیخود ہو گئی، حضرت شیخ قوالوں کو اجازت دے کر خود مجلس سے باہر آ گئے تھے۔

سید کی توجہ اور کرامت

جاننا چاہئے کہ حضرت میر سید احمد قدس سرہٗ بچپن سے ہی حضرت شیخ محمد افضل الہ آبادی کو میاں جیو کہتے تھے، حضرت سید کی توجہ کی قوت تاثیر دوپہر کے سورج کی طرح مشہور تھی۔ جس کسی منکر و معتقد پر توجہ کرتے، وہ فی الفور مست و بیخود ہو جاتا۔

ایک شخص حضرت کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میرے دل کی سختی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ میرے ماں باپ بیوی، بچے سب انتقال کر گئے، لیکن مجھے رونا نہیں آیا، لوگوں نے مجھے بتایا ہے کہ آپ گریہ طاری کر سکتے ہیں، آپ مجھ پر بھی توجہ فرمایئے! حضرت نے دونوں ہاتھوں سے اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی کے ساتھ پکڑ کر انہیں حرکت دینے لگے اور تین بار مکمل بے خودی کے انداز میں فرمایا کیا تو نہیں روئے گا؟ اور تیسری بار چھوڑ دیا۔ وہ شخص زمین پر گرا اور ہائے ہائے کرتے زار زار رونے لگا، کافی دیر بعد افاقہ ہوا، فوراً آپ کا مرید ہو گیا۔

آپ کا ایک مخلص مرید تھا، اس نے کپڑے سلوا کر آپ کی نذر کیا اور عاجزانہ عرض کرنے لگا کہ حضور یہ لباس زیب تن فرمالیں، بڑی نوازش ہوگی۔ آپ وہی کپڑے پہن کر جمعہ کی نماز پڑھنے چلے گئے۔ نماز پوری ہونے کے بعد ایک شخص نے جسے تشرع کا دعویٰ تھا، آستین کی لمبائی پر اعتراض کیا۔ آپ نے اسکی آستین اپنے ہاتھ سے پکڑی اور اپنی آستین اسکے ہاتھ میں دی، اس شخص کی آستین اتنی لمبی ہوگئی کہ وہ شخص شرمندہ ہوا اور آپ کی آستین گٹوں تک رہ گئی۔

''طبقات شعرانی'' میں یہ روایت موجود ہے: "كان علي رضي الله تعالىٰ عنه يقطع منكم قميصه مازاد علىٰ رؤس الا صابع و كذلك عمر رضي الله تعالىٰ عنه "۔ یعنی سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کی آستین کا وہ حصہ جو انگلیوں کے سرے سے زیادہ ہوتا اسے کاٹ دیتے تھے، اور اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرتے تھے۔

اورنگ زیب کے فرمان کی موقوفی

جس وقت سلطان اورنگ زیب۔ انار اللہ برہانہ۔ نے رسالہ ''تسویہ'' کی وجہ سے ممالک متعلقہ کے تمام درویشوں کی حضور خلافت میں طلبی کا فرمان جاری کیا تھا، بلاد ہندوستان کے تمام فقراء کے اسمائے گرامی پیش کئے گئے۔ بادشاہ نے دیکھا کہ میر سید احمد کا نام بھی لکھا ہوا ہے، تو بادشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے آپ کے نام کے آگے لکھا ''برحمت حق پیوست'' کیوں کہ اس وقت آپکا وصال ہو چکا تھا، بادشاہ کو اس کی اطلاع مل چکی تھی مگر کاتب کو اطلاع نہ تھی پھر شیخ محمد افضل الہ آبادی کا نام بھی فہرست میں شامل تھا۔ بادشاہ نے ان کے نام پر بھی دائرہ کھینچ دیا اور حاجی محمد ولی کے نام پر یہ عبارت لکھی کہ ''ایں برادر طریقت شیخ محمد افضل است ایں خاندان تقوی است اینہا از وسوسہ سوء العقیدہ مبرا اند'' یعنی یہ شیخ افضل کے برادر طریقت ہیں۔ یہ پرہیزگاروں کا خاندان ہے، یہ حضرات غلط عقائد کے وسوسے سے محفوظ ہیں، پھر آخر کار درویشوں کی طلبی ہی موقوف ہوگئی۔

حضرت سید احمد قدس سرہٗ اپنے والد ماجد کی سنت پر چلتے ہوئے ایک مرتبہ اجمیر شریف کی زیارت کو بھی گئے اور خواجۂ بزرگ قدس سرہٗ کے فیوض و برکات روحانیہ سے اقتباس بھی کیا ہے۔ حضرت کا وصال ۱۹ر ویں صفر ۱۰۸۴ھ ہے، آرامگاہ کالپی شریف میں ہے۔

شاہ فضل اللہ کی فضیلت

آپ کے تین صاحبزادے شاہ فضل اللہ، سید سلطان مقصود اور سید سلطان مسعود ہیں، لیکن سب سے زیادہ سید شاہ فضل اللہ دانش ظاہری و باطنی کے جامع تھے، پدر بزرگوار و جد مکرم کی روش پر آپ ہی کا قدم راسخ تھا شیخ محمد افضل الہ آبادی فرماتے ہیں۔

عمان فضل سید فضل اللہ آنکہ ہست ☆ بر شان فقرش از عملی و علم دو گواہ

یعنی فضل کا سمندر سید فضل اللہ ہیں جن کی شان فقر پر علم و عمل کے دو گواہ موجود ہیں۔

آپ کا مقدس خمیر ہی ولایت کا مجسم تھا اور ذوق و شوق ظاہر بدن سے ٹپکتا تھا۔ جود و کرم وغیرہ تمام صفات پسندیدہ بدرجہ اتم آپ میں موجود تھیں۔ ایک بار سخت قحط سالی آ گئی، بڑھتے بڑھتے کئی سال تک رہی اور ایک جہاں کو ہلاک کر ڈالا، حضرت رات و دن میں ایک بار سوائے تھوڑی غذا کے جس سے کہ سانس جاری رہ سکے، کچھ نہ کھاتے اور حتی المقدور محتاجوں کو خیرات بھی فرماتے تھے۔ ۱۴/ ذی الحجہ ۱۱۱۱ھ میں ملک قدس جا بسے۔

فرزند سلطان ابوسعید

آپ کے فرزند و جانشین سلطان ابوسعید قدس سرہٗ ولی کامل تھے۔ ہر وقت حضوری اور ذوق و سرود میں رہتے تھے۔ جس وقت شاہ فضل اللہ قدس سرہٗ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی، آپ کے خلف الصدق حضرت سلطان ابوسعید اور آپ کے بھائی سید سلطان مقصود دونوں نے سید العارفین میر شاہ لدھا بلگرامی کو نامہ طلبی بھیجا۔ سید العارفین صاحبزادوں کے بلاوے پر کالپی پہنچے، نیز اس خاندان کے سبھی خلفاء بھی پہنچے، جیسے شیخ محمد افضل الہ آبادی، شیخ عبدالحکیم موہانی وغیرہ، پھر سجادہ نشینی کے لئے اختلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ سب کا اتفاق اس پر تھا کہ صاحب سجادہ میر سید سلطان مقصود کو مقرر کیا جائے، کیوں کہ یہ سید احمد کے لڑکے ہیں اور سلطان ابوسعید پوتے ٹھہرے، نیز سید سلطان مقصود صاحب علم و فضل اور خاندان میں معمر بھی ہیں سید العارفین نے فرمایا ایسا خیال درست نہیں ہے۔ باپ کی سجادہ نشینی کا حق بیٹے کو پہنچتا ہے، پھر یہ کہ علم ظاہر پر علم باطن کا مدار نہیں ہے کیوں کہ اس کا تعلق زبان سے ہے اور اس کا تعلق دل سے ہے۔ انشاء اللہ آبائے کرام کی برکت سے یہ بھی خاندان کے سربراہ اور قبلۂ عالم ہوں گے۔

سید العارفین کی کرامت

اس کے بعد سید العارفین کو سلطان مقصود نے خلوت میں بلایا اور از روئے عنایت فرمایا کہ آپ (میرے لئے) سید احمد کی جگہ ہیں، اگر باپ کا حق صاجزادے کو پہنچتا ہے تو سید محمد کی دستار میرے سر پر باندھی جائے اور شاہ فضل اللہ کی دستار سلطان ابوسعید کے سر پر باندھی جائے، سید العارفین نے عرض کیا کہ حضرت میر سید محمد نے کس کی دستار اپنے سر باندھی تھی، حق تعالیٰ نے آپ کو علم و فضل کا شرف عطا فرمایا ہے۔ آپ ایسا کریں کہ دوسرے لوگ آپ کی دستار اپنے سر پر باندھیں، نہ یہ کہ آپ دوسروں کے محتاج ہوں اور دوسروں کا حق مستعار لیں۔ القصہ سید العارفین کی کوششوں سے صاحب سجادگی سلطان ابوسعید کو پہنچی اور بہت جلد سید العارفین کی کرامت ظہور میں آئی کہ تھوڑی ہی مدت میں بحکم قضا وقدر سید سلطان مقصود کی نسل ختم ہوگئی۔ ان کے ایک صاجزادے سلطان محمد اعظم نام کے تھے، ایام جوانی میں جہاں فانی کو چھوڑ گئے، اور ان کے بھی ایک صاجزادے ہوئے، جو بچپن ہی میں کنار لحد محو خواب ہو گئے، پیچھے کوئی اولاد نہ رہی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون ہم اللہ کے مال ہیں ہم کو اسی کی طرف پھرنا۔

(کنزالایمان ع ۳ر پ ۲ر)

سلطان ابوسعید کالپوی کی بلگرام تشریف آوری اور مجاہدہ

سلطان ابوسعید قدس سرہٗ ۱۰۳۶ھ میں سید العارفین قدس سرہٗ کی ملاقات کے لئے بلگرام تشریف لائے اور اپنے ارادتمندوں کے ایک جم غفیر کو خورشید جمال اقدس سے نورانی فرمایا۔ آپ اکثر معانیٔ معرفت کو شعر کے لباس میں ادا فرماتے رہتے اور عرفان تخلص فرماتے تھے۔ آپ کے نتیجہ افکار سے یہ ہے۔

دیروز کہ دل رفت زکاشانۂ ما ☆ لیلیٰ گویاں بروں شد از خانۂ ما

امروز شنیدم انا لیلیٰ می گفت ☆ گلبانگ دگر شنوز دیوانۂ ما

یعنی کل جب ہمارے خانۂ جسم سے دل نکلا تو ایسا محسوس ہوا کہ ہمارے خانۂ جسم

سے لیلیٰ باہر گئی ہو، اور آج میں نے سنا کہ وہ دل کہہ رہا تھا کہ میں لیلیٰ ہوں تو ہمارے عاشق سے ایک اور خوبصورت کلام سماعت کرو

آپ کا وصال ۱۱۴۷ھ میں واقع ہوا۔ محرر اوراق کہتا ہے۔

آں شاہ ابوسعید قطب عرفاں ☆ شد منزل آں سید اکمل فردوس
دریاب کہ از آیت قرآن مجید ☆ تاریخ نوشتم، یرثون الفردوس
(۱۱۴۷ھ)

(کہ فردوس کی میراث پائیں گے) (کنزالایمان ع ا رپ ۱۸)

یعنی قطب عرفاں شاہ ابوسعید جن کی منزل جنۃ الفردوس ہوئی غور کرو کہ قرآن کریم کی آیت سے میں نے تاریخ لکھی، یعنی وہ فردوس کے وارث ہوئے۔

سید احمد سعید کی سجادگی

آپ کے فرزند ارجمند سید احمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ آجکل سجادۂ آبائے کرام کی زینت دوبالا کئے ہوئے ہیں اور بادیۂ عزم کے سرفروشوں کے لئے خضر راہ بنے ہوئے ہیں۔ فقیر جب حجاز مقدس کے ارادے سے بلگرام سے باہر نکلا تو دریائے جمنا پار کر کے اس طرف موضع چورا پہنچا، وہیں آپ کی ہمنشینی کا موقع ملا۔

سید سلطان مقصود کے احوال

البتہ میر سید احمد قدس سرہ کے دوسرے صاحبزادے سید سلطان مقصود اول تو مدتوں تحصیل علم میں مشغول رہے اور سید سعد اللہ بن سید مرتضیٰ بلگرامی جن کا تذکرہ آگے آئے گا، کی خدمت میں اکثر فنون درسیہ حاصل کئے۔ جس وقت بلگرام میں مقیم تھے، ہر روز سید العارفین قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور طریقۂ احمدیہ کے بعض اشغال کی تعلیم و تلقین بھی حاصل کرتے رہتے۔ فراغت کے بعد کالپی واپس تشریف لے گئے اور تمام کتب متداولہ کے اسباق پوری محنت سے پڑھاتے رہے۔ اکثر کتب درسی پر قلمی حاشیئے بھی لکھے نیز شرح ہدایت

الحکمۃ، میبذی، شرح قصیدۂ بردہ قاضی شہاب الدین ملک العلماء پر مدوّن حواشی تعلیق فرمائے، لیکن اجل نے اتنی فرصت نہ دی کہ ان حواشی متفرقہ کی شیرازہ بندی کرتے۔ اکثر مسودے پس ماندگان کی بے توجہی سے ضائع ہو گئے۔ آپ کا انتقال صفر ۱۱۲۳ھ میں واقع ہوا۔

سید سلطان مسعود کے احوال

میر سید احمد کے تیسرے صاحبزادے سلطان مسعود مشہور بہ میاں صاحب قدس اللہ اسرارہما کی ولادت ۱۰۸۲ھ میں ہوئی۔ لفظ ''نیک بخت'' جو مسعود کا ترجمہ ہے، آپ کی تاریخ پیدائش ہے۔ آپ دو سال کے ہی تھے کہ حضرت والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ آنجناب نے سن تمیز کو پہنچنے کے بعد پدر بزرگوار کے بہت سے خلفاء و مریدوں کا زمانہ پایا جیسے شیخ محمد افضل الہ آبادی، شیخ عبدالحکیم موہانی، سید العارفین میر شاہ لدھا بلگرامی وغیرہ۔ اجازت ارشاد شیخ محمد افضل الہ آبادی سے حاصل کی، جب آپ کے برادر اکبر شاہ فضل اللہ قدس سرہٗ نے رحلت فرمائی تو کالپی سے چلے آئے اور سکندرہ جو کالپی سے ایک منزل پر ہے اور دریائے جمنا کے اس پار ہے، سکونت پذیر ہو گئے۔ مدۃ العمر طالبوں کو حق کی طرف دعوت دیتے رہے، ۱۱۵۴ھ میں داعئ اجل کو لبیک کہا۔

علامہ آزاد کی سلطان مسعود سے ملاقات

فقیر نے ان کی دو بار زیارت کی ہے، اور ان کی بہشتی محفل سے گاہائے فیض چنے ہیں۔ پہلی بار مکن پور میں جب آپ شاہ بدیع الدین مدار قدس سرہٗ کے عرس کی تقریب میں وہاں تشریف لائے ہوئے تھے اور فقیر بھی مزار فائض الانوار کی زیارت کے لئے وارد ہوا تھا۔ یہ ملاقات جمادی الاولیٰ ۱۱۴۲ھ میں ہوئی تھی۔ دوسری ملاقات سکندرہ میں ہی ہوئی تھی، جب فقیر سندھ سے سفر کر کے واپس آرہا تھا۔ یہ ملاقات شعبان ۱۱۴۷ھ میں ہوئی تھی۔

(۴۱) شیخ عبدالحفیظ فرشوری بلگرامی

بلگرام کے متولی قبیلوں میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتے ہیں۔ آغاز شباب میں وطن مالوف سے خدا طلبی کا درد لئے ہوئے نکلے اور کالپی میں میر سید محمد کالپوی کے آستانہ سنیت سے منسلک ہو گئے۔ حضرت قدس سرۂ کے انتقال سے چار ماہ قبل شرف ارادت سے مشرف ہوئے آپ نے اپنے اکثر اوقات شیخ عبدالحکیم موہانی کی صحبت میں گذارے اور فوائد حاصل کئے، شیخ عبدالحکیم موہانی میر سید محمد کالپوی کے خلفائے کاملین میں تھے، ۲۷/ذی الحجہ ۱۱۲۵ھ میں موہان میں انتقال فرمایا۔

میر سید سے ارادت و خلافت

شیخ عبدالحفیظ اگرچہ میر سید محمد کے مرید تھے لیکن آپ نے زیادہ تر میر سید احمد قدس سرۂ کے ناصیۂ ولایت کے بیاض سے نعمت حاصل کی اور خلافت و اجازت کا تمغہ بھی پایا۔ اجازت نامہ کا نسخہ جو آنحضرت نے اپنے دست خاص سے املا فرمایا تھا، یہ ہے: ''چوں فقیر حقیر احمد بن محمد مشیخت پناہ حقائق آگاہ شیخ عبد الحفیظ را دید کہ بہ جمیع وجوہ آراستہ است و بہ شریعت غراء پیراستہ بعد از اتمام مومی، الیہ سلوک طریقت اجازت داد کہ ہر کہ خواہد کہ تو بہ نماید یا طریق حق خواہد و بہ آں مشیخت پناہ رجوع آرد، بے تامل و بے درنگی اجراء نفع نماید، چنانچہ برایں معنیٰ عارف شیراز اشارت نمود ؎

اگر شراب خوری جرعۂ فشاں برخاک ☆ دراں گناہ کہ نفعے رسد بہ غیر چہ باک

خداوند سبحانہٗ مشار الیہ را مقبول خویش و مقبول خلق گرداند بالنون والصاد''۔ انتہی

یعنی جب فقیر حقیر احمد بن محمد نے حضرت حق آگاہ شیخ عبدالحفیظ کو دیکھا کہ آپ سلوک و تصوف کے تمام امور سے آراستہ اور شریعت بیضاء پر کاربند رہیں تو سلوک طریقت کی تمام ضروریات کی تکمیل کے بعد اجازت مرحمت عطا فرمائی کہ

جو چاہے ان کے ہاتھ پر توبہ کرے یا صراط مستقیم طلب کرے اور اس بارگاہ جہاں پناہ میں جو حاضر ہو تو وہ یقیناً کثیر نفع حاصل کرے گا، اسی معنیٰ کی طرف حافظ شیرازی نے اشارہ فرمایا ہے۔

کہ اگر تم شراب نوش کرو تو کچھ شراب زمین پر ڈال دیا کرو، کہ ایسا گناہ جس کے کرنے پر غیر کو نفع حاصل ہو، اس کے کرنے میں پش وپیش کیا۔ خدائے تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے موصوف کو اپنا اور مخلوق کا مقبول بنائے۔

(۴۲) سید درگاہی بلگرامی قدس سرہٗ

سید درگاہی بن سید عبدالخیر المعروف بہ سید گھاسی بن سید درویش بن سید حاتم بن سید بدرالدین عرف سید بدلے قبائل اربعہ محلّہ سید واڑہ سے ایک کے جداعلیٰ ہیں۔

ابتدائے حال میں طلب علم میں قدم رکھا اور بلگرام کے اطراف کے قصبوں کا دورہ کر کے علمائے عصر کے پاس درسی کتابیں بالترتیب پڑھیں پھر قاضی علیم اللہ کچندوی کی خدمت میں فاتحہ فراغت پڑھی۔

اس کے بعد مراتب قال سے منازل حال طے کرنے کی سمت توجہ فرمائی۔ شیخ عبدالرسول کے پاس، جو قاضی علیم اللہ کے حقیقی چچا اور شاہ مجا ساکن لاہرپور (۱) توابع خیرآباد کے مرید وخلیفہ تھے، دست ارادت دیا اور باطنی تربیت حاصل کی۔ اس کے بعد وطن عزیز کا رخ کیا اور تادم واپسیں درس کتب ومشغلۂ یاد الٰہی میں عمر بسر کی اور بارہویں صدی کی دوسری دہائی میں امکان کی تنگیوں سے وسعت کدۂ لامکاں کی سیر کو چلے گئے۔ آرام گاہ آپ کی بلگرام ہے۔

(۱) آج کل لہرپور بولا جاتا ہے اور یہ قصبہ ضلع سیتاپور میں واقع ہے۔

(۴۳) میر سید مبارک محدث بلگرامی قدس سرہٗ

آپ صحیح الاصول والفروع تھے، احیائے سنت وازالۂ بدعت کا ڈنکا بجاتے رہے، علوم ظاہری وباطنی میں یکتا، تقویٰ طہارت میں ممتاز زمانہ رہ کر زندگی گزاری۔ آپ کا نسب اس طرح ہے۔ سید مبارک بن سید فخر الدین بن سید بہار بن سید پیارہ بن سید بدر الدین۔ آپ کی ولادت ۶ رشعبان المکرم ۱۰۳۳ھ میں ہوئی، آغاز شباب میں تحصیل علم کی جانب توجہ کی اور ابتدا تا انتہا سارے علوم باریکی اور استحکام کے ساتھ حاصل کئے، ابتدائی کتابیں میر سید طیب بن میر عبدالواحد قدس اللہ اسرارہما اور دوسرے فضلائے بلگرام وعلمائے اطراف سے پڑھیں۔

۱۰۶۱ھ میں اکتساب علم کے ارادے سے دہلی تشریف لے گئے اور وہیں پر مطول تفتازانی، خواجہ عبداللہ مشہور بہ خواجہ خورد بن خواجہ باقی باللہ نقشبندی قدس سرہٗ کی خدمت میں رہ کر پڑھی نیز اول تا آخر جب تک دہلی میں رہے، شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس اللہ اسرارہما کے مکان میں سکونت پذیر رہے ،اور آنجناب سے ہی علم حدیث بھی حاصل کیا۔ اس فن اشرف میں مہارت تامہ حاصل کر کے پوری عمر خدمت حدیث میں گزار دی۔ اسی لئے محدث کے لقب سے مشہور ہوئے ، میں نے اسی وجہ سے انہیں ''قطب المحدثین'' کے لقب سے اس کتاب میں یاد کیا ہے۔

ساتویں رجب المرجب ۱۰۶۵ھ میں شیخ نور الحق کی خدمت میں فراغت حاصل کی ،اور دہلی ہی میں میر سید عبدالفتاح عسکری احمد آبادی کے ہاتھ پر یکشنبہ ۱۴ رشوال ۱۰۶۷ھ میں سلسلۂ عالیہ قادریہ میں مرید ہوئے۔ ان تمام پاکیزہ صلاحیتوں کے جمع کرنے کے بعد وطن عزیز کو مراجعت فرمائی اور مسند توکل وقضاء پر متمکن ہو کر بقیہ عمر مبارک تدریس علوم خصوصاً درس حدیث اور ریاضت و

ذکر مولیٰ میں بسر فرمائی۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر سختی سے کاربند تھے۔ مجال نہ تھی جو کوئی حضور اقدس میں شرع متین سے سرمو تجاوز کرتا۔ آپ کے بعض فرزند آپ کی حیات شریفہ ہی میں انتقال فرما گئے لیکن اصلاً آپ نے خلاف شریعت رسوم تعزیت کا ارتکاب نہ کیا۔

ایک بار غیرت خاں حاکم لکھنؤ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کا پائجامہ ضرورت سے زیادہ لمبا شکن دار، غیر شرعی تھا۔ میر صاحب نے اعتراض کیا، غیرت خاں نے میر صاحب کا احتساب (شرعی) قبول کرلیا اور فوراً پائجامہ کے زائد حصے کو اپنے ہاتھ سے کاٹ دیا۔

میر صاحب بہت ہی نازک طبع، نکتہ سنج ولطیفہ گو تھے، مگر اس کے باوجود ایسے پرہیبت وپرشکوہ تھے کہ آپ کی بارگاہ میں لوگوں کا زہرہ آب تھا۔ بہت ہی صفائی، پاکیزگی اور نزاکت کے ساتھ رہتے تھے۔ خاص نشستگاہ اور مسجد کا بیرونی صحن اس طرح صاف ستھرا رکھتے کہ اہل دل کا سینۂ صافی اور اہل نظر کا دیدۂ پاک کہہ سکتے ہیں، گویا راقم الحروف نے یہ شعر میر ہی کی زبان سے کہا ہو۔

حباب خوش منشم می زیم بہ وضع صفا ☆ ز آب صاف بنا کردہ اند منزل من

میں تو ایک خوش خصال خباب ہوں جو شفافی کے ساتھ زندگی گزارتا ہے اور اس کی قیام گاہ صاف ستھرے پانی سے تیار کی جاتی ہے۔

ایک دلچسپ واقعہ

استاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ میں ایک روز میر صاحب کی خدمت میں موجود تھا۔ آپ وضو کے ارادے سے کھڑے ہوئے تھے کہ اچانک زمین پر گر پڑے۔ دوڑ کر میں نزدیک پہنچا۔ تھوڑی دیر بعد افاقہ ہوا تو میں نے حالت پوچھی، بہت اصرار کرنے پر فرمایا کہ تین روز سے مطلقاً کوئی غذا میسر نہ ہوئی۔ ان تین دنوں میں نہ آپ نے کسی سے لب اظہار کھولا، نہ ہی کسی

سے قرض لیا۔ میرا دل بھر آیا اور فوراً وہاں سے اپنے مکان کی طرف دوڑا اور شیریں غذا جو آپ کو پسند تھی لا کر حاضر کر دیا۔ پہلے تو آپ نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور دعائیں دیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک بات کہوں اگر تمہیں بار خاطر نہ ہو، میں نے عرض کیا، حضرت فرمائیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اسے اصطلاح فقراء میں طعام اسراف کہتے ہیں، ہر چند فقہاء کے نزدیک یہ کھانا جائز ہے، بلکہ شریعت میں تین روز کے بعد تو مردار بھی حلال ہے لیکن فقراء کی طریقت میں طعام اسراف کا کھانا جائز نہیں۔ جب میں نے یہ بات سنی تو بے چون و چرا اٹھ کر کھڑا ہوا اور کھانا لے کر باہر آ گیا اور باہر ہی تھوڑی دیر ٹھہرا رہا پھر کھانا لے کر حاضر ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ جب میں کھانا لے کر واپس چلا گیا تھا تو کیا حضرت کو توقع تھی کہ میں کھانا واپس لاؤں گا؟ فرمایا نہیں! میں نے کہا اب جب کہ حضرت کی توقع کے خلاف یہ کھانا واپس لایا ہوں تو طعام اسراف نہ رہا، میر صاحب یہ تاویل سن کر بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ تم نے خوب فراست کا ثبوت دیا۔ اس کے بعد آپ نے نہایت رغبت سے کھانا تناول فرمایا۔

کرامت بہ متعلق وصال

استاذ المحققین یہ بھی فرماتے تھے کہ جب علامہ مرحوم میر عبد الجلیل بلگرامی سلطان اورنگ زیب۔ انار اللہ برہانہ۔ کی طرف سے گجرات شاہ ددولا کی بخشی گری و وقائع نگاری کی خدمت پر مامور ہوئے تو دکن سے بلگرام تشریف لائے پھر بلگرام سے گجرات جانے کا ارادہ کیا تو مجھے اپنی ہمراہی میں رہنے کا حکم فرمایا۔ میں نے قبول کر لیا اور حضرت میر (سید مبارک) سے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ فرمایا کہ میری عمر اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے، میری خواہش ہے کہ مجھ سے جدا نہ ہو اور میرے جنازے پر حاضر رہو مجھے تامل ہوا کیوں کہ علامہ مرحوم کی رفاقت ضروری تھی، حضرت میر مراقبے میں چلے گئے اور کچھ کچھ دیر کے بعد سر اٹھایا اور بولے کہ

جائیے، امید ہے کہ پھر ایک بار ہماری ملاقات ہوگی۔ آخرایسا ہی ہوا کہ جس سال میر صاحب کا انتقال ہوا، علامہ مرحوم نے ایک ضرورت کے تحت مجھے گجرات سے بلگرام روانہ کیا۔ بلگرام پہنچنے کے بعد تھوڑی ہی مدت میں میر صاحب اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور مجھے جنازہ کی نماز پڑھانے کی وصیت کی۔

تعجب خیز کرامت

ملک بدھی بلگرامی ساکن محلہ ملکنٹھ حضرت میر کے معتقدین میں سے تھے اور اکثر اوقات حاضر خدمت رہا کرتے تھے۔ ایک روز فرمایا کہ فلاں ہمیشہ میرے پاس حاضر رہتا ہے مگر میرے جنازے پر حاضر نہیں ہوگا۔ جب میر صاحب کو مرض الموت لاحق ہوا تو ملک بدھی رات دن حاضر رہتے۔ اتفاق سے ان ایام میں میر صاحب کے متعلقین تنگدستی میں بسر کر رہے تھے اور عین روز وفات متعلقان میر کے لئے روزی حاصل کرنے کی فکر میں دیہات کی طرف گئے اوران کے جانے کے بعد ہی آپ کی وفات ہوگئی، اور لوگ قبر کی مٹی برابر کر رہے تھے کہ ملک بدھی پہنچے اور حسرت سے خاک سر پر ڈالنے لگے۔

جدید رہائش گاہ کی تعمیر

نواب مکرم خاں بن نواب شیخ میر عالمگیری میر صاحب کے بہت ہی معتقد تھے اور مناسب خدمات پیش کرتے رہتے تھے۔

میر صاحب نے محلہ سید واڑہ اور اپنے قبیلے سے نکل کر شہر کے پوربی طرف ایک میدان میں اقامت اختیار فرمائی، اور رعایا آباد کئے اور ایک مسجد اور رہنے کے لئے مکانات تعمیر کرائے نیز آبادی کے گرد ایک مضبوط چہار دیواری اینٹ اور چونے سے کھنچوادی تا کہ چوروں اور جنگلی جانوروں سے محفوظ رہیں، اور بیشتر قوم حائک (جولاہا) کو آباد کیا (یہ سوچ کر) کہ یہ لوگ زیادہ دیندار اور نمازی ہوتے ہیں، اور اعلان کر دیا کہ مسلمان رعایا پانچوں وقت مسجد میں حاضر ہوں اور

جماعت سے نماز پڑھیں۔

ایک جولاہا نے عذر کیا۔ میر صاحب نے وجہ پوچھی، اس نے کہا کہ جب میں نماز پڑھنے آؤں گا تو کام سے باز رہوں گا اور میری کمائی میں کمی آجائے گی۔ میر صاحب نے پوچھا کہ روزانہ نماز کے وقت کی مقدار کتنے کا نقصان ہوتا ہے، بولا ایک پیسے کا، فرمایا ایک پیسہ مجھ سے لے لیا کرو اور نماز پڑھا کرو، اس نے کہا ٹھیک ہے۔ ایک روز یہ جولاہا مسجد میں آیا اور بغیر وضو کئے نماز کے لئے کھڑا ہو گیا، میر صاحب کو وحشت ہوئی اور فرمایا کہ نماز کو بغیر طہارت کے ادا کر رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ایک پیسے میں دو کام نہیں ہو سکتے، میر صاحب کو بے اختیار ہنسی آگئی اور وضو کے لئے ایک پیسے کا اور اضافہ کر دیا، رفتہ رفتہ جولاہے کو نماز سے دلی رغبت پیدا ہو گئی، اور اجرت کا تقاضا چھوڑ دیا۔

مسجد کی تعمیر

مسجد کی عمارت میر صاحب کی حیات میں کچی تھی، اپنے انتقال سے پہلے وصیت فرمائی کہ میری کتابیں بیچ کر مسجد بنوائیں۔ جو مسجد کہ اس وقت موجود ہے میر کی وفات کے بعد سید محمد فیض بن سید محمد صادق نے۔ جن کا ذکر فضلاء میں آئے گا، انہوں نے ۱۱۱۸ھ میں تعمیر کیا۔

وصال مبارک دوشنبہ ایک پہر دن چڑھے ۲۰/ربیع الآخر کو ۱۱۱۵ء میں واقع ہوا۔ علامہ مرحوم میر عبدالجلیل بلگرامی کہتے ہیں۔

۱- مقدس گہر میر سید مبارک　　　　چو فرمود در بحر رحلت شناہ

۲- پئے رحلت آں مطہر سرشت　　　　خرد گفت تاریخ ”رضواں پناہ“

۱۱۱۵ھ

یعنی ۱- پاک موتی میر سید مبارک نے، جب رحلت کے سمندر میں شناوری کی۔

۲- تو اس پاک سرشت کے انتقال کے لئے، خرد نے رضواں پناہ تاریخ کہی۔

میر سجاد

آپ کے فرزند اور صاحب سجادہ میر سجاد علیہ الرحمہ فاضل تھے، کتب درسی والد ماجد اور میر سید طفیل محمد بلگرامی قدس اللہ اسرارہما کے پاس پڑھیں، اور نہایت اخلاق و انکسار کے ساتھ عمر بسر کرتے تھے اور عمل صالح کا بیج زندگی کی کھیتی میں بوتے تھے۔

۲۵ رمضان المبارک ۱۱۶۱ھ میں ریاض جاودانی میں آرام فرما ہوئے اور والد بزرگوار کے مرقد کے بائیں طرف بائیں دیوار سے متصل بائیں سمت مدفون ہوئے۔ محرر اوراق کہتا ہے۔

۱- آں ثمرۂ شجرۂ مبارک — از دست زمانہ حیف افتاد

۲- تاریخ وصال او خرد گفت — "مہمان بہشت میر سجاد"

۱۱۶۱ھ

۱- یعنی میر سید مبارک کے درخت کا مبارک پھل، افسوس زمانہ کے ہاتھوں سے گر پڑا۔

۲- خرد نے ان کے انتقال کی یہ تاریخ لکھی، میر سجاد بہشت کے مہمان ہو گئے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ تین عالی نسب اساتذہ کا نام سید مبارک کے ذکر میں مذکور ہوا۔ تینوں بہت عمدہ گزرے ہیں، فضائل ظاہری و باطنی میں پہلے استاذ کا ذکر گزر چکا، اور تیسرے استاذ کا ذکر فضلاء کے بیان میں آئے گا، اور دوسرے استاذ اور پیر بیعت کا ذکر یہاں بطور اجمالی تبرکاً بیان ہوتا ہے۔ خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ کے دو عالی مرتبت بحر ولایت صاحبزادے تھے۔ (۱) خواجہ عبید اللہ (۲) خواجہ عبد اللہ

(۴۴) خواجہ عبید اللہ مشہور بہ خواجہ کلاں قدس سرہٗ

آپ کی ولادت ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۰۱۰ھ میں واقع ہوئی۔ چوں کہ

دونوں فرزندوں نے والد بزرگوار کی آخری عمر میں لباس ہستی پہنا۔ اس لئے خواجہ محمد باقی باللہ نے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ سے فرمایا: اب جینے کی امید کم ہی ہے۔ لہذا بچوں کی خبر گیری کرنا، دونوں بچوں کو جو ابھی ایام رضاعت میں تھے اپنی خدمت میں بلایا اور فرمایا کہ توجہ کرنا۔ حضرت مجدد نے حسب الامر اتنی توجہ کی کہ بچوں کی پیشانی سے آثار ظاہر ہونے لگے۔

خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ پچیس جمادی الاخریٰ ۱۰۱۲ھ میں عالم قدس میں آرام فرما ہوئے۔ خواجہ کلاں نے سن تمیز کو پہنچنے کے بعد فضائل ظاہری و باطنی حاصل کئے اور پایۂ کمال تک پہنچے۔ آپ نے تذکرہ مشائخ میں ایک لاکھ اشعار (پر مشتمل کتاب) تالیف فرمائی۔

۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۰۷۴ھ میں بساط ہستی سے کنارہ کش ہو گئے اور اپنے والد ماجد کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

(۴۵) خواجہ دوم عبد اللہ معروف بہ خواجہ خورد قدس سرہٗ

آپ کی ولادت ۶ر رجب برادر کلاں کی پیدائش کے چار ماہ بعد سن مذکور میں دوسری ماں کے بطن سے ہوئی۔

صورت و سیرت میں والد بزرگوار سے مکمل مشابہت رکھتے تھے۔ قرآن مجید کو حفظ کیا اور علوم عقلیہ ونقلیہ کو آخر تک نہایت استعداد سے حاصل کیا، تدریس پر پوری مہارت رکھتے تھے، بعض کتابوں پر حواشی تعلیق فرمائی اور سرہند میں حضرت مجدد قدس سرہٗ کے سایۂ تربیت میں رہنے لگے، اور آپ کے خصوصی معارف سے حظ وافر پایا، نیز خلافت اور ارشاد کی اجازت سے مالا مال ہوئے۔ نہایت آزادگی اور فارغبالی سے زندگی بسر فرمائی۔

جس تاریخ میں والد ماجد کا انتقال ہوا تھا یعنی پچیس جمادی الاخریٰ بروز

چہار شنبہ ۱۰۷۵ھ (۱) کو انتقال فرمایا، اور والد ماجد کے مقبرے میں پائنتی آرام فرما ہوئے۔

(۴۶) میر سید عبد الفتاح عسکری احمد آبادی قدس سرہٗ

آپ اکابر اولیا سے ہیں، دانش نورانی و برہانی دونوں کے جامع، فیض عام اور مقبولیت تام کے مالک تھے، آپ کا سلسلۂ خلافت چند واسطوں سے مشائخ کی عمریں لمبی ہونے کی وجہ سے، غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ اس طرح سے میر عبد الفتاح نے شاہ الہداد سے، وہ شاہ غریب اللہ سے، وہ شیخ تاج الدین سے وہ شیخ سعید سے، وہ سید عبد الرزاق سے اور وہ اپنے والد بزرگوار حضرت غوث الثقلین سے بیعت ومجاز تھے قدس اللہ اسرارہم۔

جب میر عبد الفتاح کے کمالات کا شہرہ سلطان اورنگ زیب انار اللہ برہانہ نے سنا تو وہ آپ کی تشریف آوری کے خواہاں ہوئے اور نہایت اعزاز واکرام سے احمد آباد گجرات سے دار الخلافہ دہلی طلب کیا، اور آپ کی صحبت خاص سے بے شمار برکتیں حاصل کیں۔ میر صاحب چند دنوں کے بعد رخصت حاصل کر کے وطن عزیز کو لوٹ گئے۔

چوبیس ذی الحجہ ۱۰۹۰ھ میں رحمت حق سے جا ملے۔ آپ کی عمر نوے سال کی ہوئی۔ خوابگاہ احمد آباد میں ہے۔ مثنوی مولانا روم میں نہایت رغبت رکھتے تھے، ہمیشہ ورد زبان رکھتے۔ اس کی ایک شرح بھی لکھی جو عوام میں شہرت رکھتی ہے۔

---

(۱) جاننا چاہئے کہ کتاب میں انتقال کا سال ۹۷۵ھ لکھا ہے جب کہ ولادت ۱۰۰۱ھ میں لکھا ہے یہ شاید کتابت کی غلطی ہے ورنہ لازم آئے گا کہ انتقال سے پہلے ولادت ہو، اسی لئے ترجمہ میں میں نے ۱۰۷۵ھ لکھا ہے جو قیاس کے مطابق ہے۔ اویسی

(۴۷) سید مربی قدس سرہٗ

سید مربی بن سید عبد النبی بن میر سید طیب بن میر عبد الواحد اکبر بلگرامی قدست اسرارہم، اپنے والد ماجد سے مرید تھے۔ بہت ہی عالیشان بزرگ تھے، ذات مقدس نورانی شمائل حسنہ اور خصائل لطیفہ سے معمور تھی۔ حافظ قرآن مجید تھے، کتب مختصرات حاشیہ علامہ دوانی بر تہذیب المنطق سید اسماعیل بلگرامی کے پاس پڑھیں۔ اس کے بعد شیخ یٰسین قنوجی کی خدمت میں شرف تلمذ حاصل کیا، اور آخر کار ملا ابو الواعظ کے حلقۂ درس میں کتابیں مکمل کر کے فاتحۂ فراغ پڑھی، اور وطن عزیز کی طرف لوٹ آئے اور اپنے اسم گرامی کے اقتضاء کے مطابق ظاہری و باطنی طلبہ کی تربیت فرمائی۔

استاذ المحققین میر سید طفیل محمد بلگرامی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ شیخ محمد عاقل اترولوی صاحب کمال بزرگوں میں تھے۔ میں نے انہیں دیکھا تھا، انہوں نے علوم ظاہرہ جناب سید مربی سے حاصل کئے تھے، تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد امیر ابو العلا نقشبندی اکبر آبادی قدس سرہٗ کے سلسلے میں مرید ہوئے اور نہایت ہی قوی الحال ہوئے۔

ایک مرتبہ سید مربی ایک تقریب میں قصبہ مارہرہ حاضر ہوئے اور وہاں سے اترولی تشریف لے گئے۔ شیخ محمد عاقل، تشریف آوری کی خبر پا کر حضرت سید کے استقبال کے لئے باہر آگئے اور پورے ادب و نیاز کے ساتھ اپنے گھر لے گئے اپنی دستار صحن خانہ میں بچھا دی اور عرض کیا کہ قدم مبارک دستار پر رکھتے ہوئے صحن خانہ عبور فرمائیں۔ جب اصرار حد سے بڑھا تو میر صاحب نے آپ کا التماس قبول فرمایا۔

ایک روز دوران صحبت شیخ محمد عاقل سے فرمایا: میں نے سنا ہے کہ تمہاری توجہ

نہایت موثر ہے۔ حالت بیخودی لے آتی ہے، علوم ظاہرہ میں جو کچھ ہمارے ہاتھ کا سرمایہ تھا میں نے وہ تمہیں پیش کرنے سے دریغ نہ کیا، اب تمہیں یہ لازم ہے کہ تم اپنی توجہ باطن سے ہمیں محروم نہ کرو، شیخ نے استاذ کے پاس ادب کی وجہ سے نہایت عذر معذرت کی، میر صاحب نے بہت اصرار کیا تو شیخ نے حکم بجالاتے ہوئے مراقبہ میں بٹھایا، میر صاحب کو معلوم ہوا کہ اگر توجہ کے دفع کرنے میں مشغول نہ ہوں تو ان کی توجہ موثر ہوگی۔ لہٰذا اس کے دفع کی طرف متوجہ ہو گئے، شیخ نے سر اٹھا کر تبسم کیا اور کہا کہ میں نے پہلے ہی عاجزی کا اعتراف واظہار کر دیا تھا۔

میر صاحب ۱۴ رشعبان بروز دوشنبہ ۱۱۱۷ھ میں جہان فانی سے رخصت ہو گئے، اسی سال پچیس جمادی الاخریٰ کو میر سید احمد بلگرامی کا بھی انتقال ہوا۔ علامہ مرحوم میر عبدالجلیل بلگرامی دونوں کی تاریخ رحلت نظم فرماتے ہیں ؎

۱- میر سید احمد آں بحر سخا	مولوی سید مربی دیں پناہ
۲- ہردو زیں گلخن سرائے بے بقا	جانب فردوس سر گردند راہ
۳- عالم اندر دیدہا تاریک شد	مردیک پوشیدہ زیں ماتم سیاہ
۴- تا قیامت از دل پرسوز خلق	برمزار ہردو سوزد شمع آہ
۵- خواستم از بہر شان تاریخ سال	گفت ہاتف "ہردو خلد آرامگاہ"

(۱۱۱۷ھ)

یعنی ۱- سخاوت کے سمندر میر سید احمد، اور دیں پناہ میرے آقا سید مربی
۲- دونوں نے اس فانی دنیا سے، جنت کا سفر فرمالیا۔
۳- دنیا آنکھوں میں اندھیری ہوگئی، اور انہیں کے ماتم میں آنکھ کی پتلی نے سیاہی اوڑھ لی
۴- مخلوق کے پرسوز دلوں سے قیامت تک، دونوں کے مزاروں پر آہ کی شمع جلے گی
۵- میں نے ان دونوں کے لئے تاریخ وصال چاہی، ہاتف نے کہا وہ دونوں جنت کی آرام گاہ میں ہیں۔

اور یہ میر سید احمد، سید محمود اکبر کی اولاد سے ہیں، جن کا تذکرہ گزر چکا ہے۔
اسی طرز پر سید احمد بن سید بڈھ بن سید عبد الفتاح بن سید عبد القادر بن سید ابوالقاسم بن سید خاں محمد بن سید محمود اکبر قدس سرہٗ۔

سید احمد کا کمال اور وصال

سید احمد شاہزادہ محمد اعظم شاہ بن سلطان محمد اورنگزیب عالمگیر کے مؤقر ملازموں میں تھے، اور وہ شہزادے کی تولیت سے حکومت شاہجہاں پور مالوہ اور دیگر علاقوں پر حکمرانی کرتے تھے۔ آپ نے حکومت کے زمانے میں ایک عالم کو، چاہے اپنے ہوں یا بیگانے، اپنے جود واحسان سے خوب نوازا، اور شاہجہاں پور میں اپنی طبعی موت سے انتقال کر گئے، اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کی یادگاروں میں ایک چھوٹا سا حسین قلعہ محلّہ میدانپورہ کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔
۱۱۶۲ھ میں کتاب "گلزار ابرار" کا ایک نسخہ اورنگ آباد کے علاقے میں فقیر کے ہاتھ لگا، جسے شیخ محمد فاضل نام کے ایک صاحب نے وہ نسخہ سید احمد کے واسطے لکھا تھا۔ کتاب کے حاشیہ پر ایک عبارت لکھی تھی، اس جگہ اس کی پوری عبارت نقل کرتا ہوں جس سے سید احمد کے احوال کا خلاصہ واضح ہو جائے گا:-

"گلزار ابرار" کا بیان

"بندۂ عاجز قاصر شیخ محمد فاضل بن شیخ اسمٰعیل چشتی لکھنوی مندوی ایں کتاب را بہ جہت مرکز دائرہ مردمی و مروت، مہر سپہر مجد و مکرمت در دریائے سعادت و نقابت، گوہر بحر شرافت و منزلت، مروج مراسم ملک و ملت، چراغ افروز نبوت و ولایت سید احمد بن سید بڈھ بن سید عبدالفتاح متوطن شگرف قصبہ بلگرام بزرگ منصب دار سرکار دولتمند ار محمد اعظم شاہ کہ بہ تقریب خدمت فوجداری وامینی دیپالپور وغیرہ محالات صوبہ مالوہ تشریف ارزانی داشت نوشت چوں از آغاز سال یک ہزار و یکصد و ہشت ہجری پرگنات سرکار مندو از حضور خلافت و

جہانداری در اقطاع خان ذیشان افتخار خاں تنخواہ گشت خان مذکور برائے معاونت
خویش و نظم و نسق وانتظام امور مالی وملکی آں حاتم زمانہ را کہ خوان ابراہیمی اد بار عام
زمانیاں است بصد آرزو و خواہش از دیپالپور بہ مندو طلبید چوں آں خدیو عرصۂ
شجاعت سلوک خودرا باکہ و مہ مساوی داشت پذیرائی نمودہ عزم دیدن خان
معزالیہ نمود در ہماں سال بہ قصبہ لغلچہ تشریف آورد درآں ہنگامہ سیادت وشرافت
دستگاں سید محمد اشرف بن سید عبدالدائم متوطن ہماں شگرف قصبہ در رکاب خاں
مرقوم استلذ اذ نعم صوری ومعنوی می نمودند واحقر نیز از برکات و در دولت وصحبت
ایشاں کسب فیض ظاہری و باطنی می نمود سبحان اللہ چوں بندہ شنید کہ آں جوہر شناس
بلاغت و فصاحت در دائرہ سید محمد اشرف نزول ارزانی فرمودہ است بہ ہزار اں
ہزار خرمی وخورسندی از بنگاہ خود برائے قدمبوس شتافت و بعد از ملازمت در نخستین
تکلم از زبان گوہر افشاں ہمیں ترنم برآورد کہ فلاں اتفاق چناں افتاد کہ نسخۂ گلزار
ابرار کہ از خط شما در کتابخانۂ ما بود شیخ احمد لکھنوی بہ فراواں تمنا از من بستد اگر فرصت
باشد در نگارشتن نسخۂ مسطور تکاسل نہ کند، ہماں زماں جزم من شدو بتاریخ غرۂ
رجب المرجب روز آدینہ سال مذکور در نگارشتن کتاب ہمت گماشت و سید دوسہ
روز در صحبت خاں مذکور ماندہ باز مراجعت بہ دیپالپور فرمود واحقر کتاب مطلوب
را بہ اہتمام سیادت و نقابت پناہ سید محمد اشرف و بہ یاری ویاوری ایشاں بہ تاریخ
ہفدہم ربیع الاول سال یکہزار و یکصد و نہ روز جمعہ وقت ظہر بہ اختتام آورد بمنہ
کرمہ'' انتہی

یعنی '' عاجز وناتواں بندے شیخ محمد فاضل بن شیخ اسمعیل چشتی لکھنوی مندوی
نے یہ کتاب مرکز دائرۂ انسانیت ومروت آسمان شرافت وعزت کے سورج،
دریائے سعادت و نقابت کے موتی، بحر شرافت ومنزلت کے گوہر، ملک وملت کا
چلن رائج کرنے والے، نبوت وولایت کا چراغ روشن کرنے والے، سید احمد بن

سید بڑھ بن سید عبد الفتاح پرشکوہ قصبہ بلگرام کے رہنے والے اور سرکار دولتمدار محمد اعظم شاہ کے بزرگ منصبدار جو دیپالپور اور صوبہ مالوہ کے دوسرے مقامات کی فوجداری وامینی کے عہدے پر مامور تھے، کے لئے لکھی (وجہ یہ ہوئی) کہ جب ۱۱۰۸ھ کے شروع سے حضور خلافت وجہانداری کی طرف سے سرکار مندو کے تمام پرگنوں میں خان ذیشان افتخار خاں تعینات ہوئے تو خانصاحب نے اپنی امداد اور ملکی ومالی نظم ونسق کے سلسلے میں اس حاتم زمانہ کو کہ جس کا خوان ابراہیمی تمام اہل زمانہ کے لئے رکھا ہوا ہے، بصد آرزو وخواہش دیپالپور سے مندو طلب فرمایا، جب اس خداوند میدان شجاعت نے جو اپنا سلوک ہر چھوٹے بڑے سے یکساں رکھتے تھے، قبول نہ فرمایا اور خان معزز کے دیکھنے کے ارادے سے چل پڑے۔ اسی سال قصبہ لغلچہ بھی تشریف لائے، اس وقت مرجع شرافت وسیادت سید محمد اشرف بن سید عبد الدائم اسی قصبہ عظیم کے رہنے والے خان مذکور کی رکاب میں ان سے ظاہری وباطنی لذتیں حاصل کررہے تھے اور احقر بھی آپ کی برکتیں اور دولت کی صحبتوں سے ظاہری وباطنی فیوض کسب کررہا تھا۔ سبحان اللہ جب بندے نے سنا کہ وہ جوہر شناس فصاحت وبلاغت دائرۂ سید محمد اشرف میں تشریف لائے ہوئے ہیں، تو ہزار خوشی وخورسندی سے اپنی قیامگاہ سے چل کر قدمبوسی کے لئے حاضر ہوگیا، اور خدمت بابرکت میں پہنچنے پر سید صاحب نے جو بات زبان گوہر بار سے فرمائی تھی وہ یہ کہ اے فلاں ایسا اتفاق ہوا کہ تمہارے ہاتھ کا لکھا نسخۂ ''گلزار ابرار'' ہمارے کتب خانے میں موجود تھا۔ شیخ احمد لکھنوی مجھ سے بڑے آرزو سے لے گئے، اگر فرصت ہو تو نسخۂ مذکور لکھنے میں سستی نہ کرنا۔ اسی وقت میرا پکا ارادہ ہوگیا اور پہلی رجب المرجب کی تاریخ کو جمعہ کے دن اسی سال کتاب کے لکھنے کی ٹھان لی۔ سید صاحب دوتین روز خان مذکور کی صحبت میں رہ کر پھر دیپالپور واپس لوٹ گئے، اور احقر نے کتاب مطلوب کو سید محمد اشرف سیادت و

نقابت پناہ کے اہتمام اور دوستی اور مدد سے ۱۷ ربیع الاول ۱۱۰۹ھ میں بروز جمعہ وقت ظہر اختتام کو پہنچایا۔ بفضلہٖ تعالیٰ

میر سید محمد کے اوصاف

میر سید محمد بن میر سید احمد مذکور نواب مبارز الملک سر بلند خاں اتونی کے بہترین رفیقوں اور زمانہ کے اچھے لوگوں میں ہیں اور نواب صفدر جنگ ابوالمنصور خاں نیشاپوری جو احمد شاہ کے عہد میں وزارت علیا کے عہدے پر فائز تھے، کی سرکار میں بھی صاحب فیل وعلم اور معتمد خاص رہے۔ آپ میں شعر فہمی خوب تھی اور حسن خلق ومروت واحسان میں ممتاز تھے۔ بروز جمعہ آٹھویں صفر ۱۱۵۸ھ میں دارالخلافہ دہلی مین رخت ہستی چھوڑ گئے، اور سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی قدس سرہٗ کے جوار میں نواب مبارزالملک کے پہلوئے قبر میں مدفون ہوئے۔ میر سید محمد متخلص بہ شاعر سلمہٗ اللہ تعالیٰ خلف الصدق علامہ مرحوم میر عبدالجلیل جو مشارالیہ کے ہمنام ہیں، اور دونوں میں کافی محبت وربط تھا، آپ کی وفات کی تاریخ کے لئے عجیب مصرعہ ڈھونڈ نکالا اور اس قطعہ کو سلک نظم میں پرودیا ہے۔

۱- میر سید محمد احمد ذات اوراتواں یگانہ شمرد
۲- درسخاوت نظیر حاتم طے در شجاعت عدیل رستم گرد
۳- زایں جہاں رفت ونام اوباقی است کےتواں گفت زندہ راکہ بہ مرد
۴- سال تاریخ رحلتش سعدی زادۂ طبع خود بہ بندہ سپرد
۵- بشنواکنوں زشاعرایں مصراع ''خنک آں کسی کہ گوئے نیکی برد''

۱۱۵۸ھ

یعنی ۱- میر سید محمد بن احمد، جن کی ذات یکتا سمجھنا چاہیے۔
۲- وہ سخاوت میں حاتم طائی کی مثال، اور شجاعت میں رستم پہلوان کے برابر تھے۔
۳- وہ اس دنیا سے گئے اوران کا نام باقی ہے، بھلا زندہ کو مردہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔

۴- سعدی نے ان کی وفات کا سال، اپنی طبع زادفکر کے حوالے کر دیا۔
۵- شاعر سے اب یہ مصرع سنو، خوش نصیب ہے وہ جو نیک نامی کا تمغہ ساتھ لے گئے۔

اس مقام پر نہایت غور سے سوچنا چاہئے اور سرسری طور پر نہیں گزرنا چاہئے، کہ درویشوں سے منسوب ہونا کیا شریف نسبت ہے کہ جو کوئی اس طائفۂ عالیہ سے ادنیٰ نسبت بھی رکھتا ہے، اسے فرش خاک سے اٹھا کر عالم پاک میں پہنچا دیتے ہیں۔ اور عوام کی انجمن سے خواص کی خلوت گاہ میں راہ دیتے ہیں اسی معاملے سے متعلق سید احمد کا معاملہ ہے کہ اس ادنیٰ مناسبت سے کہ ان کا اور سید مربی کا ایک سال انتقال ہوا۔ پہلے پہل علامہ مرحوم کے اشعار میں، دونوں گوہر ایک لڑی میں منظوم ہوئے، دوسرے اس صحیفہ کی بساط پر مقربان بارگاہ الٰہی کی ہمنشینی میں بلند پایہ ہو گئے اور لڑکا باپ کے طفیل کامیاب ہو گیا سبحان اللہ سال کی موافقت نے جب یہ کرشمہ دکھایا موافقت حال کیا کرشمے رکھتی ہو گی۔

تشبہ صوری نے مقلد (نقلچی) موسیٰ کو باوجود کفر کے غرق سے نجات دلایا اور مصاحبت کے فیض نے قطمیر کی ماہیت بدل کر تاج کرامت پہنا دیا۔ بہت ہی خوش نصیب ہیں وہ سعادتمند جنہوں نے اپنا سر درویشوں کے قدموں پہ رکھ دیا اور کلاہ گوشہ تاج شاہی پر وار دیا ہے۔

آنچہ زمی شود از پرتو آں قلب سیاہ ☆ کیمیائےست کہ درصحبت درویشاں ست
یعنی جس کا عکس پڑنے سے سیاہ دل سونا ہو جاتا ہے ایسا کیمیا درویشوں کی صحبت میں ملا کرتا ہے۔

(۴۸) سید سعد اللہ قدس سرہٗ

سید سعد اللہ بن سید مرتضٰی بن سید فیروز بن میر عبد الواحد اکبر بلگرامی قدس اللہ اسرارہم، فقر و فضیلت کے مجمع البحرین تھے، بچپن ہی میں جد امجد سید فیروز

سے شرف بیعت سے سعادت اندوز ہوئے، ابتدائے حال میں ملا فیض ساکن امروہہ شاگرد شیخ یٰسین قنوجی کی خدمت میں علم حاصل کیا، بعد میں ملا عبد الرحیم جو مراد آباد قریب سنبھل کے قاضی تھے، عالم کامل اور مولوی عبد الحکیم سیالکوٹی کے بلا واسطہ شاگرد تھے، کی خدمت میں پہنچ کر فضیلت حاصل کی اور انہیں کے پاس فاتحہ فراغ پڑھی، واپس آ کر مسند تدریس پر متمکن ہوئے اور مدتوں درس دیتے رہے۔

پھر ناگاہ ورق حال نے پلٹا کھایا اور سب کچھ چھوڑ کر حرمین شریفین کو روانہ ہو گئے، اور طواف بیت اللہ و زیارت مدینۃ النبی ﷺ سے ذخیرۂ آخرت جمع کیا۔ کچھ دنوں بعد ہندوستان واپس لوٹ آئے اور احمد آباد گجرات میں گوشہ نشین ہو گئے۔

شیخ محمد طاہر نے جو مرد فاضل عمر دراز تھے اور سید سعد اللہ کے تلامذہ سے تھے، مجھ فقیر سے حیدر آباد دکن میں ملاقات کی۔ وہ کہتے تھے کہ میں سید سعد اللہ کے خاص تلامذہ میں ہوں۔ حضرت سید گجرات تشریف لائے اور مولانا نور الدین۔ نور اللہ مرقدہٗ کے مدرسہ میں اقامت اختیار فرمائی۔ آپ اپنے حجرے سے بہت کم باہر نکلتے، پوری رات جاگ کر شب بیداری کرتے اور دن کے اوقات تدریس و افادہ میں گزار دیتے۔ مولانا نور الدین آپ کا بیحد احترام کرتے تھے، اور اکثر ان کے پاس آ کر بیٹھ جاتے۔

سید صاحب کے انتقال کے وقت میں حاضر تھا، نہایت خندہ پیشانی سے عالم روحانی میں جا بسے، اور شاہ بھیکن نبیرۂ شاہ عالم بخاری کے روضہ میں گوشۂ لحد میں محو خواب ہو گئے۔ یہ واقعہ ۷ ارشوال بروز بدھ صبح کے وقت ۱۱۱۹ھ میں پیش آیا۔ میر محمد یوسف فقیر کے ہمدرس بھائی نے آیت کریمہ "یشرب من کأس کان مزجھا کافورا" سے تاریخ وفات نکالی ہے۔

(۴۹) سید العارفین میر سید لطف اللہ معروف بہ

شاہ لدھا بلگرامی قدس سرہٗ

آپ کے والد سید کرم اللہ بانی جامع مسجد محلّہ میدان پورہ کا تذکرہ انؔ سے پیشتر ہو چکا۔ آنحضرت بلگرام کے اولیائے کاملین اور یہاں کے سلف وخلف کے لئے باعث افتخار ہیں۔ آپ کا لقب سید العارفین اور سید الاولیاء ہے۔ آپ کی فطرت میں ذوق الٰہی اور شوق نا متناہی موجود تھا۔

اس لئے ابتدائے شعور سے ہی جماعت عارفین کے ساتھ لگن رکھتے تھے، اوراس گروہ عالی مرتبت کے ایک جم غفیر کی صحبت سے مشرف ہوئے۔ آپ کے سب سے پہلے مرشد شاہ اعظم قدس سرہٗ ہیں عنفوان شباب میں والد محترم کے ہمراہ بنگالہ تشریف لے گئے اور وہیں شاہ اعظم کے زیر تربیت مجاہدے کئے، اور بلند درجات واعلیٰ مراتب طے کئے، اس کے بعد ضروری کسب معاش کی خاطر نواب نجابت خاں کی ملازمت اختیار کر لی، اور چالیس جری اور شجاع مردوں کی فوج میں شامل ہو گئے، جن پر نواب کی خصوصی توجہ رہتی تھی۔

پھر چند دنوں کے بعد بائیس سال کی عمر میں علائق ظاہری سے بالکل کنارہ کش ہو گئے۔ ہندوستان کے اکثر شہروں کی سیاحت کی اور دار السرور برہان پور میں شاہ برہان راز الٰہی قدس سرہٗ کی خدمت پائی اور کچھ عرصہ شیخ کی خانقاہ میں اقامت اختیار کی اور ان کی صحبت سے فیض اٹھایا، مگر کچھ دنوں کے اندر ہی مشیت الٰہی نے جدائی کی صورت ظاہر کر دی۔ آپ کو شیخ کی زیادہ صحبت نہ ملنے کا بہت افسوس رہا۔ اسی حالت میں عالم خواب میں دیکھتے ہیں کہ شیخ ان کی طرف متوجہ ہیں، اور اپنے مبارک ہاتھوں سے آپ کے کپڑوں میں عطر مل رہے ہیں۔ اس روح پرور بشارت سے للہ فی ایام دھرکم نفحات الا فتعرضوا لھا، کی خوشبو سونگھی اور بہت جلد میر عبدالجلیل قدس سرہٗ کی صحبت میں پہنچ گئے اور

فیوض و برکات حاصل کیے، اور عطر والے خواب کی تعبیر حضرت میر کی ملاقات میں ظاہر ہوئی۔

میر عبد الجلیل سے روحانی نسبت

میر صاحب شاہ برہان قدس سرہٗ کے کامل رفیقوں میں تھے اور لباس نوکری میں فہم خلق سے دور ہو کر زندگی جیتے تھے۔ حضرت شاہ برہان راز الٰہی برہان پوری متوفی ۱۰۳۱ھ سید شاہ لشکر محمد عارف متوفی ۹۹۳ھ کے مرید ہیں اور وہ محمد غوث گوالیاری کے مرید ہیں، یہ سب اکابر شاہراہ ولایت کے قافلہ سالار ہیں اور کاروان شہرت کی بلند آوازہ دینے والے ہیں۔ فقیر کو برہان پور سے گزرنے کا بارہا اتفاق ہوا ہے اور قبور طیبہ کی زیارت کی سعادت بھی ملی ہے، چونکہ شہر برہان پور میں بہت زیادہ گرد اٹھتی ہے۔ اتنی کہ جتنی کسی بھی شہر میں نہیں اٹھتی ہوگی۔ سید لشکر محمد عارف کے فیضان روحانیت سے میرے دل میں ایک خیال آیا اور اسے نظم کا کا لباس پہنا دیا۔

فتاد بسکہ گزر لشکر محمد را ☆ غبار خیز بود کوچہ ہائے برہانپور

یعنی سید لشکر محمد عارف کے قیام پذیر ہونے سے، برہان پور کی گلیاں (زیادہ آبادی کی وجہ سے) دھول اڑانے لگیں

سید العارفین کالپی میں

القصہ سید العارفین وہاں سے چند دنوں بعد کالپی کی جانب چل دیئے اور میر سید احمد بن میر سید محمد قدس اللہ اسرارہما کے جمال باکمال کے دیدار سے مشرف ہوئے اور حصول برکت کے لئے دست ارادت آپ کے قبضے میں دے دیا، حضرت سید کو آپ کی طرف خاص نگاہ اور عنایت رہا کرتی تھی، بیعت کے وقت ارشاد فرمایا ''ماہر دو یک ذاتیم'' (ہم دونوں ایک ذات ہیں) اور یہ شعر زبان مبارک سے فرمایا۔

اینجا ز فیض پیر مغاں بزم وحدت است ☆ در پردہ دار دیدۂ کثرت نمائی را

یعنی مرشد کے فیض سے یہاں محفل وحدت سجی ہوئی ہے، کثرت دیکھنے والی نگاہ پردہ میں ہی رہنے دو۔

یہ عطایا بالکل اسی طرح ہیں جو میر سید محمد نے میر سید احمد کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''محمد واحمد یکے ست'' (محمد اور احمد ایک ہے)۔

شاہ فضل اللہ خلف الصدق میر سید احمد قدس اللہ اسرار ہما نے فرمایا کہ حضرت سید نے وقت رحلت صاحبزادوں کو وصیت فرمائی کہ تمہارے باپ دادا کے خلفاء تو بہت ہیں۔ اگر فقیری میں عام درویشی چاہتے ہو تو کسی کی بھی صحبت میں حاصل ہوسکتی ہے، اور اگر خاص درویشی کی خواہش ہو تو میر سید لطف اللہ کی صحبت کو غنیمت سمجھنا، نیز شاہ فضل اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ سید احمد کے میخانے کی شراب خالص تو شاہ لدھا نے پی لی اور دوسروں نے تلچھٹ چکھی ہے۔

خرقۂ خلافت اور بلگرام واپسی

پھر آنجناب (شاہ لدھا) خرقۂ خلافت اور سلاسل خمسہ یعنی چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ ومداریہ کی اجازت کا تمغہ اور کافی نوازشات سے مالا مال ہوکر واپسی کی اجازت پاکر بلگرام تشریف لائے اور ستر سال گوشہ نشیں رہے، اور انوار معنوی کے فیض سے شہر کو چراغاں کردیا۔

سید العارفین کی تربیت کا انداز

طالبین کی تربیت میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ کبھی تو ایک کرشمے سے طالب کا کام پورا کردیتے، اور کبھی ریاضت ومجاہدہ کراتے مگر ایسی کٹھن ریاضتیں نہیں کراتے تھے جو آدمی کو ناتواں کرکے تھکا دے، اگر چلہ میں بٹھاتے تو لطیف اور نرم غذائیں دیتے تھے۔ فرماتے تھے قوام انسانی کا باعث غذا سے ہے، اگر آدمی تندرست ہوگا تو اس سے جہاد نفس اچھی طرح ہوسکے گا اور اگر ناتواں ہوگا قصور

واقع ہوگا تو اور گدڑی پہننے، مرقعہ دوزی اور نظر خلق میں ظاہر معاملات کے اظہار سے منع فرماتے تھے، اور ازدواج وکسب معاش سے جو انبیاء کرام علیہم السلام کی مقدس سنت ہے، منع نہیں کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ مرد وہ ہے جس کا ظاہر خلق خدا سے مشابہ ہو اور باطن یاد مولیٰ میں مستغرق ہو۔ نذر و نیاز کو ذخیرہ نہیں بناتے تھے جو غیب سے حاصل ہوتا، خندہ روئی اور کشادہ پیشانی سے خرچ کر دیا کرتے، نیز شہر میں آنے جانے والے فقراء کی خبر گیری کرتے رہتے۔ اکثر اوقات خصوصاً رات کے پچھلے پہر صحرا کی سیر کو نکل جاتے۔ فرماتے کہ صحرا کی سیر دلکشا ہوتی ہے۔(۱)

جب بات کرتے تو نہایت خوبی و رنگینی و تمکنت سے کرتے تھے اور جب حقائق و معارف کی باتیں چھڑ جاتیں تو کامل ذوق وشوق دے بیان فرماتے کہ سننے والے پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی، جن صاحب کمال بزرگوں نے حضور انور کی صحبت سے استفادہ کیا ہے، سب اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ جو کیفیت اور چاشنی آپ کی مجلس اقدس میں ہمیں ملی، وہ کہیں اور نہ ملی اور باوجودیکہ آپ کی عمر سو سال سے زیادہ ہوئی مگر کبھی حالت ذوق وشوق وجود مبارک سے کم نہ ہوا۔

سلطان ابوسعید بن شاہ فضل اللہ بن میر سید احمد قدس اللہ اسرارہم فرماتے تھے ایک بار میں نے میر شاہ لدھا سے پوچھا کہ نماز تہجد پڑھتے ہیں؟ تو فرمایا کہ کتنے سال ہو گئے کہ پوری رات آنکھ نہیں جھپکتی اور دیوانگیٔ دل سے نماز تہجد میسر نہیں آئی، البتہ نماز فریضہ بے اختیار ادا کرتے تھے۔

(۱) اس میں یہ راز ہے صحرا اطلاق کا درجہ رکھتا ہے اور شہر تقیید کا سبحان اللہ

ہماں بہتر کہ لیلیٰ در بیاباں جلوہ گر باشد ☆ ندارد تنگنائے شہر تاب حسن صحرائی

(مرزا صائب)

حسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لئے ☆ ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

(اقبال)

آپ کے بہترین عجائب سے یہ ہے کہ اگر جسمانی مرض لاحق ہو جاتا، اگرچہ شدید ہوتا پرہیز نہیں کرتے تھے اور دوسرے دنوں کے برعکس پرتکلف کھانا کھاتے۔ ہر چند اطباء منع کرتے لیکن ان کی نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور یہ بات صاف دلالت کرتی ہے کہ آپ حکیم مطلق کی ذات پر پورا بھروسہ کرتے تھے۔

آپ کے مقدس کلمات سے یہ ہیں: ''دید محمد مشکل تراز دید خدا است'' (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار اللہ کے دیدار سے زیادہ مشکل ہے) نیز فرماتے تھے ''لیلیٰ رامحمل ضرور است'' لیلیٰ کے لئے کجاوہ ضروری ہے یعنی بہتر ہے کہ حقیقت کی بات مجاز کے پردے میں کہی جائے تاکہ ناقصوں کے چشم زخم سے محفوظ رہے۔ نیز فرمایا: ''اسلام عبارت است از نفی وجود خویش و اثبات وجود حق است'' (اسلام اپنے وجود کی نفی اور اللہ کے وجود کے اثبات کا نام ہے) نیز فرمایا: ''محمد نام تشبیہ است واللہ نام تنزیہ'' (محمد تشبیہی نام ہے اور اللہ تنزیہی نام ہے) نیز فرمایا: ''شریعت منتہائے مردان است'' (شریعت انسانیت کی تکمیل کا آخری ذریعہ ہے) نیز فرمایا: ''شریعت رنگ است وحقیقت بو'' (شریعت رنگ ہے اور حقیقت خوشبو) جس طرح کہ سرخ پھول (گلاب) دونوں صفتوں کا جامع ہوتا ہے، اس لئے اسے تمام پھولوں پر فوقیت حاصل ہے، اور جس طرح لالہ ویاسمن الگ الگ صفت رکھتے ہیں، اس لئے انہیں یہ مرتبہ نہ مل سکا۔ (۱)

کنارہ گرد خطرہائے بیکراں دارد ☆ میانہ روز دو جانب نگاہباں دارد

یعنی کنارہ کے آس پاس بہت خطرے ہوتے ہیں، درمیان میں چلنے والے کی نگاہ دونوں طرف رہتی ہے۔

(۱) گلاب ایک دلپذیر خوش رنگ مشہور ومعروف پھول ہے، لالہ گلاب ایک دلپذیر خوش رنگ مشہور ومعروف پھول ہے، لالہ ایک قسم کا سرخ پھول ہے جس کے بیچ میں کالا داغ ہوتا ہے اور یاسمن چنبیلی کا پھول ہے، ان تینوں پھولوں کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لالہ کو اچھا رنگ ملا اور خوشبو نہیں ملی اور یاسمن کو خوشبو ملی اور اچھا رنگ نہیں ملا، اور گلاب کو دونوں چیزیں ملیں یعنی اچھا رنگ اور اچھی خوشبو۔ اویسی غفرلہ

ایک روز ایک شیخ نے حضرت کے ایک قول پر جو آپ سے منقول تھا، بیجا نکتہ چینی کرنے لگے وہ مجھ فقیر سے مخاطب تھے میں نے اس کے جواب کی طرف کوئی توجہ نہ کی، اسی دن اس شیخ کی تحریرات سے ایک قول پر بحث چھڑ گئی اور ایک شخص نے خوب اچھی طرح اس کا رد کیا۔ شیخ بہت متاثر ہوئے، اور اس تحریر کو شیخ کے سامنے شیخ کے حسب الحکم فقیر کے ہاتھ پر چاک کر ڈالا فاعتبروا یآولی الابصار۔ تو عبرت لو، اے نگاہ والو۔ (کنز الایمان ع ۴/پ ۲۸)

حضرت کا وصال اتوار کی شب چودہ جمادی الاولیٰ ۱۱۴۳ھ میں ہوا۔ راقم الحروف نے کلام ربانی سے یہ دو تاریخیں نکالیں "مقربون فی جنات النعیم" "ولھم رزقھم فیھا بکرۃ و عشیا" (اور انہیں اس میں ان کا رزق ہے صبح و شام۔ (کنز الایمان، ع ۷/پ ۱۶)

مرقد منور میر نوازش علی سلمہ اللہ تعالیٰ کی سکونتی حویلی کے جوار میں ہے، صاحب سجادہ نے مزار فائض الانوار پر ایک عمارت اور متصل مسجد بنوادی ہے۔

راقم الحروف جمادی الاولیٰ ۱۱۳۷ھ میں سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں سید العارفین آپ سے بیعت ہوا اور ذات قدسی آیات سے کثیر فیوض حاصل کئے۔

(۵۰) میر عظمت اللہ قدس سرہٗ

آپ شجر سید العارفین کے ثمر (صاحبزادے) ہیں۔ قدس اللہ اسرارہما۔

آپ جماعت صوفیہ میں خاص درجہ رکھتے ہیں اور وحدت وجود کے مشرب میں بلند ذوق کے حامل ہیں، اگرچہ زندگانی کے ایام امراء کی ملازمت میں بسر کئے، مگر ہمہ وقت جمال بے رنگی (الٰہی) رنگ کے آئینے میں دیکھتے تھے، اور وحدت کے غنچے کثرت کی شاخوں سے چنتے تھے۔ سید العارفین کے طریقے کی اصل بھی یہی ہے کہ ظاہر حال عوام کی طرح رہے اور باطن خواص کی طرح۔ انبیاء علیہم السلام جو

اخص الخواص تھے انہوں نے عوام کی طرح زندگی گزاری ہے۔ جو لوگ کمال اتباع وسنت (نبوی) طریقے پر راستہ طے کرتے ہیں، وہ یہی سیدھا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اللہ والوں کی پہچان ہر شخص کا کام نہیں۔ صاحب بصیرت کو چاہئے کہ محقق کو مقلد کے لباس میں دیکھے۔ عام لوگ اپنی کم عقلی سے غلطی میں پڑ جاتے ہیں اور انہیں اپنی طرح سمجھتے ہیں۔ جی ہاں! عوام کے عقیدے کا دارو مدار وضع قطع کی انفرادیت پر ہے۔ جس شخص کی وضع عام لوگوں سے الگ تھلگ پاتے ہیں اسے ولی سمجھتے ہیں اور ان کے معتقد ہو جاتے ہیں۔ مـالهٰذا الرسول یاكل الطعام ويمشي في الاسواق (یعنی اس رسول ﷺ کو کیا ہوا جو کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں گھومتے ہیں) کا طعنہ (کفار) اس حالت کا گواہ ہے اور "اویکون لك بيت من زخرفٍ اوترقیٰ فی السماء" (یعنی تیرا آراستہ مکان ہو یا آسمان میں چڑھ جائیں) کا مزاج انکار اس بات کا غماز ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ مکتوب نمبر ۲۷۰ / جلد اوّل میں لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات بہت سے احکام میں عوام کے رنگ ڈھنگ میں زندگی گزارتے ہیں، اور خلق کے ساتھ اختلاط اور اہل وعیال کے ساتھ گزر بسر کرنے میں انہیں کا سا معاملہ فرماتے ہیں۔ خیر البشر ﷺ کی اہل وعیال کے ساتھ حسن معاشرت کی احادیث بہت مشہور ہیں۔

منقول ہے کہ ایک روز سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام دونوں اماموں (حسنین کریمین) کو بوسہ لے رہے تھے، اور ان کے ساتھ نہایت سرور وانبساط کا اظہار فرما رہے تھے۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ میرے گیارہ لڑکے ہیں اور کبھی کسی لڑکے کا بوسہ نہیں لیا، حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ اللہ کی رحمت ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

چونکہ بعض اوصاف میں خواص بھی عوام کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، اگر چہ یہ شرکت ظاہر کے اعتبار سے ہوتی ہے، اسی وجہ سے عوام اپنی نارسائی سے ان کے فیوض وکمالات سے بہت کم حصہ پاتے ہیں اور انہیں اپنے رنگ میں رنگا ہوا خیال کرتے ہیں اور جو اوصاف وعادات میں ان سے مختلف ہوتے ہیں انہیں بزرگ جانتے ہیں اور انکے گرویدہ ہوجاتے ہیں۔ یہیں سے معلوم ہوگیا کہ اولیاء اللہ کے اوصاف واخلاق جو عوام کے اوصاف واطوار سے مشابہ ہوتے ہیں، کب ان کے اوصاف واطوار کی طرح ہوسکتے ہیں، اگر چہ یہ اخلاق وخصائل انبیاء علیہم السلام میں بھی موجود تھے۔

سنو! مخدوم شیخ فرید الدین گنج شکر سے روایت کرتے ہیں کہ جب ان کے ایک صاحبزادے کا انتقال ہوگیا اور موت کی خبر ان تک پہنچائی گئی تو ان کے چہرے پر کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی، اور کہا کہ کتے کا بچہ مرگیا ہے، اسے باہر ڈالدو مگر جب سید البشر کے فرزند دلبند علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ہو گیا۔ تو حضور ﷺ کے آنسو بہہ نکلے اور پر ملال ہو اٹھے اور فرمایا انّا بفراقك یا ابـراهیم لـمحزونون (یعنی اے ابراہیم ہم تمہاری جدائی سے بے حد غمگین ہیں) اور نہایت تاکید ومبالغہ سے اپنے غم کا اظہار فرمایا: (غور کا مقام ہے) گنج شکر بہتر ہیں یا سید البشر ﷺ؟ عوام کالانعام کے نزدیک پہلے والا معاملہ بہتر ہے، کیوں کہ اس سے (دنیا سے) بے رغبتی ظاہر ہوتی ہے، اور دوسرے کو عین تعلق وگرفتاریٔ (دنیا) شمار کرتے ہیں۔ اعـاذنـا الـلـه عـن معتقداتهم الســوء۔ اور جب یہ دنیا دار الامتحان والبلاء ٹھہری تو عوام کو اشتباہ میں رکھنا عین حکمت ومصلحت ہے۔ الـلّهـم ارنـا الـحق حقاً وار زقنا اتباعه وارنا البـاطـل باطلا وارزقنا اجتنابهٗ بحرمة سيد البشر عليه وعلىٰ آله واصحابه من الصلوٰة افضلها ومن التسليمات اكملها۔

اب میں اپنے اصلی بیان کی طرف آرہا ہوں۔

میر عظمت اللہ بہت خوش باش، سنجیدہ وضع اور مقبول انام تھے اور نہایت ہی تہذیب و اخلاق کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ تصوف میں دل پذیر رسالے لکھے ہیں، اور اشعار میں زیادہ تر توحید کے مسائل ہی بیان کرتے تھے، آپ کا تخلص بیخبر تھا فی الواقع وہ بے خبر سے باخبر تھے اور حضرت لسان الغیب قدس سرہٗ کے قول پر عمل کرتے تھے کہ۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

یعنی بھید منظر عام پر آجائے یہ بات مصلحت کے منافی ہے، ورنہ شرابیوں کی مجلس میں کوئی ایسی بات نہیں جس کی خبر نہ ہو۔

آپ کے کچھ اشعار دفتر شعراء (سرو آزاد، مرتبہ علامہ آزاد) میں لکھے جارہے ہیں۔

آپ کی وفات بروز دوشنبہ ۲۴؍ ذی القعدہ ۱۱۴۲ھ میں دہلی میں ہوئی، وفات کے وقت لوگوں نے پوچھا کہ اگر حکم ہو تو نعش مبارک بلگرام روانہ کردی جائے اور اگر اس شہر میں کوئی جگہ منتخب فرمادیں اور نشاندہی کردیں تو انشاء اللہ اسی کے موافق عمل کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اس مشت خاک کو جہاں چاہو لے جاؤ۔ نیز عالم نزع میں ایک شخص نے جسے مسئلہ وحدت الوجود میں آپ سے کچھ اختلاف تھا، پوچھا کہ اب کیا فرماتے ہیں؟ جواب دیا کہ مردوں کی بات ایک ہی ہوتی ہے۔ قبر مبارک سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی کے مزار کے جوار میں باغ دریا خاں رفیق اعظم شاہ بن سلطان اورنگزیب کی دیوار سے متصل ہے۔ یہیں پر ان کی قبر کے ساتھ سید درویش کی بھی قبر ہے، میر عظمت اللہ کی قبر پچھمی جانب اور سید درویش کی قبر پوربی جانب اور یہ سید درویش شاہ رحمت اللہ کے سگے

بھائی ہیں، جن کا ذکر آگے آرہا ہے اور میر عظمت اللہ کے ہم دست و ہم عمر اسم با مسمیٰ تھے، نیز فقر میں بلند درجہ رکھتے تھے اور باوجود صاحب عیال ہونے کے نہایت آزادگی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ آخر میں سب کو چھوڑ کر شاہجہاں آباد میں گوشہ نشیں ہو گئے اور بقیہ ایام زندگانی دنیا سے لاتعلق ہو کر گزاری یہاں تک کہ رفیق اعلیٰ سے پیوست ہو گئے۔

(۵۱) میر نوازش علی سلمہٗ اللہ تعالیٰ (قدس سرہٗ)

آپ سید العارفین کے پوتے اور صاحب سجادہ ہیں۔ آپ کی ولادت رمضان المبارک کی انیسویں تاریخ ۱۱۲۴ھ میں ہوئی، ہوش سنبھالنے سے لے کر جوانی تک جد بزرگوار کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی اور حظ کامل وحصہ وافر (جد مکرم) سے جمع کیا۔ نو سال کی عمر میں ہی دادا کی بیعت سے مشرف ہو چکے تھے۔ سید العارفین کو آپ سے رشتۂ فرزندی کے علاوہ خصوصی عنایت و محبت تھی۔ جب آپ کے والد میر عظمت اللہ بیخبر سید العارفین سے چھ ماہ پہلے انتقال کر گئے تو سید العارفین قدس سرہٗ نے اپنی وفات سے کچھ پہلے میر نوازش علی کو خلافت و اجازت سے ممتاز فرما دیا اور خرقۂ خلافت جو آپ کو مرشد برحق میر سید احمد قدس سرہٗ سے ملا ہوا تھا، اپنے دست مبارک سے پہنایا۔ آج کل میر صاحب جد بزرگوار کے کمالات کے وارث ہیں۔ بلند مشرب اور ارجمند معارف کے مالک ہیں۔ ہمہ وقت یاد الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں، اور طالبان مولیٰ کی آنکھوں میں بصیرت کا سرمہ لگاتے ہیں زاد اللہ عمرہٗ۔

(۵۲) میر سید نور الحق سلمہ اللہ تعالیٰ (قدس سرہٗ)

سید العارفین شاہ لدھا کے دوسرے لڑکے اور صاحب البرکات سید برکت

اللہ بلگرامی جن کا بیان آگے آئے گا، کے داماد ہیں، آپ کی ولادت ۱۰۹۶ھ میں ہوئی۔ علامہ میر عبد الجلیل نے لفظ ''بخت مند'' سے تاریخ نکالی، ایام شعور کے شروع سے سید العارفین کی زندگی کے آخر تک باپ کی مہربانی کے سایہ میں تربیت پائی۔ اور اعلیٰ مقصد تک پہنچے۔ بلگرام سے باہر کم نکلتے ہیں، اور وطن میں ہی ظاہری اور باطنی طریقے سے سفر کا کجاوہ سجائے رکھتے ہیں مگر کبھی کبھی قصبہ مارہرہ جو صاحب البرکات کی قیام گاہ ہے، رشتہ داروں کی خواہش سے تشریف لے جاتے ہیں۔ سید العارفین نے اپنے انتقال سے پہلے ہی طالبان حق کی ہدایت کی اجازت دے کر مورد عنایت بنا دیا تھا۔ والد کے انتقال کے بعد ان کے مزار پائنتی مقیم ہیں اور ہمیشہ تمام اوقات خدا پرستی کے راستے رہبری کے سیدھے طریقہ پر بسر کر رہے ہیں۔ اللہ ان کی عمر زیادہ فرمائے۔

(۵۳) سید نور اللہ قدس سرہٗ

آپ سید العارفین شاہ لدھا بلگرامی کے حقیقی چھوٹے بھائی ہیں، دل بریاں وچشم گریاں رکھتے تھے۔ خدا دوست، دنیا دشمن تھے۔ ابتدائے شعور میں تحصیل علم کے لئے نکلے اور شیخ ابو الفتح ساکن قصبہ نیوتنی علاقہ اودھ (لکھنؤ) کی خدمت میں شرف تلمذ حاصل کیا اور فاتحۂ فراغ پڑھی۔

ملا ابو الفتح قاضی ضیاء الدین کی اولاد سے ہیں جو نیوتنی کے بزرگوں میں تھے۔ اور احمد آباد (گجرات) شیخ وجیہ الدین علوی کی خدمت میں پہنچ کر کسب کمال حاصل کیا، اور فضیلت عالیہ حاصل کی تھی۔ شیخ نے ان پر خاص نظر عنایت کی اور اپنی لڑکی ان سے بیاہ دی۔ قاضی ضیاء الدین چند دنوں بعد اپنی بیوی کے ساتھ وطن لوٹ آئے۔ ملا ابو الفتح ایام جوانی میں تحصیل علم کے شوق میں قصبات میں پھرتے رہے، اور ملا محمد زماں ساکن کاکوری اور دوسرے فضلائے عصر سے علم کی

تحصیل کی۔اس کے بعد میر سید حسین شاگرد رشید میرزاہد کی خدمت میں جاکر کچھ دنوں تلمذ کیا، اور آخر میں میرزاہد کی خدمت میں بھی پہنچے اور آخر تک انہیں سے منسلک رہے۔اس کے بعد وطن لوٹ آئے اور شیخ پیر محمد لکھنوی سے مرید ہوئے اور تاحیات تدریس وافادہ میں مشغول رہے اور بہت سے لوگوں کو فیض پہنچایا۔

القصہ سید نوراللہ تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد دہلی روانہ ہو گئے اور سلطان المشائخ نظام الدین قدس سرہٗ کے جوار رحمت میں معتکف ہو گئے۔ایام اعتکاف میں بعض امراء نے روزینہ اور مدد معاش کے آراضی کی سند خدمت میں حاضر کر دی۔آپ نے اسے نامنظور کر دیا اور سند پھاڑ دی۔آخر میں سید العارفین سے مرید ہوئے اور سخت ریاضتیں طاقت سے زیادہ کھینچیں۔اس کے بعد آپ کی عجیب حالت ہوگئی۔رات رات بھر آنکھ نہیں جھپکتی تھی، اکثر روتے رہتے، کبھی رکوع میں ہوتے۔کبھی سجدے، میں شام سے صبح تک اسی حالت میں گزار دیتے تھے، اور حدیث شریف حتی تورمت قدماہ کا مصداق بن گئے تھے، کبھی کبھی تو یہ حال ہو جاتا کہ گیارہ گیارہ روز تک نہ کچھ کھاتے نہ پیتے۔ایک روز کھڑے تھے، چاہا کہ وضو کرنے کے لئے لوٹا اٹھائیں، آپ جھکے پھر ایسی حالت طاری ہوئی کہ تین روز تک رکوع کی حالت میں رہ گئے، اکثر دیوانگی طاری رہتی اور بے اختیار ہو جاتے اور گریبان چاک کرتے پھرتے تھے، سیم وزر قریب نہ بھٹکنے دیا۔فرماتے تھے: یہ مردار ہے اور مردار پر ہاتھ ڈالنا جائز نہیں (بایں ہمہ جذب وشوق) تشرع کے خیال سے احتساب کا جھنڈا اٹھامے رہتے تھے۔

ایک روز آزادوں کے گروہ کا ایک قلندر سید العارفین کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔اچانک باجے ڈھولک کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔قلندر گستاخانہ انداز میں سید العارفین سے کہنے لگا کہ جہاں سے مزامیر کی آواز آرہی ہے چلو وہاں چلیں۔سید نوراللہ نے جھڑک کر کہا، وہاں کیا ہے؟ قلندر نے کہا وہاں اللہ ہے، سید نوراللہ

اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا اٹھ اور اللہ کو دکھا۔ قلندر نے کہا نجاست اپنے جسم سے دور کردو۔ آپ نے پوچھا نجاست کیا ہے؟ کہا یہ لباس دنیوی جو تم نے پہن رکھا ہے۔ سید نور اللہ نے دستار زمین پر پھینکی اور کپڑے پھاڑ ڈالے اور کہا اللہ کو دکھا۔ قلندر ششدر و حیران رہ گیا اور عجز و تضرع اس پر طاری ہو گیا سید نور اللہ نے گریبان پکڑ لیا۔ آخر سید العارفین نے درمیان میں آکر قلندر کو ان کے ہاتھ سے چھڑایا۔

ایک رات تراویح کی نماز جماعت سے پڑھ رہے تھے۔ جب امام اس آیت پر پہنچا فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیراً یعنی تو انہیں چاہئے کہ تھوڑا ہنسیں اور بہت روئیں۔ (کنزالایمان، ع ۷ ار پ ۱۰ ار)

تو عین نماز میں بیہوش ہو گئے اور کئی روز تک سکون نہ ہوا۔

ایک روز اس راہ کے طے کرنے میں ایک مشکل پیش آئی۔ سید العارفین کی خدمت میں اس کا اظہار کیا۔ حضرت نے کچھ وظائف تلقین کرا دیئے پھر بھی عقدہ حل نہ ہوا تو فرمایا کہ جاؤ اور قرآن مجید حفظ کر ڈالو، چند پارے حفظ کئے تھے کہ عقدہ مشکل حل ہو گیا۔ آئے اور حضرت کے قدموں پر گر پڑے اور باقی قرآن مجید حفظ کرنے لگے، پچیس پارے ہی حفظ کئے تھے کہ اسی دوران آپ کے دونوں پاؤں کثرت قیام کی وجہ سے سوج گئے اور اسی عارضے میں اس دنیا سے گزر گئے۔ آخری وقت میں پوچھا گیا کہ کوئی تمنا ہو تو فرمائیے، فرمایا یہی ایک تمنا رہ گئی کہ بقیہ پانچ پارے حفظ کرنے کی مہلت نہ ملی۔ آپ کی وفات تیرہ شعبان ۱۱۱۳ھ میں واقع ہوئی۔ کاتب الحروف نے آیت کریمہ "بشریٰ کم الیوم جنات" تاریخ وفات پائی۔

آپ کے انتقال کے بعد وہ قرآن جو آپ تلاوت کرتے تھے، غائب ہو گیا، گھر کے لوگوں کو بہت افسوس ہوا، ایک شخص نے انہیں خواب میں دیکھا کہ قرآن فلاں کے گھر میں فلاں جگہ ہے، جب پتہ کیا گیا تو وہیں ملا۔

(۵۴) سید محمدی قدس سرہٗ

سید محمدی بن سید بدیع الدین عرف سید نتھا بن سید تاج الدین حجرہ نشین مذکور قدس سرہٗ۔

آپ سید العارفین کے سب سے پہلے خلیفہ ہیں، بچپن میں کلام اللہ کو حفظ کیا اور مولوی عبد الغفور متولی بلگرامی کی خدمت میں شرف تلمذ حاصل کیا۔ کتب درسیہ علی الترتیب پوری کیں، پھر سید العارفین سے مرید ہو کر سعادت کے دروازے اپنے اوپر کھولے اور سلوک کا راستہ آگہی کے قدم سے طے فرمایا، اور مبدا کو منتہیٰ تک پہنچایا۔ نیز خرقۂ خلافت واجازت کے زیور کرامت سے آراستہ ہوئے مگر خلوت گزینی کی قید میں نہیں رہے۔ زندگی شاہ عالم بہادر شاہ کے ساتھ بسر فرماتے تھے۔ بادشاہ نہایت ادب واحترام سے پیش آتا۔ ایک روز تنہائی میں بادشاہ سے گفتگو کر رہے تھے۔ دوران گفتگو ہاتھ بادشاہ کے زانو پر رکھ دیا۔ ایک شخص دیکھ رہا تھا، اس نے کہا ادب کا طریقہ ملحوظ رکھئے۔ بادشاہ نے اسے منع کر دیا اور کہا کہ اہل اللہ سے کبھی تعرض نہیں کرنا چاہیے۔

آپ بہت عالی مشرب، بلند حوصلہ تھے۔ باطنی قوت میں کامل درجہ رکھتے تھے، جو کوئی صاحب دل آپ سے ایک بار ملاقات کر لیتا، فرمانبردار اور معتقد ہو جاتا۔ ایک روز کسی شیخ سے ملاقات فرمائی، توحید کی بات درمیان میں آئی تو شیخ پر رقت طاری ہو گئی، آپ نے فرمایا تم سقائی کرتے ہو، شیخ نے کہا یہ بات تو ہم دونوں میں موجود ہے، تو سید صاحب نے فرمایا یہ بات نفس کی ہے اور میری اور تیری توحید میں گنجائش نہیں ہے۔

آپ کی وفات ۱۱۲۳ھ میں ہوئی۔ خوابگاہ محلہ حیدر آباد کی آبادی سے ملحق محلہ میدانپورہ کے شمالی باغ میں مزارات شہدا کے قریب ہے۔ اسی سال قاضی محمد

حافظ کا بھی انتقال ہوا جن کا ذکر آرہا ہے۔ علامہ مرحوم میر عبدالجلیل فرماتے ہیں۔

۱- چوں میر محمدی و قاضی حافظ بردند بیکساں سوئے جنت راہ

۲- گشتند بہ رضوان الٰہی واصل ہاتف تاریخ گفت ''رضوان اللہ''

۱۱۲۳ھ

۱- یعنی جب سید محمدی اور قاضی حافظ نے، ایک ہی ساتھ جنت کی راہ لی

۲- وہ دونوں رضوان میں پہنچ گئے، ہاتف نے ان کے انتقال کی تاریخ ''رضوان اللہ'' کہی

(۵۵) سید برکت اللہ ملقب بہ صاحب البرکات قدس سرہٗ

سید برکت اللہ بن سید اویس بن سید عبدالجلیل بن میر عبدالواحد اکبر بلگرامی قدس اللہ اسرارہم۔

آپ ایسے شاہباز ہیں جن کا آشیانہ سدرۃ المنتہیٰ ہے، ایسے بے مثل شہسوار ہیں جن کا میدان بلند آسمان ہے۔ ولایت کا نور آپ کے ماتھے پر ظاہر تھا اور فقر کا جلال جبین مبارک سے مترشح تھا زندگی بھر خالق کے آستانے پر سجدہ کناں رہے، کبھی مخلوق کی چوکھٹ پر قدم نہ رکھا، امیر ہوں یا فقیر سب آستاں کا فرش بنے رہے، آپ نے دنیا و آخرت میں سعادت کی بلندی جیت لی۔

اگرچہ ابتدا میں سید مربی بن سید عبدالنبی بلگرامی قدس اللہ اسرارہما سے مرید ہوئے، مگر آغاز شباب سے بڑھاپے کی عمر کے شروع حصہ تک سید العارفین کی صحبت سے لگے رہے، جس سے آپ کی استعداد کا عقیق حضور کے باطن کے فروغ سے کمال کا رنگ حاصل کرتا گیا اور حضرت کے مشرب خاص سے کافی نصیبہ پایا، پھر خلافت و اجازت کی سند حاصل کی، سید العارفین کو باطنی طور پر آپ سے کافی لگاؤ رہا، (یہی وجہ تھی) کہ معارف و حقائق پر مشتمل خطوط (حضور کی طرف سے)

اکثر آپ کے نام جاری ہوتے رہتے، ان میں سے بہت سے خطوط کتاب ''انیس المحققین'' میں درج ہیں، طالبین کو اس کے مطالعہ سے روحانی طور پر فیض ملتا ہے۔

شاہ فضل اللہ سے خلافت و اجازت

نیز صاحب البرکات نے دارالولایت کالپی جاکر مخدوم زادہ (شاہ فضل اللہ) سے بہت سی عنایات و برکات حاصل کیں، اور انہوں نے مثالی اجازت و خلافت عنایت فرما کر بلند رتبہ تک پہنچایا، پھر انہوں نے آپ کو نہایت اعزاز و اکرام سے رخصت فرمایا۔ صاحب البرکات نے اسی سلسلہ کو جاری فرمایا اور اپنے جد بزرگوار کے مزار کے علاقے قصبہ مارہرہ توابع دارالخلافہ اکبرآباد (آگرہ) تشریف لے گئے، وہیں وطنیت اختیار فرمائی پھر آپ کے ظہور کے جلوے سے میدان آفاق بھر گیا۔ بے شمار خلائق گوشے گوشے سے آکر آپ کے فیض تربیت سے مقصد اعلیٰ پانے لگے اور تفرقہ کے اوراق کی شیرازہ بندی کرنے لگے۔ ہمیشہ آپ کے ایثار کا ہاتھ کھلا رہتا اور ثواب آخرت کا ذخیرہ جمع کرتے رہتے تھے۔

آپ کی تصانیف سے رسالہ مسمیٰ ''سوال و جواب'' معانیٔ حقائق کے حل میں اور رسالہ مسمیٰ ''چہار انواع'' آداب میں اور رسالہ بنام ''عوارف ہندی'' جس میں زبان ہندی کے امثال کو حقائق کے معانی کی طرف موڑ دیا ہے، اور کافی نزاکت آفرینی کی ہے، اور ایک دیوان شعر اور مثنوی بنام ''ریاض عشق'' اور ایک رسالہ بنام ''پیم پرکاش'' جو ہندی اشعار پر مشتمل ہے، شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے فارسی و ہندی کے کچھ اشعار دفتر ثانی کی آخری دو فصلوں میں شامل کئے جائیں گے، انشاءاللہ تعالیٰ۔

آپ کی ولادت ۱۰۷۰ھ میں ہوئی ''عظیم الہدیٰ'' تاریخ ہے اور روز عاشورہ ۱۱۴۲ھ میں عالم سفلی سے کوچ کیا اور امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح مقدس کے ساتھ فردوس اعلیٰ کی سیر کو چلے گئے۔ عمر شریف بہتر سال ہوئی، قبر مبارک مارہرہ

میں زیارت و برکات کی جلوہ گاہ ہے۔

چونکہ عاشورہ کے روز امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت واقع ہوئی، اس لئے آپ کا عرس پندرہ محرم الحرام کو رکھا گیا ہے، راقم الحروف کہتا ہے۔

۱- بیدار دلے رفت سوئے محفل قدس بربست ز صحرائے جہاں محمل قدس

۲- تاریخ وصال او خرد کرد رقم صاحب برکات وصل منزل قدس

۱۱۴۲ھ

۱-یعنی ایک بیدار دل پاک محفل کی طرف روانہ ہوا، اس نے اپنا کجاوہ دنیا کے صحرا سے باندھ لیا۔

۲-خرد نے ان کے انتقال کی تاریخ لکھی، صاحب برکات پاک منزل میں پہنچ گئے۔

(۵۶) سید آل محمد قدس سرہٗ

سید آل محمد بن سید برکت اللہ قدس سرہٗ انیسویں رمضان المبارک بروز جمعرات ۱۱۱۱ھ میں بلگرام میں پیدا ہوئے۔ پدر بزرگوار کے سایۂ عاطفت میں باطنی تربیت پائی اور خرقہ خلافت و سلاسل خمسہ کی اجازت سے سعادت کی زنجیریں ہاتھ میں لائیں۔ والد بزرگوار کے انتقال کے بعد دارلقرار (مارہرہ) میں آبائے کرام کے سجادہ نشیں ہوئے، اور سید العارفین قدس سرہٗ سے بھی خلافت کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت قدس سرہٗ نے خلافت نامہ و دستار مبارک عطا کر کے آپ کا سر افتخار آسمان پر پہنچا دیا، حضرت موصوف کی بزرگی کا شہرہ عام ہوا، شریعت کی پاسداری پوری جدو جہد سے کرتے تھے۔ امراض قلبی دور کرنے میں مسیحائی رکھتے تھے، اور وادئ شوق کے سرمستوں کی اچاٹ طبیعتوں کو سکون بخشتے تھے اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق بہترین تیر انداز تھے، آپ کے دست و بازو شانہ کی صفائی کے لئے تیر و کمان کی درستگی میں لگے رہتے۔ بیشتر اوقات کتب

تصوف خصوصاً والد ماجد کے مؤلفات کے مطالعہ میں مشغول رہتے۔ اطراف عالم کے بہت سے لوگ آپ کی بیعت سے فائز المرام ہوئے۔ سید صاحب ۱۵ر تاریخ (۱) ۱۱۶۴ھ میں نزہتکدۂ قدس میں آرام فرما ہوئے، اور مارہرہ میں مدفون ہوئے مولف اوراق کہتا ہے۔

۱- چراغ آل عبا شمع دومان علا فزود جلوۂ اورونق حریم بہشت

۲- افادہ کرد بمن سال رحلتش ہاتف نصیب آل محمد بود نعیم بہشت

۱۱۶۴ھ

یعنی ۱- آل عبا کا چراغ، اعلیٰ خاندان کی شمع، جن کے جلوؤں نے حریم بہشت کی رونق بڑھائی۔

۲- ہاتف نے مجھے ان کے سال وفات کی اس طرح خبر دی، بہشت کی نعمتیں آل محمد کا حصہ ہیں۔

(۵۷) سید نجات اللہ معروف بہ شاہ میاں قدس سرہٗ

سید نجات اللہ بن سید برکت اللہ قدس سرہٗ فضائل وکمالات کے جامع، نیک خصلتوں کے حامل، صاحب خلق عظیم وجود کریم ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۱۱۷ھ میں بلگرام میں ہوئی اور یہیں نشو ونما بھی پائی، ابتدا سے آخر تک معارف کے ثمرات والد ماجد کے شجرۂ گرانقدر سے چنتے رہے، ذوق روحانی سے کامل حصہ پایا، والد ماجد کے انتقال کے بعد سجادہ ارشاد پر رونق افروز ہوئے۔

سید العارفین کی خدمت میں عریضہ بھیج کر خلافت کی استدعا کی، حضرت نے اپنی عنایت سے خلافت نامہ ودستار مبارک سے نوازا، آج کل مارہرہ میں علم ہدایت بلند کئے ہوئے ہیں، اور کثرت کے ارکان کو وحدت کے دائرے میں کھینچتے

(۱) آپ کا وصال ۱۵ر رمضان المبارک ۱۱۶۴ھ ہے روضۃ الکرام ص ۲۴۲، اصح التواریخ ۱۲

ہیں۔ احیائے قلوب میں مسیحائی کا درجہ رکھتے ہیں، آپ کے لطف وکرم سے شکستہ دلوں کو مومیائی حاصل ہوتی ہے، طبع سلیم اور ذہن رسا رکھتے ہیں اچھے اشعار کہنے میں مہارت حاصل ہے، اس دیار کی ایک دنیا آپ کے شرف ارادت سے مستفیض ہے۔

صاحب البرکات کی وصیت

صاحب البرکات نے اپنے بعض رسائل میں دونوں نیک بخت فرزندوں کو نصیحت فرمائی ہے، اور دونوں بھائی آیت کریمہ وتعیھا اذن واعیة یعنی اسے محفوظ رکھے وہ کان کہ سن کر محفوظ رکھتا ہو۔ (کنز الایمان، ع۵/پ۲۹) کے مفہوم پر کاربند ہیں اور توفیقات ربانی وتائیدات یزدانی سے معمور موعظت والی عبارت یہاں بعینها نقل کی جاتی ہے۔

''آل محمد ونجات اللہ سلامت رہیں۔ یہ چند نصیحتیں لکھی جاتی ہیں، اس پر عمل کریں اور اس رسالہ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھیں۔ چاہئے کہ یاد الٰہی میں مشغول رہا کریں، کتب فقہ وسلوک سے محبت رکھیں، اپنے مقام سے جنبش نہ کریں، مخلوق کے در پر اور دنیاوی لوگوں کے پاس نہ جائیں، ہاں قبروں کی زیارت اور اس عالم کو دیکھنے ضرور جائیں جو صاحب دل ہو یا کم سے کم اس کا ظاہر دین ودیانت سے معمور ہو، اور اس کے دیدار کو کونین کی سعادت جانیں۔ کسی بھی کام یا مقصد کے لئے حاکم یا اور کسی سے رجوع نہ کریں، کیوں کہ حاجت روائی کرنے والا کارساز موجود ہے۔ حسبنا اللہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے۔ خلق کے کاموں میں سب کے ساتھ نرمی ولجاجت سے پیش آئیں، یہ باعث ثواب ہے۔

ایک روز ایک حاکم کسی بات میں اس فقیر سے مخالفت کر بیٹھا، میں نے تعرض نہ کیا۔ اکثر اس کے عزیزوں نے التجا کی لیکن قبول نہ کیا، اور کہا کہ اگر فلاں مجھے ایک رقعہ لکھ دے تو اس مخالفت سے باز آجاؤں گا، وہ سب اس محتاج الی اللہ

سے رقعہ لکھنے کا تقاضا کرنے لگے، ناچار یہ شعر لکھ کے بھیج دیا۔

آنکہ رخسار ترا رنگ گل ونسرین داد☆صبر وآرام تواند بہ من مسکیں داد

یعنی جس ذات نے تیرے رخسار کو گلاب ونسرین کا رنگ عطا کیا، وہی مجھ کمزور کو صبر وآرام عطا فرمائے گا۔

اسے پڑھتے ہی اختلاف سے باز آ گیا اور موافق ہو گیا۔

بہر حال اسی کی یاد میں رہیں اور اس کی یاد قائم رکھنے کے لئے زبان و دل سے ففروا الی اللّٰہ تو اللہ کی طرف بھاگو (کنز الایمان ع ۲/ پ ۲۷) اور ولاتقنطوا من رحمة اللّٰه وتوكلوا على اللّٰه کا ورد رکھیں اور طریقۂ ظاہر کو بلاتردد پیش نظر رکھیں، شعار دین میں جس قدر بھی اہتمام وتکلف ہو سکے، اس سے دریغ نہ کریں، اور جاهد وافي سبيل اللّٰه جی ہاں جہاد اکبر یہی ہے کہ خود کو آرام نہ دیں تا کہ کبھی آرام طلب نہ ہوں، نفس سے جنگ کریں۔ حکام سے رجوع نہ کریں اور خلق پر ہرگز اعتماد نہ کریں، نہ ان کے دست نگر ہوں۔

۱- باغ مرا چہ حاجت سرو وصنوبر است　　شمشاد خانہ پرور ما از کہ کمتر است

۲- نصیحتِ کنمت یاد گیر ودر عمل آر　　کہ ایں حدیث ز پیر طریقتم یاد است

۳- مجو درستی عہد از جہان سست نہاد　　کہ ایں عجوز عروس ہزار داماد است

یعنی ۱- میرے باغیچہ کو سرو و چلغوزہ کے درختوں کی کیا ضرورت ہے، ہمارے گھر کا پروردہ شمشاد کیا کسی سے کم ہے۔

۲- میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں، اس کو یاد رکھو اور اس پر عمل کرو، کیوں کہ یہ بڑھیا (دنیا) ہزاروں شوہروں کی دلہن ہے۔

خلاصہ یہ کہ علم وعمل سامنے رکھیں اور اس پر مغرور نہ ہوں اور اس کی آرزو کریں کہ دل بریاں، چشم گریاں، عمل خالص، اجابت دعا، رفاقت درویشاں، مسکن مسجد، آہ دردناک واخفائے حال، مدد الٰہی اور فیض ناتمنا ہی سے میسر

آجائے۔آمین ثم آمین

میں اسی حال میں تھا کہ دل نے مجھ پر عتاب کیا، جان نے پیچ وتاب کھائی بقول مشہور کے مطابق خودرا فضیحت دیگراں رانصیحت۔

اے ناہموار! تیرے بال سفید ہو گئے اور تیرا دل ابھی تک سیاہ ہے، تیرا ظاہر آراستہ تیرا باطن تباہ ہے۔بس اپنا کام دیکھ اور اپنے حال پر غم کھا۔کون سی نیکی تجھ سے سرزد ہوگئی ہے کہ دوسروں کونصیحت کرتا ہے اور کون سا اچھا کام تجھ سے واقع ہوا ہے کہ ارشاد فرماتا ہے۔رہنے بھی دے اور وقت ہاتھ سے مت جانے دے۔

بنشیں پس کار و دیدہ بر دوز ☆ از نار فراق خود ہمی سوز

یعنی اپنی فکر کر اور آنکھیں بند کر لے، اپنی جدائی کی آگ سے اسی طرح جلتا رہ

یہ گندم نمائی اور جوفروشی کہاں تک (منافقانہ روش) ایسا رہ جیسا تو نظر آئے اور ایسا نظر آ جیسا تو ہے، بلکہ میں جتنا ہی نیک نظر آتا ہوں، اتنا ہی گیا گزرا ہوں۔جب دل نے کہا افسوس صد افسوس کہ۔

وقت عزیز رفت بیا تا قضا کنیم ☆ عمرے کہ بے حضور صراحی و جام رفت

یعنی، قیمتی وقت گزر گیا۔آؤ کہ اب ہم زندگی کے ان اوقات کو پورا کریں جو صراحی اور جام کے بغیر گزر گئے۔

اب بس کرتا ہوں، توبہ کرتا ہوں اور خاموشی اختیار کرتا ہوں، بڑے جوش و خروش میں آگیا تھا، بالآخر مجھے ہوش آ گیا "یخرج الحی من المیت بمنہٖ و کرمہ" یعنی وہ (اللہ تعالیٰ) مردہ کو زندہ فرما کر اپنے کرم و احسان زندہ نکالتا ہے۔

(۵۸) سید عین الدین قدس سرہٗ

سید عین الدین بن سید حسین بن سید ابو الفتح بن میر عبد الجلیل بن میر عبد

الواحد اکبر بلگرامی قدس اللہ اسرارہم۔ ابتدائے سن شعور میں کلام اللہ کو حفظ کیا اور عنفوان شباب میں حق جوئی کا میلان پیدا ہوا، پھر سید العارفین کے آستانۂ عالیہ سے منسلک ہوگئے اور حجت واضح ہونے کے بعد شرف بیعت حاصل کیا اور ریاضت کی ہانڈی میں خود کو پگھلا کر زر خالص بن کر نکلے۔ ذکر قلبی کی مشق اس درجہ کو پہنچی ہوئی تھی کہ راتوں کو جب سو جاتے تو دل سے باآواز بلند لوگ اسم جلالت کا ورد سنا کرتے۔ ابتدائے عمر سے آخر تک گوشۂ قناعت میں قدم بچھائے رہے اور تھوڑی سی زمین جو آپ کو ورثہ میں ملی تھی، اسی کی پیداوار پر گزر بسر کرتے تھے۔

لوگوں سے بہت کم ملتے جلتے، جنوں کو حاضر کرانے، شیطانوں کو جلانے میں کامل تصرف رکھتے تھے۔ آپ کی وفات بارہویں ہجری کی دوسری دہائی (۱۱۱۱ھ تا ۱۱۲۰ھ) میں ہوئی، آرامگاہ بلگرام ہے۔

(۶۰) سید محبّ اللہ بلگرامی قدس سرہٗ

آپ سید محمد اکبر کی نسل سے ہیں، سلسلۂ نسب اس طرح ہے: سید محبّ اللہ بن سید محمود بن سید محمد فاضل بن سید عبد الحکیم بن سید ابو القاسم بن سید خان محمد بن سید محمود اکبر قدس اللہ اسرارہم

جوانی کے ایام میں آپ کو کلام اللہ حفظ کرنے کا شوق بیدار ہوا، حویلی کے بالاخانے پر چڑھ گئے اور چھ ماہ میں پورا قرآن مجید یاد کرلیا۔ اس دوران کبھی نیچے اتر کے نہیں آئے، اس کے بعد تقویٰ وطہارت کی چادر کندھے پر ڈالی اور خود کو سید العارفین کے فتراک ارادت سے باندھ لیا، اور جامۂ ہستی کو ماہتاب فنا کے سپرد کر کے انوار سرمدی میں گم ہوگئے۔

آپ اپنی حالت کسی پر ظاہر نہیں کرتے تھے، یوں کہ کوئی شخص آپ کو اس

طائفہ (فقراء) سے نہیں گمان کرتا تھا، ظاہر تو سپاہی کے لباس میں تھا، مگر باطن یاد الٰہی میں مستغرق ہوتا۔ شجاعت ومردانگی میں اپنی مثال آپ تھے، بارہا آپ سے بڑے مہم سر ہوئے، آپ شاہزادہ محمد اعظم بن سلطان عالمگیر کے نوکر تھے۔ جب صوبہ اجین کی حکومت خلافت کی طرف سے شاہزادہ محمد اعظم کو تفویض ہوئی، اور نیابت میرزین العابدین بن فضائل خان کو سپرد ہوئی تو سید محبّ اللہ میر زین العابدین کے بزرگ منصبداروں کے زمرے میں اجین پہنچے اور اسی زمین پر گزر بسر کرنے لگے۔

اتفاقاً ایک سفر میں کسی روز فوج سے الگ ہو کر سرائے ''سیسی'' کے قریب پہنچے۔ دروازہ کے سامنے سایہ دار درختوں کے نیچے گھوڑے سے اتر پڑے اور زین پوش بچھا کر بیٹھ گئے، باوجودیکہ لشکر کے قیام کرنے کی منزل آگے تھی۔ خدمتگاروں سے فرمایا کہ سامان وغیرہ اتار لائیں پھر سفید لباس نکال کر کپڑے تبدیل کئے، شربت بنا کر نوش فرمایا اور قرآن کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد بستر پر آئے اور چادر اوڑھ کر سو گئے، اتنے میں مرزا سلطان نظر جو میر زین العابدین کے رشتہ دار اور فوج کے بخشی تھے، ان کی سید محبّ اللہ سے دوستی تھی، وہاں سے گزرے تو سید محبّ اللہ کے گھوڑے کو پہچان لیا۔ نزدیک پہنچ کر خادموں سے کہا کہ منزل آگے ہے۔ لہٰذا سید محبّ اللہ کو بیدار کر دو اور خود گھوڑے پر سے دو تین بار آواز دی مگر کوئی جواب نہ آیا پھر خدمتگاروں سے کہا کہ چادر ہٹائیں جب چادر ہٹائی گئی تو دیکھا کہ آپ جاں بحق ہو چکے ہیں، پھر مرزا سلطان نظر نے تجہیز وتکفین کر کے وہیں دفن کر دیا۔

میر سید احمد بلگرامی جو اس وقت صوبہ مالوہ کے علاقہ جات شاہجہاں پور، سجاولپور، اندور وغیرہ میں مصروف تھے، اور میر سید لطف اللہ جو سید محبّ اللہ کے حقیقی بھائی تھے میر سید احمد کے ساتھ تھے۔ انہوں نے ایک شخص کو زر نقد دے کر

بھیجا کہ مرحوم بھائی کی قبر پختہ بنوائے۔ جب فرستادہ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ اس سرائے کا حاکم قبر کا چبوترا پہلے سے ہی اینٹ اور چونے سے تعمیر کرا چکا ہے۔

اور آپ کا گھوڑا گھاس دانہ چھوڑ کر رات و دن روتا تھا۔ لہٰذا حاکم نے تین دن کے بعد گھوڑے کو ذبح کر کے پائتی کی طرف دفن کر دیا اور گھوڑے کی قبر مربع بنوادی نیز ایک کنواں کھودوا کر اسے بھی اینٹ سے تعمیر کرا دیا۔ وہاں کے لوگ سید صاحب کی زیارت کے لئے آتے ہیں، نقارے بجاتے ہیں، اور نذر و نیاز کرتے ہیں۔

تاریخ وفات و تعارف سیسی

آپ کی وفات چودہ شعبان ۱۱۰۰ھ میں ہوئی۔ سرائے سیسی کی چہار دیواری سنگین ہے، سید صاحب کی قبر اکبرآباد (آگرہ) کی طرف کھلنے والے دروازہ کے سامنے ہے۔ یہ سیسی، ترور اور کالا باغ کے درمیان سپری کے علاقہ میں ہے۔

کلام اللہ کا تیسواں پارہ سید محبّ اللہ کے ہاتھ کا لکھا پندرہ جلدوں میں مکمل صحت کے ساتھ آج بھی موجود ہے، لوگ اس کی تلاوت کرتے ہیں اور اس نسخے سے دوسرے نسخوں کی تصحیح کرتے ہیں۔

سید العارفین قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ سید محبّ اللہ کہا کرتے تھے جس وقت میں کلمۂ طیبہ لا الٰہ کا ورد کرتا ہوں اس وقت کوئی بھی چیز میری نگاہ کے سامنے نہیں رہتی، اور جب الا اللہ کہتا ہوں ساری اشیاء موجود ہو جاتی ہیں، نیز سید العارفین فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے سید محبّ اللہ کے پاس ایک خط لکھا اور اس میں یہ شعر درج کر دیا۔

غیرت روا نہ داشت کہ برقع برافگنم ☆ تا جملہ بنگرند کہ جانانۂ خودم

یعنی میری غیرت نے یہ گوارہ نہ کیا کہ نقاب اٹھاؤں کہ سبھی لوگ دیکھ لیں کیوں کہ میں خود اپنا ہی محبوب ہوں۔

سید محبّ اللہ نے شعر مذکور کے مقابلے میں یہ بیت لکھا کہ۔

جز تو کس نیست ترا بیند ☆ ز چہ برقع نمی کشائی تو

یعنی تیرے سوا یہاں کوئی نہیں جو تجھے دیکھے، پھر کس لئے نقاب نہیں اٹھاتے

سید العارفین فرماتے ہیں کہ سید محبّ اللہ کا کلام میرے کلام سے سبقت لے گیا۔

(۶۰) میر سید لطف اللہ معروف بہ خورد میر قدس سرہٗ

سید محبّ اللہ کے حقیقی وطریقی بھائی ہیں، اگر چہ بظاہر امیروں کی ملازمت میں رہے مگر حقیقت میں خلوت کی شمع، جلوت کی بزم میں روشن کرتے تھے، کافی سرمایہ رکھتے، بلا تصنع وریا ہمیشہ اسے محتاجوں کی ضرورت پوری کرنے میں خرچ فرمایا کرتے، لوگ آپ کے احسان ومروت کی قدر کرتے تھے۔ امراء کی ملازمت میں ہونے کے باوجود آپ صلاح وتقویٰ میں سعی بلیغ کرتے۔ کسی گھڑی (یاد خدا سے) غافل نہ رہتے، نہ کبھی آپ کی تہجد کی نماز فوت ہوئی، ظاہری وباطنی دونوں طرح کی دولتوں سے مالا مال ہوکر زندگی بسر فرمائی۔

۱۱۳۲ھ میں دار الخلافہ شاہجہان آباد سے بلگرام آرہے تھے۔ قضا سے سکندرہ اور قنوج کے بیچ رہزنوں نے گھیر کر آپ کو زخم کاری پہنچایا، اسی حال میں وطن پہنچے اور انہیں زخموں کی وجہ سے ایک ہفتہ بعد سرخ موت کا جام پیا اور اس قبرستان میں جو قلعہ سید احمد بن سید بڈھ سے متصل شمال کی طرف ہے۔ آرام فرما ہوئے۔ میں نے آیت "رضوا عنہ" تاریخ پائی ہے۔ استاذ المحققین میر سید طفیل محمد نے ان کی تجہیز وتکفین کی ذمہ داری نبھائی۔

(۶۱) شیخ محمد سلیم قدس سرہٗ

بلگرام کے قاضی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اور قاضی یوسف عثمانی کی اولاد میں ہیں، یکتائے زمانہ تھے۔ تمکنت، وقار اور اخلاق حمیدہ کے مجسمہ تھے۔

ابتداء میں کچھ عرصہ بلگرام کا منصب قضا سنبھالا اور نہایت امانت و دیانتداری سے کام سرانجام دیتے رہے۔ آخر اپنی عالی ہمتی کی وجہ سے کنارہ کش ہوکر قضا کا عہدہ اپنے بھتیجے قاضی محمد حافظ کو سونپ دیا، اس کے بعد جبل المتین یعنی سید العارفین کے دامن ارادت کو مضبوط تھام کر سعادت حاصل کی۔ کئی سال آپ کی خدمت گزاری کا شرف حاصل کرتے رہے، اور اپنی استعداد کے ہلال کو حضرت کی پاکیزہ کرنوں سے چن چن کر بدر کامل بناتے رہے۔

اٹھائیس محرم ۱۱۱۴ھ میں منهم من قضىٰ نحبه ان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا (کنزالایمان ع ۱۹/ پ ۲۱) کی لڑی میں منسلک ہو گئے (انتقال فرما گئے) مرقد مبارک میر سید احمد کے قلعہ کے پاس والے باغیچہ میں ایک بڑے مربع چبوترے پر ہے۔ راقم الحروف نے تاریخ وفات آیت کریمہ ویجزی الذین احسنوا بالحسنىٰ اور نیکی کرنے والوں کو نہایت اچھا صلہ عطا فرمائے (کنزالاعمال ع ۶/ پ ۲۷) سے استخراج کی ہے۔

جب سید العارفین قدس سرہٗ کے صاحب سجادہ میر نوازش علی متولد ہوئے تو شیخ محمد سلیم نے اپنے اہل خانہ کو عالم خواب میں بشارت فرمائی کہ رات حضرت شاہ لدھا کے نبیرۂ کرامت پیدا ہوئے ہیں۔ گھر میں علامتی لباس موجود ہے۔ بطور نیاز بھیج دو جب اہل خانہ بیدار ہوئے، آپ کے اشارے کے مطابق نذر کر آئے۔

(۶۲) شیخ محمد حافظ قدس سرہٗ

یہ شیخ محمد سلیم کے بھتیجے ہیں۔ قدس اللہ اسرارہما۔ اپنے وقت میں نہایت مکرم و محترم بن کر رہے، شہر کے اکابر و اصاغر ادب و احترام سے پیش آتے تھے، بچپن میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا تھا، اوائل جوانی میں تحصیل علم شروع کی اور قاضی علیم اللہ کچندوی کے حلقۂ درس میں تلمذ کیا اور تمام طلبہ میں ممتاز بن کر نکلے۔ خط نسخ و

نستعلیق بہت عمدہ لکھتے تھے۔ جب شیخ محمد سلیم نے منصب قضا آپ کے سپرد کیا تو چند دنوں تک وقت کی ضرورت کی بنا پر اسے انجام دیتے رہے، مگر اس طرح کہ دل محبوب کی یاد میں اور ہاتھ کام میں مشغول رکھتے، دنیاوی مال کو عبرت کی ترازو میں تولتے، نہ سیم وزر کبھی جمع ہی کیا، آخر کار قضا کا منصب عم بزرگوار کے دستور کے مطابق اپنے کسی عزیز کو سونپ دیا۔ اس کے بعد سید العارفین سے مرید ہوئے اور بے انتہا ریاضتیں کیں اور کتاب حال کو داغ عشق کی مہر سے مزین کر دیا۔ بہت نیک صحبت، سراپا ذوق وشوق، اشعار مستانہ وار پڑھتے اور لرزنے گڑگڑانے لگتے۔

میر سید محمد سلمہ اللہ تعالیٰ خلف الصدق علامہ مرحوم میر عبدالجلیل بلگرامی نے فرمایا: ایک روز میں قاضی محمد حافظ کے گھر کے سامنے سے گزر رہا تھا، قاضی صاحب بلندی پر کھڑے تھے۔ میں نے سلام کیا اور چاہا کہ آگے بڑھ جاؤں۔ انہوں نے آواز دی کہ کھڑے رہئے اور مرزا صائب کا ایک شعر سماعت فرمایئے۔

ساعد سیمین او را تا کلیم اللہ دید ☆ نسخۂ افسوس شد دستے کہ در اعجاز داشت

یعنی اللہ کا ساعد سیمین جب کلیم اللہ نے دیکھا، تو ان کو اپنے اعجازی ہاتھ پر افسوس ہوا۔ اس وقت انہیں اس شعر کی تاثیر میں گم دیکھا۔ یہ بھی فرمایا کہ ایک روز قاضی صاحب کے گھر پہنچا، وہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اپنے والد کی امانت یہ اشعار لیجئے، اور امیر خسرو علیہ الرحمہ کی یہ غزل جو انہوں نے علامہ میر عبدالجلیل سے سنی تھی پڑھنے لگے، ایسے ذوق وشوق اور ایسی کیفیت سے پڑھ رہے تھے کہ زبان قال سے اس کی تعبیر نہیں ہوسکتی۔

۱- یار قبا چست کرد رخش بہ میداں برید ☆ ایں سر و ہر سر کہ ہست در خم چوگاں برید

۲- غمزہ زن مار سید ساختہ دارید جاں ☆ یوسف ما باز گشت مژدہ بہ کنعاں برید

۳- مست خراب مرا حاجت نقل ہست اگر ☆ ایں جگر خام سوز را بہ نمکداں برید

۴- نیست دلے چوں منے در خور شاہین شاہ ☆ پارۂ مردار را بر سگ درباں برید

۵- بردورخ از خوں نوشتہ خسرو دل خستہ حال   وہ زدل ماندہ ام قصہ بہ سلطاں برید

یعنی ۱- محبوب نے کمر کس لی، گھوڑا میدان میں لے جاؤ، یہ جو ہر سر کا سردار ہے اسے خم چوگاں میں لے جاؤ

۲- میری طرف آنکھ مارنے والا آ گیا اپنی جان بچاؤ، ہمارا یوسف لوٹ آیا کنعان میں یہ خوش خبری لے جاؤ

۳- میری خراب مستی کو اگر منتقل کرنے کی حاجت ہے، تو اسے نیم جلے جگر اور نمکدان میں لے جاؤ

۴- مجھ جیسے کا دل بادشاہ کے لائق نہیں اس مردار ٹکڑے کو دربان کے کتے کے پاس لے جاؤ

۵- خسرو نے خون سے دل کی خستہ حالی دونوں رخوں پر لکھی، میں انتہائی آزردہ ہوں بادشاہ کے پاس یہ بات لے جاؤ

آپ کی وفات چوبیس محرم ۱۱۲۳ھ مقام موہان توابع لکھنؤ میں واقع ہوئی۔ لاش بلگرام لائی گئی اور ستائیس محرم کو سپرد خاک کی گئی۔ آپ کی قبر قاضی محمد سلیم کے مرقد کے پائیں علیٰحدہ چبوترے پر ہے، آپ کا قطعہ تاریخ سید محمدی کے ذکر میں گزرا۔

(۶۳) شاہ رحمت اللہ قدس سرہٗ

آپ سادات حسینی واسطی بلگرام قبیلہ پچ بھیہ ساکن محلّہ میدانپورہ سے ہیں، آپ سلطان العاشقین، برہان العارفین ہیں۔ مجرد (غیر شادی شدہ) رہے، ابتدائے شعور سے ہی انہیں درد طلب نے آتش زیر پا کر دیا تھا، گھر بار چھوڑ کر ارادت وتوسل کا ہاتھ سید العارفین کے دامن سے لگالیا تھا، جام عرفان نوش کر کے مستانہ وار وصال کے انتہائی مقامات تک پہنچے، اور آزادی وگذشتگی کا شیوہ اپنا لیا، سال کے بارہ مہینے ایک چادر ایک ٹوپی اور ایک پاجامہ پر بسر کی اور محلّہ

میدانپورہ کی جامع مسجد کے ایک گوشہ میں گوشہ نشین ہو گئے، مال دنیا سے کچھ نہ رکھتے، نہ پوری زندگی سیم وزر کو ہاتھ لگایا، نہ ہی کسی سے کوئی چیز مانگنے کو لب کھولا۔ ہاں اپنے مرشد کے یہاں سے اتنا عطیہ لے لیتے تھے جس سے زندگی کی سانس چلتی رہے۔ اول اول آپ کے مزاج پر سکر و مستی کا عالم غالب آ گیا تھا، آخری عمر میں سکون و صحو کی حالت میں آ گئے، کسی کو مرید نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے کہ پیری مریدی ہمارے نزدیک صحبت کا نام ہے۔

ایک دوست نے مجھ سے بیان کیا کہ میں شاہ صاحب کا نہایت معتقد تھا۔ بار بار عرض کرتا کہ میں آپ سے بیعت کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں لیکن انکار فرما دیتے، ایک روز میں بہت مصر ہوا تو فرمایا کہ تمہارا مرید ہونے سے آخر کیا مقصد ہے، اگر یہ ہے کہ میں بروز قیامت تمہارے کام آؤں تو دو حال سے خالی نہیں، پہلی صورت میں میں تمہارا دوستدار ہوں پھر کون آشنا ایسا ہوگا جو قدرت رکھنے کے باوجود اپنے دوست کی خدمت سے پہلو تہی کرے۔ جس دن آپ نے یہ بات ارشاد کی اسی دن سے میں نے بیعت کا ارادہ ترک کر دیا۔

مظاہر قدرت سے بہت زیادہ رغبت رکھتے تھے۔ فقط حسن انسانی ہی سے رغبت نہ تھی، بلکہ ہر چیز جو آپ کو بھلی لگتی، اس پر فریفتہ ہو جاتے تھے، فرماتے تھے، میرا شوق سلامت رہے کہ جہاں نظر ڈالتا ہوں حسن ہی حسن نظر آتا ہے۔

ایک عجیب واقعہ

زبردست خاں ناظم صوبہ اودھ بلگرام سے گزرا، اس کے ہاتھی گزرنے لگے تو ایک ہاتھی دیکھ کر شاہ صاحب بہت خوش ہوئے اور دیکھتے دیکھتے قریب سات آٹھ کوس (تقریباً پچیس کلومیٹر) چلے گئے۔ فیل بان دیکھ رہے تھے کہ ایک برہنہ پا، بکھرے بالوں والا، فقیر ساتھ ساتھ چلا آ رہا ہے، ان لوگوں نے پوچھا کہ اے فقیر! کیا چاہتا ہے؟ فرمایا اس ہاتھی کو اچھی طرح دیکھنا چاہتا ہوں، حالانکہ ہاتھی

مست تھا، اور زنجیروں میں بندھا ہوا، فیل بان نیزے ہاتھ میں لئے ہوئے اس کے گرد چلے جا رہے تھے، فیل بانوں نے عرض کیا کہ ہاتھی مست ہے کہیں آپ کو گزند نہ پہنچائے، آپ نے فرمایا تمہیں اس سے کیا کام؟ ہاتھی کو کھڑا کر دیا، شاہ صاحب نزدیک پہنچے اور اچھی طرح دیکھا بھالا، حاضرین کا بیان ہے کہ اس وقت ہاتھی گویا جسم بے جان بنا ہوا تھا، جب فیل بانوں نے یہ معاملہ دیکھا تو نہایت تواضع سے پیش آئے، بضد ہوئے کہ آج ہماری منزل کو شرفِ بخشیں فرمایا کہ ہماری خواہش یہیں تک آنے کی تھی، اور واپس ہو گئے۔

جب کسی پر آپ کی نظر انتخاب پڑ جاتی تو پہلے وہ کتنا ہی غیر مقبول کیوں نہ رہا ہو، آپ کی توجہ کے پرتو سے مقبول خاص و عام ہو جاتا۔

حقیقی عشق کی مثال

ایک مرتبہ ایک شخص سے آپ کو دلی محبت ہو گئی جو نہایت سیاہ فام تھا۔ ایک عزیز نے اس مجلس میں جہاں راقم الحروف موجود تھا اعتراض کیا کہ شاہ صاحب بھی عجیب ہیں کہ اس کلوئے پر فریفتہ ہیں، ابھی اس کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ شاہ صاحب غیب سے ظاہر ہوئے اور معترض کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لیلیٰ کو مجنوں کی آنکھ سے دیکھنا چاہئے۔

ہاں اپنے منظور نظر کے ساتھ کبھی تنہا نہیں بیٹھتے تھے اور جب تک کوئی تیسرا موجود نہ ہوتا، اس کی طرف التفات نہیں کرتے تھے۔ تمام اکابر و اصاغر آپ کی آزاد منشی پر فریفتہ تھے اور نہایت ادب و احترام سے پیش آتے، آپ ہر شخص کو آئینہ کی طرح ایک نظر سے دیکھتے تھے۔ ہر شخص یہی سمجھتا کہ مجھ پر سب سے زیادہ مہربان ہیں، غلبۂ سکر کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ لوگوں نے زبانِ طعن دراز کر دیا اور سید العارفین کی خدمت میں شکایت کی، حضرت نے فرمایا کہ میرا شکاری ایک پیر پر بیٹھا ہے، اسے کچھ نہ کہو۔

موت کی آپ بہت آرزو کیا کرتے اور لذتوں کو توڑنے والی (موت) کو اکثر یاد کیا کرتے۔ ایک بار سانپ کو پکڑ لیا، اس نے آپ کے داہنے ہاتھ کی چھنگلیاں میں کاٹ لیا، زہر نے کوئی اثر نہ کیا۔ ایک بار اپنے دونوں ہاتھوں میں نشتر چبھو لیا جس سے خون نکلنے لگا، یہاں تک رگوں میں خون باقی نہ رہ گیا، اور بدن سفید ہو گیا، بار ہا آپ نے زہر قاتل کھایا لیکن موت نہ آئی جب موت نہ آنی ہو تو کوئی بھی چیز کارگر نہیں ہوتی۔

فرمایا کہ ایک بار میں شاہجہاں پور سے بلگرام آرہا تھا، جب "آٹھ کنویں" کی سرحد پر پہنچا، "آٹھ کنویں" ایک اچھا خاصا موضع ہے۔ وہاں ایک درخت کے نیچے اس گاؤں کا ایک شخص بیٹھا تھا، مجھ سے دور ہی سے کہا کہ اپنی چادر اتار دو، ابھی اس کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ چادر اتار کے پھینک دی اور اپنی راہ لی دو تین روز کے بعد روح الامین خاں بلگرامی نے جو اس وقت صوبہ اودھ کے بعض علاقوں کے حاکم تھے "آٹھ کنویں" پہنچ کر اس کو تاراج کر ڈالا، اور وہاں کے گیارہ سو آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، لوگوں نے اسے شاہ صاحب کی کرامت پر محمول کیا مگر آپ نے فرمایا کہ اس میں یہ راز تھا کہ میری چادر جوؤں سے بھری ہوئی تھی، میں انہیں بدن سے کبھی جدا نہیں کرتا تھا کہ رزاق حقیقی ان کا رزق میرے جسم سے پہنچا رہا ہے اور اس لٹیرے نے (جوؤں) کی پوری جماعت کو بے رزق کر کے ہلاک کر ڈالا تو ایک شخص کی شامت کی وجہ سے غیرت الٰہی نے جم غفیر کو تہ تیغ کر ڈالا، کیوں کہ تمام مخلوقات کے اندر یکسانیت ہے اور خدائی میزان عدل میں ایک برابر وما من دابة فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیه الا امم امثالکم، اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پروں پر اڑتا ہے مگر تم جیسی امتیں (کنزالایمان ع ۱۰/ پ ۷) اسی وجہ سے گروہ ابدال قدس اللہ اسرارہم کسی بھی موذی کو تکلیف نہیں دیتے اور ہر اذیت گویا

شربت شیریں کی مانند نوش کر لیتے ہیں، شاہ صاحب کی اس ستم کشی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ گویا آپ مقام ایوبی پر فائز تھے۔

ایک عزیز کا کہنا ہے کہ میں اور شاہ صاحب قصبہ سانڈی سے بلگرام آرہے تھے۔ سانڈی کے باغ میں ایک چور قتل کر کے لٹکا دیا گیا تھا۔ شاہ صاحب نے کہا ذرا ٹھہرو! اور خود جا کر چور کے پاؤں چوم لئے، میں نے پوچھا یہ کیا بات ہوئی؟ آپ نے فرمایا کہ اس چور نے اپنا فن کمال تک پہنچایا، حق تعالیٰ ہر شخص کو اس کے طریقہ میں جو وہ اختیار کرے، اس چور کی طرح ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

ایک روز بلگرام سے چند لوگ کسی تقریب میں ''جاجموٗ'' جا رہے تھے۔ دریائے گنگا جاجموٗ کے نیچے بہتا ہے۔ جس کشتی میں یہ لوگ بیٹھے تھے شاہ صاحب بھی اسی میں بیٹھے تھے، ایک شناسا نے دریا کے کنارے سے جہاں ساحل جہت اونچا تھا، شاہ صاحب سے ملنے کے اشتیاق میں انہیں کشتی میں دیکھتے ہی دریا میں چھلانگ لگا دی۔ شاہ صاحب بھی ہاتھ پھیلا کر دریا میں کود پڑے اور دونوں ہم آغوش ہو کر پانی کی تہہ میں چلے گئے، پھر کشتی سے ایک شور اٹھا۔ ملاح بڑی تیزی سے وہاں پہنچے اور دونوں دریائے محبت کے آشناؤں کو نکال کر کشتی میں بٹھایا۔

ایک رات بلگرام سے ''ملاواں'' جا رہے تھے۔ رات کے پچھلے پہر وہاں پہنچے، پولیس والوں نے چور سمجھ کر گرفتار کر لیا اور قید خانے میں ڈال دیا صبح کو داروغہ کو اطلاع دی گئی تو داروغہ نے انہیں بلایا اور جب جمال مبارک پر نظر پڑی قدموں پر گرا اور معافی مانگنے لگا۔

ایک دن سید محمد باقر فاضل بلگرامی ایک بچے کو شاہ صاحب کے پاس لائے اور التماس کی کہ یہ بچہ یتیم ہے، اس کے حق میں دعا فرمائیے۔ فرمایا کہ یہ بچہ یتیم نہیں ہے، کیوں کہ عقل و فہم کافی رکھتا ہے۔ یتیم وہی ہے جس کے پاس عقل و فراست صحیح نہ ہو۔

آپ کی وفات کا قصہ یوں ہے کہ شہر میں کسی تقریب میں لوگوں کو جمع ہونا تھا۔ ہر محلہ کے لوگ ایک مکان میں جمع ہوئے اور ایک عظیم جمگھٹا، حسن کی جلوہ افروزی اور نغمہ کی دلفریبی کے ساتھ منعقد ہوا۔ شاہ صاحب جو انوکھا ذوق اور عجیب حالت رکھتے تھے، اس ہنگامے میں نہایت مست ہو گئے، اور اچانک اٹھ کھڑے ہوئے اور حاضرین مجلس سے فرداً فرداً رخصت لی، اس ڈھنگ سے گویا کسی دور دراز سفر پر جا رہے ہوں۔ لوگوں نے استفسار کیا تو آپ نے مبہم سا جواب دیا پھر راتوں رات قصبہ ملاواں پہنچے جو بلگرام سے چھ کوس (انیس کلومیٹر) ہے اور وہاں کے قاضی صاحب سے پرانے تعلقات کی وجہ سے ملاقات کی اور صبح تڑکے قاضی صاحب کو لئے موضع فرحت نگر جو ملاواں سے ایک کوس (تین کلومیٹر) پر ہے، چل پڑے اور اس باغ کی سیر کو نکل گئے جو قاضی صاحب نے اس موضع میں لگایا تھا، اور پھول کے ایک درخت کو پسند کر کے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ قاضی صاحب! جب میں انتقال کر جاؤں تو اسی درخت کے پاس دفن کر دینا۔ قاضی صاحب نے عرض کی کہ آپ کے مرقد پر عالیشان گنبد تعمیر کراؤں گا آپ نے جواب میں یہ مصرعہ پڑھا۔ ع

برسر گور غریباں گنبد گردوں بس است

یعنی مسافروں کی قبر پر تو آسمانی گنبد ہی کافی ہے

اس روز پورے دن آپ پر سستی کا کوئی اثر نہ تھا۔ رات ہوئی تو قاضی صاحب سے فرمایا کہ اس رات میرا وعدہ آپہنچا ہے، رات کا ایک پہر گزرا ہوگا، پیٹ میں مروڑ پیدا ہوئی اور دو، تین گھڑی میں ہی جاں بحق ہو گئے۔ نزع کے وقت آپ نے دو تین مرتبہ کلمۂ حق زبان سے ادا فرمایا۔ جانکنی کے وقت سید عبد الوہاب بلگرامی نے پوچھا کیا حال ہے؟ آپ نے یہ شعر پڑھا۔

مست ذوق عرفیم کز نغمۂ توحید تو   لذت آوازہ درکام جہاں انداختہ

یعنی تیرے توحید کے نغمہ سے میں عرفان کا ذوق پا کر مست ہو گیا ہوں اور ناموری کی لذت دنیا کے والوں کے منہ میں ڈال دی گئی ہے۔

یہ واقعہ چودہ ربیع الآخر کی شب ۱۱۳۰ھ میں واقع ہوا۔ قبر شریف اسی موضع (فرحت نگر) میں ہے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے۔

۱- رحمت اللہ شاہ کشور دیں یافت در عالم تقدس راہ

۲- سال تاریخ رحلتش آزاد گفت ''مشمول رحمت اللہ''

۱۱۳۰ھ

یعنی ۱- کشور دین کے سلطان شاہ رحمت اللہ نے دنیائے تقدس کا سفر اختیار کرلیا۔

یعنی ۲- وہ رحمت الٰہی کے حصار کرم میں تشریف فرما ہیں۔

(۶۴) سید محمد بلگرامی قدس سرہٗ

محلہ میدانپورہ کے قبیلہ سادات پچ بھیا سے ہیں، سید العارفین کے مرید اور مشائخ کرام کے دیدار سے مشرف تھے۔ مرشد سے بیعت ہونے کے پہلے بہت سیاحت کی، بہت سے اہل دل کی صحبتیں اٹھائیں اور فیوض حاصل کیے، سالہا سال جسم توڑنے والی مگر روح پرور ریاضتیں کیں، علم دعوت اور تکسیر و جفر میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

ایک جوگی سے مقابلہ اور فتح

ایک دن بیان فرمایا کہ ایک بار میں نے بھاگلپور جانے کا ارادہ کیا، جس روز مجھے شہر میں داخل ہونا تھا، سخت بارش ہوئی اور سورج غروب ہونے لگا۔ شہر کے پاس ایک ہندو جوگی کی کٹیا نظر آئی، وہاں پناہ لی جب صبح ہوئی تو کلفت سفر اور آبلہ پائی کی وجہ سے اس روز کٹیا ہی میں ٹھہرا رہا، بہت سے ہندو مرد و عورتیں جو جوگی کے معتقد تھے جمع ہو گئے، اور میری نماز میں خلل پیدا کرنے لگے۔ میرا مزاج بگڑ

گیا۔ میں نے جوگی سے کہا یہ کیا مکروفریب کا جال بچھایا ہے، جوگی نے بھی غصے میں سخت سست کہا بات بڑھ گئی۔ جوگی نے کہا ٹھہر! تجھے ابھی ہلاک کرتا ہوں۔ میں نے کہا تجھے جو کرنا ہے کر لے۔ جوگی تھوڑی شکر لے آیا اور افسوں پڑھ کر دم کیا اور کہا اگر مرد ہے تو اسے کھا! میں نے فوراً اس کے ہاتھ سے لے کر پھانک لیا، بالکل اثر نہ ہوا، بس میں نے جوگی سے کہا کہ خبر دار ہو جا! اور سنگریزہ اٹھا کر بعض اسمائے جلالی پڑھ کر دم کیا اور جوگی کے اوپر پھینک دیا، فوراً وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔

دیو کا حملہ اور سید العارفین کی کرامت

ایک دن دعوت اسماء میں مشغول تھے کہ ناگہاں ایک دیو ڈراؤنی شکل میں ظاہر ہوا اور انہیں زمین سے اٹھا کر پٹخ دیا، آپ بیہوش ہو گئے جب افاقہ ہوا تو جسم میں جلن اور سینے میں سخت درد ہونے لگا۔ نہایت اضطراب میں سید العارفین قدس سرہٗ کے پاس پہنچے اور اپنا حال بیان کرنا چاہا، حضرت حقہ پی رہے تھے، ان کے کہنے سے پہلے فرمایا کہ اٹھو حقہ کا پانی تازہ کر لاؤ۔

سید محمد اٹھ کھڑے ہوئے، اور پانی نکالنے کے لئے ڈول کنویں میں ڈالا۔ ادھر ڈول بھرنے کی آواز کانوں میں پڑی کہ سوزش اور درد میں کمی آ گئی پھر جب قلیان کا پانی تازہ کر کے حضرت کے سامنے رکھا تو صرف قلیان کی بھڑ بھڑ کی آواز سنتے ہی جو کچھ درد و سوزش باقی تھی وہ بھی ختم ہو گئی، اور حضرت کی بیعت سے مشرف ہونے کے بعد تو آپ کی حالت عجیب ہو گئی (گویا) ایک برق تپاں، خرمن (زندگی) میں لگ گیا کہ دنیا و مافیہا کو پس پشت ڈال دیا، زن و فرزند، یار و آشنا سب بیگانے ہو گئے اور ہمہ وقت نماز و نوافل کی ادائے گی اور اوراد و وظائف میں مستغرق رہنے لگے اور اپنی ذات کو انوار سرمدی میں گم کر دیا۔ جذبات کے غلبہ کی وہ حالت ہو گئی تھی کہ ذراسی نغمہ کی آواز پر از خود رفتہ ہو جاتے اور قلق و اضطراب رونما ہو جاتا۔ موزوں آوازوں (راگ کے اشعار) سے بیخودی طاری

ہو جاتی اور اس شعر کا مصداق نظر آنے لگتے۔

کسانیکہ یزداں پرستی کنند ☆ بہ آواز دولاب مستی کنند

یعنی جو لوگ حقیقت میں خدائے تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، وہ رہٹ کی آواز سے بھی مستی میں آجاتے ہیں۔

دلسوز نالے اور گمشدگی

صبح و شام دل سوز نالے، جان گداز چیخیں نکالتے اور گھڑی بھر دم نہ لیتے، لوگ کہتے کہ تعجب ہے کہ اتنا چیخنے چلانے کے باوجود اس کا گلا پھٹ نہیں جاتا۔ اسی حالت میں ایک عزیز پرانی دوستی کی بنیاد پر الہ آباد لے گئے، لیکن وہاں بھی وہی شور و نالہ بندھا رہتا، پھر وہاں سے خود کالپی پہنچے اور فلک ولایت کے دونوں قطب یعنی میر سید محمد و میر سید احمد قدس اللہ اسرارہما کے مرقد کے پائینتی والے حجرے میں گوشہ نشیں ہو گئے، اور خمول و گمنامی کے گوشے میں قدم جما دیئے اور اختلاط خلق کا دروازہ بند کر لیا۔ شورش و نالہ روز بروز بڑھتا گیا، یہاں تک کہ وہاں سے کہیں اور نکل پڑے، آخری عمر میں حج کا مصمم ارادہ کر لیا تھا، ظن غالب ہے کہ میر صاحب حرمین شریفین کے راستے میں خود کو گنوا بیٹھے۔ گم ہونے کا یہ سانحہ ۱۱۴۱ھ میں پیش آیا۔

(۶۵) سید غلام مصطفےٰ قدس سرہٗ

سید غلام مصطفےٰ بن سید عبد اللہ، سید العارفین کے سگے بھتیجے اور آپ کے خاص مریدوں میں ہیں، عالی مشرب رکھتے تھے۔ فقر و درویشی میں کامل درجہ تھا، حسن خلق و تواضع میں اونچا مرتبہ رکھتے۔ ابتدائے حال میں اتنا رنگ نہ چڑھا تھا، عالم جوانی میں قائد توفیق نے رہنمائی کی، اور باطن و ظاہر کی آراستگی میں مدد کی، اس کے بعد آپ نے دست توسل سید العارفین کی طرف بڑھایا اور ریاضت و

مجاہدہ کا طریقہ اختیار فرمایا اور قدم کمال کے زینے پر رکھ کر تکمیل کی چوٹی پر پہنچ گئے، ہمیشہ سپاہ گری کو لابدی رزق حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا، مگر چھپ چھپ کر سیر فی اللہ کا سمندر میں بھی گھوڑا دوڑاتے رہتے، لیکن چونکہ ولایت کے آثار آپ کی پیشانی سے ہویدا تھے۔ اس لئے اس لباس میں بھی لوگ ان کے گرویدہ ہو جاتے، اور نہایت عقیدت سے ملاقات کرتے، راقم الحروف پر بہت مہربان تھے اور اپنے نیتجہ ہائے افکار (اشعار) اکثر خط و کتابت کے ذریعہ بھیجتے رہتے۔

جنگ اور شہادت

مولف اوراق ۱۱۳۶ھ میں دارالخلافہ شاہجہاں آباد میں حضرت علامہ میر عبد الجلیل بلگرامی کے سایۂ عاطفت میں رہ رہا تھا۔ موصوف بھی نواب مبارز الملک سربلند خان اتونی کی نوکری کے تعلق سے وہاں انہیں دنوں پہنچے اور سراسر اسرار قیوم مثنوی روم قدس سرہٗ حضرت علامہ کے پاس پڑھی، انہیں ایام میں نواب مذکور کو صوبہ گجرات احمد آباد کی حکومت خلافت کی طرف سے سونپی گئی۔ موصوف بھی نواب کی رکاب میں اس علاقے میں چلے گئے پھر جب گجرات کی حکومت نواب صاحب کی معزولی کے بعد راجہ اجے سنگھ ولد راجہ اجیت سنگھ حاکم مارواڑ کو سونپی گئی، تو نواب اور راجہ میں اختلاف پیدا ہو گیا، احمد آباد کے علاقے میں سخت جنگ چھڑ گئی، سید غلام مصطفیٰ نے اسی معرکہ میں جام شہادت پیا اور احیاء عند ربھم یرزقون وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں (کنز الایمان ع/۸/پ۴) کی لڑی میں منسلک ہو گئے۔

نعش مبارک کی گمشدگی

یہ واقعہ آٹھ ربیع الآخر ۱۱۴۳ھ میں پیش آیا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد تمام شہداء کی لاشیں ملیں مگر سید غلام مصطفیٰ کی لاش بہت تلاش و جستجو کے باوجود بھی نہ آپ نے اپنی شہادت سے چند روز پہلے ایک رباعی کہی تھی اور آئندہ ہونے

والے واقعہ کے متعلق خبر دی تھی۔ وہ رباعی یہ ہے۔

۱- در خلوت ما ورای ما یاری نیست   یعنی کہ بہ عرش و فرش اغیاری نیست
۲- ما روئے مجردیم ز آرائش مرگ   ما را بہ جنازہ و کفن کاری نیست

یعنی ۱- ہماری تنہائی میں ہمارے سوا کوئی یار نہیں ہے، یعنی زمین و آسمان و زمین میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔

۲- ہم ایسی روح ہیں جو زینت موت سے آزاد ہے، ہمیں جنازہ اور کفن کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

سید نجابت کی شہادت

اس جنگ میں سید نجابت بھی شہادت کے مرتبۂ علیا سے فائز ہوئے۔ سید نجابت سید غلام مصطفیٰ کے سگے بڑے بھائی اور سید العارفین کے مرید ہیں، صلاح و تقویٰ کے زیور سے آراستہ تھے، اپنے وقت کے بہادروں کے سردار تھے، بڑے بڑے معرکوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ محرر سطور عرض کرتا ہے۔

۱- چو میر نجابت بہ شہادت برسید   ویں بادہ غلام مصطفیٰ نیز چشید
۲- از ہاتف غیب خواستم تاریخ   فرمودہ "شدند ہر دو ہمراہ شہید

(۱۱۴۳ھ)

یعنی ۱- جب میر نجابت نے شہادت پائی اور یہی شراب شہادت سید غلام مصطفیٰ نے پی۔

۲- تو ہاتف سے میں نے تاریخ طلب کی، اس نے کہا دونوں ساتھ ساتھ شہید ہوئے

(۶۶) سید فرید الدین قدس سرہٗ

سید فرید الدین معروف بہ سید بدلے بن سید خواجہ معین الدین بن سید عبد الوہاب بن سید اجمل بلگرامی قدس سرہٗ، جن کا تذکرہ پیش ہو چکا ہے۔

آپ اپنے وقت کے بزرگ متقی، متورع اور عمدہ فاضل تھے۔ خصائل رضیہ و

اوصاف حمیدہ سے متصف تھے۔ابتداء میں آپ اور سید قادری خلف الصدق سید ضیاء اللہ بلگرامی دونوں نے شیخ احمد معروف بہ ملا جیون امیٹھوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں تعلیم حاصل کی،اس کے بعد شیخ غلام نقشبند لکھنوی قدس سرہٗ کے حلقۂ درس میں پہنچے اور کتابوں کی تکمیل کی،سید فریدالدین نے شیخ ہی کی خدمت میں فاتحہ فراغ بھی پڑھی اور سید قادری نے کچھ حصہ چھوڑ دیا،سید فریدالدین تحصیل علم کے بعد شیخ جنید معروف بہ شیخی میاں سے مرید ہوئے،شیخی میاں کا سلسلۂ نسب یہ ہے،شیخی میاں بن شیخ عبدالواحد بن شیخ شبلی بن شیخ سری سقطی بن شیخ محمد بن شیخ نظام الدین امیٹھوی قدس اللہ اسرارہم۔

شیخی میاں سے مرید ہونے کے بعد سید قادری کے ساتھ حرمین شریفین زاد ہما اللہ شرفاً وکرامۃً کا ارادہ کرلیا،اس سعادت کے حصول سے فارغ ہونے کے بعد واپس سورت کی بندرگاہ میں پہنچ کر تدریس علوم وعبادت حی وقیوم میں لگ گئے۔

بارہویں صدی ہجری کی تیسری دہائی میں آخرت کا سفر اختیار کیا اور اسی شہر (سورت) میں مدفون ہوئے،کئی کتابیں مختصرات ومطولات سے محشیٰ ومصحح آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی بلگرام میں موجود ہیں۔

(۶۷)سید محمد قادری بلگرامی قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی سید محمد قادری ہے اور طریقت میں آپ کا لقب صاحب العرفان وکاشف الحقیقت ہے،آپ جملہ اوصاف ظاہری وباطنی سے متصف تھے اور شریعت غراء کی شان کی بڑی پاسداری کرتے تھے،کمسنی میں والد محترم سید ضیاء اللہ بلگرامی جن کا ذکر فصل ثانی میں آرہا ہے،کے پاس کلام اللہ حفظ کیا،تجوید سیکھی،اور ابتدائی درسی کتابوں کی تعلیم حاصل کی،اس کے بعد جیسا کہ بیان ہوا، ملا جیون امیٹھوی کی خدمت میں شاگردی کی،پھر وہاں سے شیخ غلام نقشبند لکھنوی

کے حلقۂ درس میں پہنچ کر بقیہ کتب درسیہ کی تکمیل کی، لیکن رسم فراغت ادا نہ کی، اس کے بعد قائد توفیق نے زمام توجہ حرمین محترمین زادہما اللہ شرفاً کی طرف موڑ دی، تین حج ادا کیے، اور مدینہ طیبہ علیٰ ساکنہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی زیارت سے مشرف ہوئے وہاں سے کرامت نہاد بغداد اور کربلائے معلیٰ کی زیارت کو نکل گئے، اثنائے راہ میں ڈاکوؤں نے گھیر کر نیزوں تلواروں سے بری طرح زخمی کر دیا اور سازو سامان لوٹ لیا، اس علاقے کے بعض بدویوں کو رحم آ گیا، تو اپنے گاؤں لے گئے اور تیمار داری کی۔ زخم ٹھیک ہو جانے کے بعد کربلائے مقدس چلے گئے، اور سبط شہید (امام حسین) کی زیارت سے دونوں جہاں کی سرخروئی حاصل کی، پھر دارالسلام بغداد کی جانب متوجہ ہوئے اور ۱۱۱۵ھ کی حدود میں دارالسلام پہنچے، جب سفر کی کلفتوں سے اطمینان ہو گیا، تو وہاں کے مزارات بابرکات خصوصاً شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت سے شرفیاب ہوئے، پھر وہاں سے ''حما'' کی طرف چل کھڑے ہوئے اور سید یٰسین حموی صاحب سجادہ غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے سایۂ خدمت میں سرمایۂ افتخار حاصل کیا اور مرید ہوئے، صاحبزادہ صاحب نے نہایت قدر شناسی سے آپ کا خیر مقدم کیا اور خانقاہ میں جگہ دی، نیز خلافت و خرقہ اور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے چند تبرکات بھی عطا کیے۔

سید محمد قادری کا سلسلۂ قادریہ

آپ کا سلسلۂ ارادت اس طرح ہے:

اخذ السید القادری الطریقة القادریة عن شیخہٖ السید یٰسین وھو من والدہ السید عبد الرزاق وھو من والدہ السید شرف الدین وھو من ابن عمہٖ السید جلال الدین وھو من ابن عمہٖ السید شہاب الدین احمد وھو من شفیقہٖ السید جمال

الـدین عبد الله وهو من ابن عمه السید شمس الدین ابی الوفاء وهـو من شفیقه السید شهاب الدین احمد وهو من والده السید قـاسـم وهـو مـن ابـن عـمـه السیـد عبد الباسط وهو من والده السید شهاب الدین ابی العباس احمد وهو من والده السید بدر الـدیـن حسـن وهـو مـن والـده السید علاء الدین علی وهو من والـده السیـد شـمـس الـدین محمد وهو من والده السید شرف الـدیـن یـحیٰ وهو من والده السید شهاب الدین احمد وهو من والـده السیـد عماد الدین ابی صالح نصر وهو من والده السید جـمـال الدین عبد الرزاق وهو من والده القطب الربانی الشیخ عبد القادرالجیلانی قدس الله اسرارهم۔

یعنی سید محمد قادری نے قادری طریقہ اپنے شیخ یٰسین حموی سے، انہوں نے اپنے والد سید عبدالرزاق سے، انہوں نے سید شرف الدین سے، انہوں نے اپنے چچازاد بھائی سید جلال الدین سے، انہوں نے اپنے چچازاد بھائی سید شہاب الدین احمد سے، انہوں نے اپنے حقیقی بھائی جمال الدین عبداللہ سے، انہوں نے اپنے چچازاد بھائی سید شمس الدین ابوالوفا سے، انہوں نے اپنے حقیقی بھائی سید شہاب الدین احمد سے، انہوں نے اپنے والد سید قاسم سے، انہوں نے اپنے چچازاد بھائی سید عبدالباسط سے، انہوں نے اپنے والد سید شہاب الدین ابو العباس احمد سے، انہوں نے اپنے والد سید بدرالدین حسن سے، انہوں نے اپنے والد سید علاءالدین علی سے، انہوں نے اپنے والد سید شمس الدین محمد سے، انہوں نے اپنے والد سید شرف الدین یحییٰ سے، انہوں نے اپنے والد سید شہاب الدین احمد سے، انہوں نے اپنے والد سید عمادالدین ابوصالح نصر سے، انہوں نے اپنے والد جمال الدین سید عبدالرزاق سے، انہوں نے اپنے والد قطب ربانی شیخ عبد

القادر جیلانی سے اخذ کیا۔ (اس سلسلہ کی اجازت علامہ سید محمد قادری علیہ الرحمہ کے بعد نسلاً بعد نسل رئیس الاتقیاء، جانشین مشائخ بلگرام، نوردیدہ قطب بلگرام، سیدنا ومرشدنا، مولانا وملجانا حضرت علامہ مولانا حافظ وقاری الشاہ میر سید محمد اویس مصطفیٰ واسطی قادری رزاقی بلگرامی دام ظلہ علینا سجادہ نشیں خانقاہ عالیہ قادریہ چشتیہ رزاقیہ برکاتیہ کو ہے، جس میں آپ بیعت فرماتے ہیں، اس سلسلہ کی اجازت سجادگان وشہزادگان سادات میں چلی آرہی ہے۔ اس کے علاوہ اور کئی واسطوں سے سلسلہ قادریہ کی اجازت حضور صاحب سجادہ کو ہے۔ اویسی غفرلہ)

مولانا خابوری کی شاگردی

سید قادری حما سے پھر بغداد واپس آگئے، اور مدت تک شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس کی مجاورت اختیار فرمائی، وہیں پر مولانا سلطان بن ناصر بن احمد خابوری قدس سرہٗ سے علم تجوید حاصل کیا، اور شاطبی بھی مولانا ہی کے پاس پڑھی اور علم تجوید کی سند نیز صحاح ستہ اور مولانا کی تمام مفردات، کتب حدیث وتفسیر وفقہ وغیرہ کی اسناد حاصل کیں، اور ہر ایک کی سند معنعن نیز اسمائے کتب کے نام حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ آپ کے اجازت نامہ میں مسطور ہیں، پھر طریقۂ شاذلیہ رفاعیہ بھی مولانا سلطان خابوری سے حاصل کیا، دونوں طریقوں کا شجرہ آپ کے اجازت نامہ میں مندرج ہے، مولانا سلطان قدس سرہٗ اجازت نامہ کے عنوان میں حمد وصلوٰۃ کے بعد لکھتے ہیں:

لمّا كان فی حدود سنة خمسة عشرو مأة والف قدم دارالسلام بغداد الامام العالم والحبر الهمام الكامل الزاهد الورع العابد بقية السلف عمدة الخلف نخبة ائمة الاقتداء وعين نجوم الاهتداء الحسيب النسيب المتخلق بالاخلاق المرضية المقتضی آثار السنة النبوية السيد محمد قادری بن

السید ضیاء اللّٰہ الحسینی الواسطی ثم الھندی البلگرامی الحنفی عاملہ اللّٰہ بلطفہ الخفی وقد جاور حرم الغوث الصمدانی والقطب الربانی السید عبد القادر الجیلانی قدس اللّٰہ سرہٗ العزیز وقراء علیٰ ھذا العبد الکسیر الشاطبیۃ قرأۃ بحث واتقان ونظر و امعان ثم حرکہ الشوق الیٰ زیارۃ الاھل والخلان وکان ینبغی لکل طالب علم ان یعتنی بمعرفۃ انساب ما یقرأہ ومعرفۃ ما یا خذ عنہ عن الاشیاخ و قرروا فی ھذہٖ الصناعۃ ان الشخص الا یطلق علیہ اسم المحدث الا اذا علم رتبۃ الحدیث وحال راویہ و تحمل الحدیث عمن ھو اعلیٰ منہ ومن ھو دونہٖ ومن یساویہٖ ولولا ذلک لما سأل العبد الفقیر سیدہ ومولاہ العالم النحریر السید محمد قادری حفظہٗ اللّٰہ ان یجزیہ بما یجوز لہ وعنہ روایۃ عن الائمۃ المعتبرین من حدیث و تفسیر و فقہ وغیر ذلک فاجبتہٗ راجیا منہ الدعاء فی خلواتہٖ وجلواتہٖ " انتھی

یعنی جب تشریف لائے ۱۱۱۵ھ کی حدود میں دار السلام بغداد، امام، عالم اور بزرگ دانشمند، کامل، زاہد، عابد، بقیۃ السلف، عمدۃ الخلف، ائمہٗ قائدین کے منظور نظر، نجوم ہدایت کی ضیاء، ذی حسب عالی نسب، اخلاق رضیہ کے حامل، آثار سنت نبوی کے عامل، سید محمد قادری بن سید ضیاء اللہ حسینی واسطی و ہندی بلگرامی حنفی، اللہ انہیں پوشیدہ عنایتوں سے نوازے، اور غوث صمدانی قطب ربانی سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے حریم پاک کی مجاورت اختیار کی اور اس بندۂ خاکسار کے پاس نہایت بحث واتقان، غور وفکر کے ساتھ کتاب شاطبیہ پڑھی، پھر انہیں اہل وعیال اور دوستوں سے ملنے کا شوق پیدا ہوا اور ہر طالب علم کو یہ ضروری

ہوتا ہے کہ جو کتاب وہ پڑھتا ہے، اسے اس کی نسبتوں یا حیثیتوں کی معرفت ہو جائے اور جن شیوخ کے ذریعہ وہ علم حاصل کرتا ہے، اس کی معرفت بھی ہو جائے اور اس باب میں محققین کی رائے یہ ہے کہ کسی بھی شخص پر اسم محدث کا اطلاق نہیں کیا سکتا، جب تک کہ حدیث کا مرتبہ (صحت وضعف وغیرہ) اور راوی کا حال اسے معلوم نہ ہو جائے اور یہ حدیث جان لے کہ جس سے حاصل کرتا ہے وہ اس سے اعلیٰ یا کم درجہ یا اس کے برابر ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو مجھ بندۂ فقیر سے میرے سید و مولیٰ عالم بے بدل سید محمد قادری حفظہٗ اللہ روایت حدیث کی سند اجازت طلب نہیں کرتے (جبکہ ہماری اس اجازت کے سوا) ان کے پاس ائمہ معتبرین سے بھی حدیث، تفسیر، فقہ وغیرہ کی روایت موجود ہے تو میں نے انہیں اجازت دی مجھے امید ہے کہ وہ اپنے خلوتوں اور جلوتوں میں میرے لئے دعا کریں گے۔

نیز مولانا سلطان قدس سرہٗ خاتمہ اجازت میں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں:

"وقد اجزت السید محمد قادری المذکور بالکتب المذکورة وما تضمنہٗ ھذہ الاوراق وباحزاب الشیخ ابی الحسن شاذلی واورادہٖ یلقن ذٰلك الفقراء والاخوان ایّ وقت شاء فی ای مکان شاء و کیف شاء لاھلیتہٖ لذالك سلك اللّٰہ بناوبہٖ احسن المسالك۔ سائل من السید محمد قادری وانا العبد الفقیر سلطان بن ناصر بن احمد الخابوری بلداً ثم البغدادی الجبوری (بضمتین قبیلة) الشافعی مذھباً الاشعری اعتقاداً القادری الرفاعی ثم الشاذلی طریقةً ان لا ینسانی من صالح دعواتہٖ فی خلواتہٖ وجلواتہٖ بحسن الخواتم مع العافیة والحمد اللّٰہ وحدہ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ"

یعنی اور میں نے سید محمد قادری مذکور کو مذکورہ بالا تحریرات کی اور ان سب کی

جو ان اوراق میں موجود ہیں اجازت دی نیز شیخ ابوالحسن شاذلی کے احزاب واوراد کی بھی۔ وہ فقراء اور برادران طریقت کو اس کی تلقین کریں جب، جہاں اور جیسے بھی چاہیں، کیوں کہ وہ اس کے اہل ہیں، اللہ انہیں اور ہمیں اچھے راستوں پر چلائے۔ سید محمد قادری سے صرف اتنا سوال ہے کہ مجھ بندۂ فقیر سلطان بن ناصر بن احمد خابوری بلداً ثم بغدادی جبوری الشافعی مذہباً اشعری اعتقاداً قادری رفاعی ثم شاذلی طریقتاً کو اپنی خلوتوں جلوتوں کی دعاؤں میں عافیت کے ساتھ حسن خاتمہ کے لئے دعا فرماتے رہیں اور حمد صرف اللہ ہی کی ہے اور سلام اس پر جس کے بعد کوئی نبی نہیں''۔ انتہی

نیز مولانا سلطان قدس سرہٗ رسالہ اجازت میں فرماتے ہیں:

"وقد اجزتہٗ ایضاً بشرحی المسمیٰ بالعقود الجوهرة واللآلی المبتكرة علی القواعد المقررة والفوائد المحررة للشیخ محمد البقری"

یعنی اور میں نے انہیں اپنی دونوں شرح مسمّیٰ العقود الجوهره واللآلی المبتكرة کی بھی اجازت دی جو شیخ محمد البقری کی کتاب القواعد المقرره والفوائد المحررة کی شرح ہے۔

ہندوستان واپسی، دہلی میں قیام، بالگرام واپسی

خلاصہ کلام سید محمد قادری نے بے شمار برکتیں سمیٹ کر ہندوستان کی طرف مراجعت فرمائی۔ چند سال دارالخلافہ شاہجہاں آباد میں مقیم رہے اور ظاہری و باطنی طالبین کی ہدایت وارشاد میں مشغول ہو گئے، خلق کثیر آپ کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہوئی، انجام کار بلگرام کو تشریف ارزانی بخشی اور گوشہ نشین ہو گئے، سوائے نماز کی ادائیگی کے اوقات کے گھر سے بہت کم باہر نکلتے، پنجگانہ نماز محلّہ کی جامع مسجد میں ادا کرتے۔ امامت بھی فرماتے اور نہایت خوش الحانی سے قرآن کی

تلاوت کرتے۔

ایک مسئلہ کا اظہار

اورایک دن میں نے آپ کی زبان مبارک سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہندوستان اوریمن کے لوگ جب سمندر کے راستے بیت اللہ کی زیارت کو جاتے ہیں تو یلملم کے محاذی بیچ دریامیں احرام باندھ لیتے ہیں، حالانکہ جدہ سے احرام باندھنا بھی جائز ہے، دریامیں احرام کی مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ مسئلہ یہی ہے کہ جو شخص میقات سے ہٹ کر گزرتا ہوا مکہ معظّمہ جارہا ہو،تو میقات کے محاذی احرام باندھے۔محاذات کا معنی یہ ہے کہ جہاں سے احرام باندھا وہاں سے مکہ کی مسافت اتنی ہو جتنی میقات سے مکہ کی ہوتی ہے، چونکہ یلملم ہندوستانیوں اور اہل یمن کی میقات ہےاور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ جتنی مسافت یلملم اور مکہ کے مابین ہے اتنی ہی مسافت جدہ اور مکہ کے درمیان بھی ہےاور دریا تو خود ہی میقات سے خارج ہے پھر دریامیں احرام باندھنے کی کیا حاجت؟

جس وقت میں نے یہ مسئلہ حضرت سے سنا تو دل میں آیا کہ پوچھوں کہ آپ کس کتاب سے فرمارہے ہیں، یہاں تک کہ میں نے اس مسئلہ پر اصل تحریر کتاب تحفہ شرح منہاج تصنیف شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ میں دیکھ لی،تحفہ کی اصل عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے:

"لوجاوزالمیقات یمنۃاویسرۃ ای لا الیٰ جھۃ الحرم فلہٗ ان یؤخر احرامہٗ لکن بشرط ان یحرم من محل مسافۃ الیٰ مکۃ مثل مسافۃ ذٰلک المیقات قالہ الماوردی وجزم بہ غیرہ وبہ یعلم ان الجائی من الیمن فی البحر لہٗ ان یؤخر احرامہ عن محاذاۃ یلملم الیٰ جدۃ لان مسافتھا الیٰ مکۃ کمسافۃ یلملم کما صرحوابہ بخلاف الجائی فیہ من مصرلیس لہٗ ان یؤخرا

حرامه عن محاذاة الجحفة لان كل محل من البحر بعد الجحفة اقرب الى مكة منها"

انتقال و مزار

سید محمد قادری ۱۳ر ربیع الاول جمعرات کی شب ۱۱۴۵ھ میں جوار رحمت الٰہی میں جا پہنچے، قبر مبارک آپ کی نشستگاہ (۱) والی حویلی میں ہے راقم الحروف عرض کرتا ہے۔

۱- رحل القادری سیدنا صاحب الکشف والکرامات

۲- الهم الحق عام رحلته "ان للمتقی لجنات"

۱۱۴۵ھ

یعنی ۱- ہمارے سردار سید محمد قادری جو صاحب کشف وکرامات تھے نے انتقال فرمایا

۲- آپ کی تاریخ وصال کے لئے اللہ نے یہ الہام کیا: بے شک پرہیزگاروں کے لئے باغات ہیں

اولاد

آپ کی نسل میں سید محمد مقتدا (۲) بن سید محمد بن سید قادری نے کتب عربی کی تعلیم حاصل کی اور بچپن ہی میں حرمین شریفین کی زیارت کی توفیق پائی ۱۱۶۵ھ میں اس

(۱) نشستگاہ والی حویلی وہی تھی جہاں اب دارالعلوم دعوۃ الصغریٰ کی عمارت ہے اور حضرت علامہ سید محمد قادری علیہ الرحمہ کا مزار اقدس بھی اسی احاطے میں ہے، اور آپ کے مزار سے متصل چار مزار اور بھی ہیں۔ مزار اقدس پر حضرت پیرومرشد کی عنایت سے حضرت عالی مرتبت ڈاکٹر سید بادشاہ حسین زید عمرہ کے اہتمام سے گنبد کی تعمیر کردی گئی ہے، آپ کا فیضان آج بھی جاری ہے کثرت کے ساتھ لوگ مزار اقدس پر حاضری دیتے ہیں اور مرادیں پاتے ہیں۔ اویسی غفرلہ

(۲) سید محمد مقتدیٰ جو آگے چل کر علامۂ وقت ہوئے بلکہ روضۃ الکرام کے مطابق جتنی شہرت انہیں ملی، اتنی نہ علامہ عبدالجلیل کو ملی، نہ علامہ آزاد کو نہ اور کسی بلگرامی بزرگ کو، تکمیل حدیث کے بعد آپ وہاں سے مصر چلے گئے اور سکونت اختیار کرلی۔ شاہان مصر ویمن وروم آپ کی بہت قدر کرتے تھے۔ سلطان عبدالحمید خاں اول آپ کے درس حدیث میں شریک ہوتا۔ آپ نے شرح قاموس دس جلدوں میں تحریر فرمائی جس کا نام تاج العروس ہے۔ آپ فن

سعادت پر فائز ہوئے اور مقامات متبرکہ میں علم حدیث حاصل کیا۔ آج کل زبیدہ یمن میں اقامت پذیر ہیں اور شیخ عبد الخالق زبیدی کے پاس فن حدیث کی سند حاصل کررہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی عمر بڑھائے اور ترقی دینی عطا فرمائے۔

(۶۸) میر طفیل محمد بلگرامی قدس سرہٗ

دریائے معقول و منقول کے سنگم، فروع و اصول کے چاند و سورج کے مطلع ہیں، تجرد میں یکتا، تفرد میں بے مثال، خصائل میں یگانہ، شمائل میں باکمال تھے۔ آپ کے والد سید شکر اللہ علیہ الرحمہ نے آپ کو کمسنی ہی میں سید سعد اللہ سے مرید کرایا۔ آپ نے اسی پر اکتفا کیا ہے، ہوش سنبھالنے کے بعد ہی سے ترک و تجرد کا طریقہ اور دنیا سے بے رغبتی کامل طور سے اختیار کرلی تھی۔

ولادت، تحصیل علم، فراغت

حدیث ولغت میں امام مانے جاتے تھے۔ اتحاف النبلاء میں مذکور ہے کہ ہندوستان میں کوئی عالم اس قدر سر برآوردہ مصر نہیں گیا۔ تصنیفات سو سے بھی متجاوز ہیں۔ آپ کی شادی والی مصر کی صاحبزادی سے ہوئی اور آپ وہیں رہنے لگے۔ روضۃ الکرام میں صاحب تاج العروس کا نام علی مقتدی لکھا ہے۔ شاید یہ علامہ آزاد کی اتباع میں لکھا ہو جب کہ اتحاف النبلاء اور لف القماط نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اور اصح التواریخ میں جو سید محمد میاں اولاد رسول قادری کی تصنیف ہے صاحب تاج العروس کا نام سید مرتضیٰ لکھا ہے، اور روضۃ الکرام مطابق سید محمد بن سید قادری۔ سید قادری کے تین لڑکے تھے غلام امام الدین، علی مرتضی، علی مقتدا۔ چونکہ آپ علامہ آزاد کے وقت میں طالب علم تھے، ہوسکتا ہے، علامہ آزاد سے سہو ہو گیا ہو اور مرتضی کو مقتدی لکھ دیا ہو یا یہ ہوسکتا ہے کہ دونوں نام ہو سید مرتضی، علی مقتدی۔ چوں کہ آپ کے ایک بھائی کا نام علی مرتضی ہے اس لئے علامہ آزاد نے علی مقتدی لکھا ہے۔ کیوں کہ اکثر اس خانوادہ میں ایسا ہے کہ نام کچھ ہوتا ہے شہرت کسی اور نام سے ہوتی ہے، جب آپ کی شہرت ہوئی اور تاج العروس تصنیف کی، اس وقت سے اب تک لوگ سید مرتضی ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں، نیز اتحاف النبلاء اور لف القماط و اصح التواریخ کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ سید مرتضی ہی صحیح نام ہے۔ ۱۲ عقود جواہر المنیفہ، تاج العروس، اتحاف السادۃ المتقین، تاریخ للجبرتی ہدیۃ العارفین اسماء المؤلفین واثار المؤلفین من کشف الظنون لاسماعیل باشا بغدادی وغیرہا کتابوں میں نام محمد مکتوب ہے اور یہ لکھا ہے کہ آپ مرتضی سے مشہور ہیں۔ آپ کے مختصر حالات کتاب کے اخیر میں درج ہے۔ اویسی غفرلہ

آپ کی نسل شہر اترولی ضلع آگرہ کے معتبر سادات کے خاندان سے ہے،
وہیں سات ذی الحجہ ۱۰۷۳ھ میں علم (الٰہی) کے پردے سے انجمن (عالم) میں
جلوہ افروز ہوئے اور سات سال کی عمر میں اپنے چچا سید احسن اللہ- نور اللہ
ضریحہ- کے ساتھ اترولی سے دار الخلافہ شاہجہاں آباد تشریف لے گئے اور آپ
نے عربی کا پہلا سبق سید حسن رسول نما قدس سرہٗ کے پاس پڑھا۔ شرح ملا جامی
بر کافیہ ابن حاجب تک اپنے عم بزرگوار کے پاس استفادہ کیا، پھر پندرہ سال کی عمر
میں ۱۰۸۸ھ کے آس پاس کسب علم کے ارادے سے اترولی سے بلگرام تشریف
لائے، اور ابتدائی مختصرات کی کتابیں میر سید مربی بلگرامی اور اپنے پیر سید سعد اللہ
قدس اللہ اسرارہما کے پاس پوری کیں، متوسطات قاضی علیم اللہ گنجدوی اور چند
دوسرے فضلائے اکبر آباد سے تحصیل کیں، اس کے بعد منتہیات (درجۂ عالیہ)
کی کتابیں مولوی سید قطب الدین شمس آبادی کے حلقہ درس میں مکمل کیں (اس
وقت) طلبہ کی جماعت میں آپ کی جودت طبع اور قوت مطالعہ ومباحثہ کی شہرت
ہو چکی تھی، اکثر ایسا ہوتا جو کتابیں وہ خود تحصیل کر رہے ہوتے، اس کے اسباق
اپنے اپنے تلامذہ کو بھی پڑھاتے۔ اسی سے آپکی قابلیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

میر کی ذہانت و فطانت

آپ فرماتے تھے کہ جس وقت میں اور علامہ مرحوم میر عبد الجلیل بلگرامی
اکبر آباد پہنچے اور نواب فضائل خاں کی مجلس میں پہلی مرتبہ وارد ہوئے، اس وقت
نواب صاحب فضلاء کی جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے، اتفاقاً علمی گفتگو ہو رہی
تھی، اسی اثنا میں نواب صاحب نے فرمایا کہ آیت کریمہ وعلی الذین
یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین یعنی اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ
دیں ایک مسکین کا کھانا (کنز الایمان ع ۷ / پ ۲) کی تفسیر میں بعض مفسرین نے کلمۂ
"لا" پوشیدہ مانا ہے، میری سمجھ میں ایک توجیہ ایسی آتی ہے جس سے لا کو مقدر

مانے بغیر ہی سلبی معنیٰ پیدا ہو جائے گا، یعنی یطیق باب افعال سے ہے اور ہمزۂ افعال سلب کے لئے بھی آتا ہے، پس یطیقونہ، لا یطیقونہٗ کے معنی میں ہے، حاضرین نے اس توجیہ کی بہت تحسین کی، میں نے کہا اگر حکم ہو تو میں بھی کچھ عرض کرنے کی جسارت کروں! نواب صاحب نے اجازت دی۔ میں نے کہا یہ توجیہ تو بہت اچھی ہے، مگر اس شرط کے ساتھ جب کہ معنیٰ سلبی (لغت میں) اطاقت کے صیغے میں مسموع ہو، اس لئے کہ ہمزۂ سلب، باب افعال میں سماعی ہے قیاسی نہیں۔ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی، کشاف، بیضاوی اور دوسری لغت و تفسیر کی کتابیں جو ہری قاموس وغیرہ ملاحظہ کی گئیں، مگر کہیں بھی معنیٰ سلبی اس (اطاقت) کے مادّے سے نہیں نکلا، تو نواب نے داد انصاف دی اور کہا: تمہارا اعتراض درست ہے اور اس تقریب کے بعد اس نے بڑی گرم جوشی دکھائی، پھر مجھے اور علامہ مرحوم کو اپنی رفاقت میں لے لیا۔ فرماتے تھے کہ یہ اوائل تحصیل کی بات ہے بعد میں جب دوسری تفاسیر پر عبور ہوا تو معلوم ہوا کہ شمس الائمہ یہی کہتے ہیں کہ ہمزۂ اطاقت سلبی معنی میں ہے، بعض علماء نے اس توجیہ کو مستحن قرار دیا ہے اور بعض نے اعتراض کیا ہے۔

بلگرام تشریف آوری، محل سکونت، کمالات

تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے بلگرام میں اقامت اختیار کر لی، پہلے پہل سید محمد فیض زمیندار جو سادات بلگرام کے اکابر سے ہیں ان کے گھر میں اقامت فرمائی، بعد میں علامہ مرحوم میر عبد الجلیل نور اللہ مرقدہٗ کے گھر میں محلہ میدانپورہ میں تقریباً تیس سال انتقال کے وقت تک سکونت پذیر رہے، اس دوران کبھی کبھی گجرات شاہ دولہ کشمیر وغیرہ دوسرے مقامات پر بطور سیاحت تشریف لے گئے اور ہر بار تھوڑے تھوڑے عرصہ میں واپس آ گئے۔ آپ کی وضع میں بہت لطافت و نزاکت تھی۔ تمکین و وقار سے زندگی بسر فرماتے تھے، زبان میں

چاشنی، بیان میں مٹھاس تھی، عقل کی سنجیدگی، خیال کی پاکیزگی اور طبیعت کی بذلہ سنجی کے لحاظ سے ممتاز تھے، ہر وہ شخص جو ایک بار آپ کی محفل میں باریابی کی سعادت پاتا، وہ آپ کے آداب صحبت سے حصہ پاتا، اور اس کی تشنگی و فریفتگی بڑھ جاتی۔

قریب ستر ۷۰ رسال تک مسند تدریس پر بیٹھ کر علوم کا احیاء کرتے رہے، اور طلبہ کے جم غفیر کو اپنی شاگردی میں شامل فرما کر اوج استاذی پر پہنچاتے رہے۔ شہر کے تمام اصاغر و اکابر آپ کے عقیدت بدوش اور حلقہ بگوش تھے۔ اور اس کتاب میں ہم نے ان کو استاذ المحققین کے نام سے یاد کیا ہے۔

صفر ۱۱۵۶ھ میں اورنگ آباد میں فقیر کو بخار آ گیا، اور کئی روز تک رہا، ایک روز ناتوانی کی وجہ سے بستر پر سو گیا تھا کہ آنجناب عالم صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے، اور خانۂ چشم میں بیٹھ کر فرما رہے ہیں، کہ اے فلاں! تو نے بہت تکلیف جھیلی۔ کل تک انشاء اللہ بخار اتر جائے گا، اطمینان رکھو! پچھلے پہر میں بیدار ہوا اور اس روح پرور بشارت سے مزاج میں سکون کا احساس ہوا، اسی وقت ملہم غیب نے یہ رباعی میرے دل میں ڈال دی۔

۱- کس راخبرے نیست چہ آید فردا نیرنگئ قدرت چہ نماید فردا

۲- نومید مشو ز مژدۂ عالم غیب شب حاملہ است تا چہ زاید فردا

یعنی ۱- کل کیا ہوگا کسی کو معلوم نہیں، نیرنگئ قدرت کل کیا گل کھلائے گی، کسی کو کیا معلوم

۲- عالم غیب کی خوشخبری سے مایوس نہ ہوں، کیوں کہ رات حاملہ ہے، دیکھو وہ کل کیا جنتی ہے۔

فرماتے تھے، شکست نفس انسان کی معراج ہے، یہ بھی فرماتے تھے کہ خواص کی باتیں میں نے عوام سے سنی ہیں کہ کبھی دل میں ایسا خیال نہیں ہوسکتا۔ میں ایک روز دار الخلافہ شاہجہاں آباد کی گلیوں سے گزر رہا تھا، بھنگیوں کی بھیڑ کسی بھنگی کے مکان میں شادی کی تقریب میں جمع تھی، جہاں ایک بھانٹ اس قوم کی

تعریف کر رہا تھا، اس کی ایک بات میرے دل میں اثر کر گئی۔ اس کا حاصل کلام یہ تھا کہ تم سب آخرت میں اچھے ہو، کیوں کہ میزان قیامت میں کوئی عمل خیر، شکست نفس سے باوزن نہیں اور یہ وصف تمہارے اندر بدرجۂ اتم موجود ہے۔

فرماتے تھے کہ ایک صاحب بلگرام کے حاکم تھے، اور عموماً علم سے بہرہ رکھتے تھے، ایک روز مجھ سے سوال کیا کہ فرض کفایہ کا مطلب مجھے سمجھ میں نہیں آتا ہے، ایک شخص کوئی عمل کر دے تو سب بری الذمہ ہو جائیں گے، ورنہ سب گنہگار۔ میں نے کہا یہ تو بالکل ظاہری بات ہے مثلاً آپ کسی گاؤں میں دورے پر گئے، اگر گاؤں کا کوئی آدمی آ کر اطاعت کا اظہار کر دے تو سب کی رہائی ہے ورنہ سب ماخوذ ہوں گے۔

کیمیا ساز طالب علم

فرمایا کہ ایک طالب علم میرے پاس ہدایہ پڑھتا تھا، اور کبھی کبھی کوئی سامان کپڑا وغیرہ بطور ہدیہ پیش کرتا رہتا۔ شہر کے سناروں نے مجھے آ کر بتایا کہ آپ کا فلاں شاگرد کیمیا کا عمل جانتا ہے، اور اکثر ہمارے پاس چاندی لے کر آتا ہے، اور بیچتا ہے، میں نے کبھی یہ بات طالب علم سے نہیں کہی، یہاں تک کہ طالب علم خود بخود میرے پاس آ کر رخصت طلب کرنے لگا، اور کہنے لگا کہ میں کیمیا گر ہوں۔ میرا استاذ کوہ سوالک میں رہتا ہے، عمل قمری کی تعلیم دے چکا ہے اور کہا ہے کہ عمل شمسی بھی سات سال کے بعد سکھا دوں گا، اب وہ وقت آ گیا ہے، میں کوہ سوالک جا کر عمل شمسی بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں، میں نے کہا عمل قمری سے ہی بہت کچھ چاندی کا ڈھیر لگا سکتے ہو، اس قدر دور دراز اور دشوار راستہ طے کر کے جانے اور خود کو ہلاکت میں ڈالنے سے کیا فائدہ؟ اس نے کان نہ دھرا اور پکا ارادہ کر لیا۔ مجھ سے بالاصرار کہا کہ آپ کی استاذی تو بہت ثابت ہو چکی ہے۔ لہٰذا میں آپ کی یہی خدمت کر سکتا ہوں کہ اس عمل کو بتا دوں۔ اس نے بہت اصرار و مبالغہ کیا، لیکن

میں راضی نہ ہوا۔ آخر اس نے کہا کہ ایک مرتبہ یہ عمل کر کے آپ کو دکھا دوں تا کہ گمان نہ ہو کہ یہ خالی دعویٰ ہے۔ چنانچہ آگ جلائی پھر برتن اور رانگا جیب سے نکال کر پگھلایا اور ایک قسم کی راکھ کاغذ پارہ میں لپیٹی ہوئی باہر نکالی اور تھوڑی سی راکھ رانگے میں ڈال دی فوراً نقرہ کی ٹکیا تیار ہو گئی۔ اس کے بعد طالب علم چلا گیا اور واپس نہ آیا۔

آپ بتاریخ چوبیس ذی الحجہ ۱۱۵۱ھ میں روحانیوں کی انجمن سجانے چل بسے اور وصیت کے مطابق باغ محمود میں علامہ مرحوم میر عبدالجلیل کے مرقد سے متصل پورب طرف دفن کیے گئے۔ مولف اوراق کہتا ہے۔

۱- افسوس کہ آفتاب معنیٰ　　از حلقۂ آسماں بروں رفت

۲- تاریخ وصال او خرد گفت　　علامہ از جہاں بروں رفت

۱۱۵۱ھ

یعنی ۱- افسوس کہ معنیٰ کا سورج، آسمان کے حلقوں سے باہر نکل گیا

۲- خرد نے ان کے وصال کی یہ تاریخ کہی کہ علامہ دنیا سے باہر چلے گئے

آپ علمائے بلگرام میں بقیۃ السلف تھے، آپ کا فیض تمام اہل شہر خصوصاً علامہ مرحوم کے اہل بیت پر جاری رہتا تھا، جس طرح ابوالطفیل صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روئے زمین کے تمام صحابہ میں آخری ہیں جو ۱۰۲ھ میں مکہ معظمہ میں اس عالم ظاہری سے عالم قدس میں جا بسے۔ اسی طرح آں جناب بھی علمائے بلگرام کے اسلاف میں آخری عالم ہیں، جو اس دار فانی سے ریاض جاودانی کی طرف منتقل ہو گئے۔

راقم الحروف اور میر محمد یوسف جن کا ذکر فصل ثانی میں آئے گا، آنحضور ہی کے فیض تربیت سے شرفیاب ہیں۔ میر محمد یوسف نے ان کی تجہیز و تکفین کی اور بندہ نے اسی ذی الحجہ میں ان کی طرف سے فریضۂ حج ادا کیا، اور تمام مقامات

مقدسہ میں دعائے پاکیزہ کے ساتھ رطب اللسان رہا، نیز ایک عمرہ مستقل طور سے آپ کے نام سے ادا کیا۔ انتقال کی خبر سنی تو عربی میں ایک مرثیہ لکھا۔ اس جریدہ میں وہ قصیدہ شامل کیا جاتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اقتدا میں جنہوں نے اخبار الاخیار میں دو قصیدے شامل کئے ہیں ایک قصیدہ دالیہ از مولانا احمد تھانیسری، جس کا مطلع یہ ہے ؂

اطارلبی حنین الطائر الغرد☆وهاج لوعة قلبی التائه الكمد

چہچہانے والی چڑیا کی آواز نے میری عقل چھین لی اور میرے مغرور غمگین دل کی جلن کو اور بھی بھڑکا دیا۔

دوسرا قصیدۂ لامیہ از قاضی عبدالمقتدر دہلوی جس کا مطلع یہ ہے ؂

یاسابق الظعن فی الاسحار والاصل
سلم علیٰ دار سلمیٰ وابك ثم سل

اے شب و روز سفر کرنے والو! جب تم سلمیٰ کے گھر سے گزرنا تو میرا اسلام کہنا اور روکر پوچھنا۔

لیکن ناسخوں نے ان قصیدوں میں کیا کیا تحریفات نہیں کی ہیں، راقم الحروف نے اخبار الاخیار کے چند نسخوں کی تصحیح کی تھی، اگر اس صحیفہ میں ناسخوں کی زبان قلم سے غلطی واقع ہوجائے، اور کسی استاذ کو غلطی پر اطلاع ہوجائے تو مجھے امید ہے کہ مجھ خاک شدہ کے یتیمۂ افکار کی تصحیح کر کے خاک سے نکال لیں گے قصیدہ یہ ہے ؂

۱-یا للاحبة ساروا فی التباشیر
فاسود یومی کأحداق الیعافیر

۲-نحن الجسوم هم الارواح فارتحلوا
وخلفونا كأمثال التصاوير

۳-لـقد اجبنا بانواع الدموع متیٰ
غـنـی الـحـداۃ بـاقسـام المزامیر
۴-کـم مـن قـلـوب رقـاق اثر عینهم
یـاحـادی الـعیـش رفـقـا بالقواریر
۵-عجبت منهم فضوابا لبین واعتذروا
ایسـکـن الـقـلـب عـن تلك المعاذیر
۶-مـاجـن لیل ومـا را عیـت انجمة
الا وقـد لسـعتـنـی کـالـزنـا بیـر
۷-هـی الـمـجـرة فانظر فی کواکبها
تشـق قـلـبـی کـا سـنـان الـمنا شیر
۸-ومـا لـروض الحمیٰ من بعد مارحلوا
اکـمـامـه فـی فـؤادی کـا لمسـامیر
۹-تساقط النور والاغصان قدیبست
فیـا حـمامةعن روض الحمیٰ طیری
۱۰-قـلـبـی اذنـب وفیه الحب مرتسم
فـلایـقـاس عـلـیٰ نقـش الدنـا نیر
۱۱-لان نـحـلـت فـقد زادت مود تهم
والـطیـب یزداد من سحق العقا قیر
۱۲-احوم حول فؤادی وهو مسکنهم
وتسـکـب الـمـاء عیـنـی کا لنوا عیر
۱۳-کـم مـن عـقـائق دمع ان لقیتهم
افـدی اولاء بهـالا بـا لـقـنـا طیـر

۱۴-ان الهـمـوم التـی حلت بانفسنا
مـخـالـب فـی شـرائـیـن العصا فیر

۱۵-مـن لی بابراء امراض زمنت بها
راح الطبیب المـداوی بـالتدابیر

۱۶-السیـد القدوة المختار ضئضئهٔ
مـن اٰل احـمـد اقـمـار الـدیـا جیـر

۱۷-عونی ملاذی معاذی سیدی سندی
وقـوتـی عـضـدی خیـر المنـاصیر

۱۸-من اسمه الا شرف الاعلی طفیل محمد
ومـن هـو مـقـبـول الـجـمـا هیـر

۱۹-صدر الاماثل فی مجد وفی شرف
رأس المـعـاریف اکـلـیـل المشاهیر

۲۰-الـعـلـم عقلا و نقلا قداحاط بهٖ
واسـتـو فـرالـحـظ من فن التحاریر

۲۱-مـدارس العلم احيٰ فهی تشکرهٗ
کـالـروض یشکر احسان النواطیر

۲۲-کـم صیـرالترب تبراً من له نظر
تــاثیــره فـــوق تـاثیـر الاکـا سیـر

۲۳-لـلّٰـــه در امام کـان مـنـفـردا
فـی حسن نطق وفی حسن التعابیر

۲۴-کـم مـن جواهر لفظ جاد مقوله
بهــا فـزیـن اجیـاد الـمـنـا شیـر

۲۵-تــقــاطــر دمع عــن يــراعتــہٖ
الا وضــحك اوراق الـــدســـاتيــر
۲۶-لـم انـس عهد الحمیٰ والنور مبتسم
والـــقــلــب مــنشــرح مثـل الازاهيـر
۲۷-وكـنـت مـلتـزما اعتاب خدمتہٖ
وكـنـت لـم ارض فيهـا بـالتـقا سير
۲۸-وقــد كسبـت عــلــوماً من افادتہٖ
عــقــلا ونــقــلا الـــیٰ فــن التفـا سيـر
۲۹-سـقــاه صوب الغيوم الها طلات كما
روى الـغـلـيـل بسلسـال التقـارير
۳۰-ثــم الــنجوم اصا بتنى باعينها
ومــرّ عـــن كبـدى سهـم الـتـقـا ديـر
۳۱-والدهر مدير العدوان حيث طوىٰ
بســاط عــافيتــى طى الـطـواميـر
۳۲-فـصـار مولاى روح الكون مرتحلا
وزلـزل الــحــزن اركـــان الدهـا رير
۳۳-اذا تـذكـرت ايـامى بہٖ هملت
عينا ى كا لسحب البيض المقا طير
۳۴-ضـاقت على الطباق السبع واضطرمت
بـــمـــا رج مـــن عـــذاب كـــالـتـنـا نيـر
۳۵-لاير تجى الصبر منه فى مصيبته
اذ حــزنــه جـل عــن حــصـرالمقادير

۳۶-ورب معتصم بالصبر صبرهٔ
عضب المصيبة مقطوع النواشير

۳۷-لایحمل الصخر ناراً تلك فی كبدی
فكيف يحملها سلك الاساطير

۳۸-حمامة بالحمیٰ ناحت مؤرخه
قد راح نجم اليها بدرالنها دير

۳۹-اقره الله فی روض النعيم علیٰ
اريكةٍ بين ربـاب التقا صير

حل لغات و ترجمه

۱-تباشیر بمعنیٰ اوائل صبح (قاموس)۔ یعافیر جمع یعفور بمعنیٰ ہرن کا بچہ، ہرن۔اسود بروزن احمر

یعنی صدحیف کہ میرے محبوبان اوائل صبح صادق ہی میں کوچ کر گئے، (ان کی جدائی کے غم کی وجہ سے) مانند چشم ہرن میرا سیاہ ہوگیا۔

۲-فارتحلوا باب افتعال بمعنیٰ کوچ کرنا۔خلفوا باب تفعیل بمعنیٰ پیچھے چھوڑنا۔

یعنی ہم جسم ہیں اور وہ روح تھے، وہ چلے گیا گئے کہ ہم کو اپنے پیچھے مانند تصویر چھوڑ گئے جس میں کوئی جان نہیں ہے۔

۳-دموع جمع دمع، آنسو۔حداۃ جمع حادی، حدی خواں۔مزامیر جمع مزمار و مزمور، سارنگی، مزامیر داؤد، زبور و دعا وغیرہ کا ورد۔

یعنی ہم نے طرح طرح کے آنسوؤں سے جواب دیا جب حدی خوانوں نے بانسریوں کے مختلف راگ گائے۔

۴-رقاق جمع رقیق، نرم۔حادی العیش، حدی خواں، نغمہ طراز۔قواریر جمع قارورہ، صاف و شفاف شیشہ۔رفقا بالقواریر، یہ عبارت حدیث شریف سے

ماخوذ ہے، تفصیل یہ ہے کہ حضورﷺ اک سفر میں تھے اور حضرت انجشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدی خوانی کررہے تھے، اور وہ بہت خوش الحان تھے، تو آپ نے ان کو حدی خوانی کرنے سے روک دیا، اور فرمایا "یاانجشة رفقا بالقواریر" اے انجشہ شیشوں کے ساتھ نرمی کرو۔ یہاں عورتوں کو شیشوں سے تشبیہ دی گئی، کیوں ان میں انکسار زیادہ پایا جاتا ہے۔ نیز آپ نے انہیں اس لئے بھی روکا کہ کہیں اونٹ ان عورتوں کو تیز رفتاری میں کوئی نقصان یا زک نہ پہنچادیں، کیوں کہ حدی کے وقت وہ تیز چلنے لگتے ہیں اور تیز چلنے سے عورتوں کو شدید جھٹکے لگ سکتے تھے۔ اور اس لئے بھی روکا تاکہ ان کے دل میں وساوس پیدا نہ ہوں کیوں کہ نغمہ زنا کا افسوں ہے۔

یعنی کتنے ہی نرم ونازک دل متاثر ہورہے ہیں، اے نغمہ طرب چھیڑنے والے ان شیشیوں جیسے نرم ونازک دلوں کے ساتھ نرمی برتو۔

۵-قضوا (نصر) آنسو بہانا رونا۔ بالبین جدائی، معاذیر جمع معذار بمعنی عذر، بہانہ۔

یعنی مجھے ان پر تعجب ہے کہ انہوں نے جدائی کا فیصلہ کرلیا اور عذر پیش کردیا، کیا ان عذروں سے دل کو سکون مل سکتا ہے؟

۶-جن اللیل، جنۃ اللیل چھپنا (ن) جنہ اللیل، علیہ ای سترہ، یعنی رات نے اسے ڈھانپ لیا۔ راعیٰ مراعاۃ مفاعلت ستاروں کے غروب کا انتظار کرنا۔ لسع ڈسنا، ڈنک مارنا (ف) زنابیر زنبور، بھڑ۔ راعی النجوم، ستاروں کو دیکھنا۔

یعنی کوئی رات ایسی نہ تھی جو ختم ہونے سے پہلے اور کسی ستارے کو میں نے نہیں دیکھا کہ وہ چھپنے سے پہلے بھڑ کی طرح مجھے ڈسے نہ ہو۔

۷-مجرہ بکسر میم وفتح جیم ورای مشددہ مفتوحا، بمعنیٰ کہکشاں (منتخب) شق (ن) چیرنا۔ اسنان جمع سن، درانتی۔ مناشیر جمع منشار، آری۔

یعنی یہ کہکشاں ہے۔ ذرا اس کے ستاروں کو غور سے دیکھو، یہ میرے دل کو ایسے پارہ

پارہ کررہے ہیں جیسے آریوں کے درانتی (لکڑی) کے ٹکڑے کردیا کرتے ہیں۔

۸-مسامیر جمع مسمار، کیل، میخ۔حمی جمع حمہ، زہر، موت۔اکمام جمع کم غلاف شگوفہ۔
یعنی محبان کے کوچ کرنے کے بعد یار کے گلستاں میں کیا ہے؟ یہی کہ اس کی شاخیں میرے دل میں گڑی ہوئی ہیں، جیسے کہ میخ گڑی ہوتی ہے۔

۹-تساقط (تفاعل) پے در پے گرنا۔النور، کلی۔اغصان جمع غصن، ڈالی۔ حمامۃ، کبوتری۔
یعنی کلیاں جھڑ چکیں اور ڈالیاں خشک ہو چکی ہیں، تو اے کبوتری تو گلستان یار سے اب پرواز کر جا۔

۱۰-یقاس (ض) اندازہ کرنا۔دنانیر جمع دینار سونے کا سکہ۔
یعنی میرا دل پگھلایا گیا اور اس میں محبت پیوست ہوگئی، اسے دیناروں کے نقش پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔

۱۱-نحلت (ف،ک) لاغر ہونا، پگھلنا۔عقاقیر جمع عقار، خوشبودار۔سحق کوٹنا باریک کرنا، گھسنا۔
یعنی عشق کی بھٹی میں پگھلایا گیا، محبوبوں کی تلاش میں لاغر ہوا، تب ان کی محبت میں اضافہ ہوا ہے، کہ (مثل مشہور ہے) عطر بیز دوا کو جتنا گھستے ہیں اور باریک کرتے ہیں اتنی ہی خوشبو زیادہ ہوتی ہے۔

۱۲-تسکب، بہنا بہانا۔نواعیر جمع ناعور، دولاب، رہٹ۔احوم، منڈلانا۔
یعنی میں اپنے دل کے اردگرد منڈلاتا اور اس کا طواف کرتا رہتا ہوں، کیوں کہ وہ دل یاروں کی جائے سکونت ہے، اور (ان کے فراق میں) ہماری آنکھیں اس شدت کے ساتھ آنسو بہا رہی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے، رہٹ سے پانی نکل رہا ہو۔

۱۳-عقائق جمع عقیق، چمکدار نگینہ۔قناطیر جمع قنطار، سونے کا ڈھیر سال کثیر۔لقی (س) ملاقات کرنا۔افدی متعدی بہ کے ساتھ قربان کرنا۔

یعنی اگر کبھی ان یاروں سے ملاقات ہو جائے تو کتنی ہی عقیق پروئے ہوئے آنسوؤں کی لڑیاں ان پر قربان کردوں کہ ان آنسوؤں کے سامنے سونے کے ڈھیر بھی بے حیثیت ہیں۔

۱۴-شرائین جمع شریان، رگ۔ عصافیر جمع عصفور، چڑیا۔ حل (ن) نازل اترنا، مخالب جمع مخلب، چنگل پنجہ۔ ہموم جمع ہم، مصیبت غم۔

یعنی مصائب وآلام ہمارے اوپر نازل ہوئے ہیں، وہ ایسے ہی ہیں جیسے کہ (باز) اپنا چنگل چڑیوں کی رگوں میں گاڑ دیتا ہے۔

۱۵-ابراء (افعال) بری الذمہ کرنا، مرض سے چھٹکارہ دلانا ۔ وجع (ف) دردمند ہونا، تکلیف زدہ ہونا۔ مداویٰ معالج، راح، جانا۔

یعنی کون ہے جوان بیماریوں سے چھٹکارہ دلائے، جن کی وجہ سے میں تکلیف میں ہوں، وہ طبیب (یار) تو کوچ کر گیا جو تدبیروں کے ذریعہ دوا کرنے والا تھا۔

۱۶-قدوہ، قائد رہنما، مختار پسندیدہ۔ ضئضئی، اصل حسب ونسب۔ اقمار جمع قمر چاند۔ دیاجیر جمع دیجور تاریکی وشب تار۔

یعنی وہ میرا طبیب یار (قوم) کا قائدوسردار ہے جس کی اصل عمدہ وپسندیدہ ہے، اور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آل سے ہیں، جوشب تار میں چاندی کی طرح سے روشن ہیں۔

۱۷-عون، مدد۔ ملاذ، قلعہ، جائے حفاظت۔ معاذ، جائے پناہ۔ عضد، بازو۔ مناصیر جمع منصار، تاج۔

یعنی آپ میرے حامی وناصروماویٰ وملجا سیداور معتمد علیہ ہیں اورآپ ہی میرے لئے طاقت وقوت بازواور (ہمارے سر کے لئے) بہترین تاج ہیں۔

۱۸-اشرف، شرف وفضیلت والا، اعلیٰ بلند۔ جماہیر جمع جمہور، عوام، لوگ۔

یعنی آپ کا مشرف ومتبرک اور بلند نام ہے یعنی طفیل محمد اورآپ عوام وخواص میں مقبول ومشہور ہیں۔

۱۹-اماثل جمع مثال مثل ، معاریف جمع معروف، متعارف۔ مشاہیر جمع مشہور، اہل شہرت۔
یعنی آپ عظمت و بزرگی اور شرف وفضیلت میں ہم نشینوں اور ہم عصروں کے سربراہ اور اہل معرفت کے سرداراور اہل شہرت (سروں) کے تاج ہیں۔
۲۰-احاط، گھیرنا۔ (افعال) استوفر (استفعال) کثیر حصہ لینا۔ تحاریر جمع تحریر، لکھنا۔ حظ، حصہ۔
یعنی آپ نے علوم عقلیہ ونقلیہ کو پورے طور پر احاطہ کیا اور فن تحریر میں وفرت و کثرت کے ساتھ کمال حاصل کیا۔
۲۱-روض، جمع روضہ، باغ۔ نواطیر جمع ناطور، انگور و کھجور کی حفاظت کرنے والا۔ (باغباں)
یعنی آپ نے علم کی درس گاہوں کو (اپنی خدمات سے) زندہ کردیا، تو یہ مدارس آپ کا ایسے ہی شکریہ ادا کررہے ہیں، جیسے کہ گلستان باغباں کے احسان کا شکریہ ادا کرتا ہے۔
۲۲-اکسیر، جو چاندی وغیرہ کو سونا بنادے۔ تبر سونا۔ تراب، مٹی۔
یعنی آپ نے کتنے ہی اہل بصیرت جو مٹی کی طرح گمنام تھے، ان کو سونا بنا کر مشہور انام کردیا، یعنی کہ آپ کی تاثیر اکسیر کی تاثیر سے کہیں زیادہ تھی۔
۲۳-منفرد، یکتا۔ در، موتی۔
یعنی تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے کہ ہمارے امام حسن کلام وحسن تعبیر میں بے مثل تھے۔
۲۴-جواہر جمع جوہر، موتی۔ مناشیر جمع منشور، شاہی فرمان، اجاد، سخاوت کرنا۔
یعنی آپ کی زبان مبارک سے کتنی ہی موتی نما خوبصورت الفاظ کے دریا بہاتی جن سے خوبصورت شاہی فرامین کو مزین کیا گیا۔

۲۵- یراعۃ، قلم۔ اوراق جمع ورق، کاغذ۔ دساتیر جمع دستور، اصول وضوابط۔
یعنی آپ کے قلم سے (روشنائی) آنسوں بن کر ٹپکے لیکن قوانین وضوابط کے اوراق بننے لگے۔

۲۶- لم انس، نسی (س) بھولنا۔ حمی، دوست۔
یعنی عشق ومحبت کے اس دور کو میں کبھی نہیں بھولا، جبکہ کلیاں مسکرا اٹھتیں، اور دل پھول کی طرح کھل اٹھتے۔

۲۷- ملتزم، پابند۔ اعتاب جمع عتبہ، چوکھٹ۔ تقاصیر جمع تقصیر، کاہلی۔
یعنی میں ان کے آستانۂ خدمت کو مضبوطی سے پکڑے رہتا تھا، اور وہاں میں سستی وکاہلی کو بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔

۲۸- کسب (ن) حاصل کرنا۔ تفاسیر جمع تفسیر، علم مخصوص۔
یعنی اس آستانے کے فیض سے میں نے تمام علوم عقلیہ ونقلیہ تفسیر وغیرہ حاصل کئے۔

۲۹- غیوم جمع غیم، بادل۔ ہاطلات جمع ہاطلۃ، موسلا دھار بارش۔ غلیل، پیاسا۔ سقا (ض) سیراب کرنا، روی (ض) سیراب ہونا سلسال، بہتا میٹھا پانی۔
یعنی مسلسل موسلا دھار برسنے والے بادلوں نے ان کو ایسے سیراب کیا جیسے کہ (علم وعرفان) کے پیاسے نے خطابات کے بہتے میٹھے پانی سے پیاس بجھائی۔

۳۰- نجوم جمع نجم، ستارے۔ اصاب (افعال) لاحق ہونا۔ کبد، جگر۔ سہم، تیر۔ تقادیر جمع تقدیر، قسمت۔
یعنی ستاروں نے اپنی آنکھوں کو ہمارے اوپر جما دیا ہے، اور قضا وقدر کا تیر میرے جگر (چھید کر کے) کے پار ہو گیا۔

۳۱- طوامیر جمع طامور، صحیفہ۔ عدوان، ظلم ودشمن۔
یعنی زمانہ ظلم ودشمنی کو گردش دیتا رہتا ہے جیسے کہ اس نے میری سلامتی وعافیت کی بساط لپیٹ دی ہے۔ صحیفوں کے لپیٹ نے کی طرح۔

۳۲-دیار یر جمع دہر، ازمنہ سابقہ۔ مرتحل، کوچ کرنے والا۔
یعنی میرے مولیٰ جو کائنات کی روح تھے، کوچ کر گئے، اور ان کے غم فراق نے ازمنہ ماضیہ کے سکونوں کو ہلا کر رکھ دیا (یعنی کسی کی موت نے اتنا غم پہلے پیدا نہیں کیا تھا)۔
۳۳-ہملت، بہنا بہانا۔ سحب جمع سحاب، بادل۔ بیض جمع بیضہ۔ مقاطیر جمع مقطور، قطرہ۔
یعنی ان کے ساتھ گزارہ ہوا اپنا زمانہ جب یاد کرتا ہوں تو بے اختیار میری آنکھیں سفید بادلوں کی طرح آنسوں کے قطرات بہانے لگتی ہیں۔
۳۴-ضاق (ض) تنگ ہونا۔ اضطرمت (افتعال) بھڑکنا۔ مارج، شعلہ۔ تنانیر جمع تنور۔
یعنی تمام آسمانوں زمین (ان کی رحلت کی وجہ سے) مجھ پر تنگ ہو گئے ہیں، اور عذاب کے شعلے تنور کی طرح بھڑک اٹھے ہیں۔
۳۵-یرتجی، امید کرنا۔ مقادیر جمع مقدار، اندازہ۔
یعنی صبر نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ ان کے فراق حزن و ملال اندازوں کے احاطے سے بھی باہر ہے۔
۳۶-معتصم، مضبوطی سے پکڑنے والا۔ عضب، تلوار۔ نواشیر جمع ناشرہ، ذراع، بازو، پٹھے۔
یعنی بہت سے صبر کو مضبوطی سے تھامنے والے ایسے ہیں کہ ان کا صبر مصیبت کی تلوار ہے جو اعصاب کو کاٹنے والا ہے۔
۳۷-یحمل (ض) برداشت کرنا۔ سلک، لڑی۔ اساطیر جمع سطر، تحریر۔
یعنی جو آگ میرے سینے میں روشن ہے، سخت پتھر اس کا تحمل نہیں کر سکتا تو سطروں کی لڑی اسے کیسے برداشت کر سکے گی۔
۳۸-حمامۃ، کبوتر۔ حمی، دوست۔ مؤرخہ، تاریخ نویس۔ در، موتی۔

درالتحاریر، موتی نما خوبصورت تحریر۔
یعنی اس کبوتر نے دوست کی تاریخ لکھتے وقت بھی آہ وبکا جاری رکھی اور ثریا ستارہ اس کی طرف موتی نما خوبصورت تحریروں کے ساتھ متوجہ ہوا ہے۔

۳۹-اقر، قائم رکھنا۔ روض جمع روضہ، باغ۔ نعیم، جنت۔ اریکہ، تخت۔ تقاصیر جمع تقصار۔ ربات التقاصیر، حوریں۔
یعنی خدائے تعالیٰ عزوجل انہیں جنت کے باغوں میں حوروں کے درمیان تخت نوازش پر قرار بخشے۔

(۶۹) شیخ فخرالدین احمد مانکپوری بلگرامی

ملک بہاء الدین المعروف بہ ملک بھلّے کے فرزند ہیں، جن کا بیان فضلاء کے تذکرے میں آئے گا، انشاءاللہ تعالیٰ، ملک بہاء الدین کسی تقریب میں بلگرام سے مانکپور گئے ہوئے تھے۔ شیخ فخرالدین احمد وہیں پیدا ہوئے، اسی لئے انہیں مانکپوری سے شہرت ہوئی۔ کتب درسی کی مختصرات والد کی خدمت میں تحصیل کیں۔ پھر والد کے اشارے پر استاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی کی خدمت میں تلمذ کیا، اور تمام کتابیں مکمل کیں۔ فقاہت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔
میر سید قادری بلگرامی قدس سرہٗ سے مرید ہوئے اور یاد الٰہی کا توشہ کمر سے باندھ کر زندگی کی منزلیں حضور ہی میں طے فرمائیں اور ۱۱۴۰ھ اور ۱۱۴۵ھ کے دوران منزل آخرت سے ہمکنار ہوئے۔

(۷۰) میر سید اسمٰعیل بلگرامی قدس سرہٗ

بلگرام کے سادات حسینی واسطی محلہ میدانپورہ میں رہنے والے خاندان پنچ بھیاسے ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ سید اسمٰعیل بن سید ابراہیم بن

سید شاہ میر بن سید نعمت اللہ برادر حقیقی سید تاج الدین حجرہ نشین بن سید طیب باقی نسب پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔

میر سید اسمٰعیل مقتدائے انام اور خاص و عام کے مرجع تھے۔ ابتدائے حال میں رسمی فضائل (علوم ظاہرہ) کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔ کتب درسی علی الترتیب پڑھیں۔ کچھ کتابیں استاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی کی خدمت میں اور بعض کتابیں دوسری جگہوں پر پڑھیں۔

اس کے بعد خدا طلبی کی شورش سر میں سما گئی اور شیخ عبدالرزاق بانسوی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچ کر عنایتوں سے مشرف ہوئے۔ بیعت ہوئے اور قریب ۱۲/سال حضرت شیخ کے سایۂ تربیت میں ریاضات شاقہ گوارا کیں، بے شمار فیوض حاصل کئے اور فقر کی بلندیوں کی انتہا پر پہنچ گئے۔

شیخ عبدالرزاق کی سجادہ نشینی

شیخ کے انتقال فرمانے کے بعد سجادۂ خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ حضرت شیخ کے تمام خلفاء و مریدین آپ کو اپنا مقتدا سمجھتے اور نہایت ادب و اعتقاد سے پیش آتے تھے۔ علامۃ العصر مولوی نظام الدین خلف الصدق مولانا قطب الدین شہید سہالوی نور اللہ ضریحہما نے جن کا ذکر فضلاء کے بیان میں آئے گا، شیخ کی وفات کے بعد میر صاحب ہی کی خدمت میں رجوع کیا اور آپ کے باطنی انوار سے عکس حاصل کیا۔ میر صاحب مسولی توابع لکھنؤ میں اقامت رکھتے تھے اور اکثر بلگرام تشریف لاتے رہتے تھے۔ آپ ہمیشہ طالبین کی ہدایت و ارشاد میں مصروف رہا کرتے تھے۔ بے شمار خلقت آپ سے مرید ہو کر اپنا مدعا پا گئی۔

میر صاحب ۱۴/ ذی الحجہ ۱۱۶۴ھ میں رفیق اعلیٰ سے پیوست ہو گئے اور مسولی میں آرام فرما ہوئے، آپ کی خاک پاک خواص و عوام کی زیارت گاہ ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے

۱- آفتاب سحرے آگا ہے پیر روشن دل وصاحب تکمیل
۲- گفت تاریخ وصالش ہاتف زیب خلد آمدہ میر اسمٰعیل
۱۱۶۴ھ

یعنی ۱-آپ سحر آگاہ آفتاب ہیں، روشن دل اور باکمال واصل الی اللہ پیر طریقت
۲-ان کے وصال کی ہاتف نے یہ تاریخ کہی میر اسمٰعیل جنت کی زینت بن کر آئے۔

نوٹ

اس مقام پر دو کلمے شاہ عبدالرزاق بانسوی قدس سرہٗ کے احوال میں حصول برکت کے لئے لکھے جاتے ہیں۔

(۷۱) شاہ عبدالرزاق بانسوی قدس سرہٗ

آپ بانسہ لکھنؤ (جواب ضلع بارہ بنکی میں ہے) کے رہنے والے ہیں۔ آپ کا وطن اصلی قصبہ محمود آباد ہے، جو بانسہ کے جوار میں ہے۔ آپ کے والد کی شادی بانسہ میں رہنے والے شیوخ قدوائی کے کسی شیخ کی لڑکی سے ہوئی، شاہ عبدالرزاق اس عفیفہ کے بطن سے پیدا ہوئے اور مادری وراثت کے تعلق سے بانسہ میں وطنیت اختیار فرمائی۔

ابتدا میں نوکری کرتے تھے اور اسی سے روزی حاصل کرتے تھے، پھر نوکری چھوڑ کر ایک عمر سیاحت کی، اور گجرات احمد آباد کے علاقے میں شاہ عبدالصمد خدا نما قدس سرہٗ کی خدمت سے مشرف ہوئے۔ حلقہ بگوش بیعت ہو کر مقصود اصلی پر فائز ہوئے پھر وہاں سے وطن مالوف واپس آگئے۔ آپ ہمیشہ عوام کی طرح لباس پہنتے اور کھیتی کر کے رزق حلال حاصل کرتے، مگر چونکہ آپ واضح دلیل رکھتے تھے، اس لئے ہر امیر وشریف آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ علما وفضلا آپ کی ارادت سے حلقہ بگوش ہوئے اور باوجودیکہ ان پڑھ تھے، لیکن آیات قرآنیہ یاد کر

کے ایسی تفسیر کرتے اور ایسے معارف وحقائق بیان فرماتے تھے کہ دانشمندوں کو حیرت ہوتی تھی۔

آپ کی وفات پانچ شوال ۱۱۳۶ھ میں واقع ہوئی۔ مرقد قصبہ بانسہ میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

(۷۲) راقم الحروف فقیر آزاد (قدس سرہٗ)

حسینی نسباً، واسطی اصلاً، بلگرامی مولداً ومنشاءً، حنفی مذہباً، چشتی طریقتاً نے ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ میں ہستی کا لباس پہنا اور آغاز ہوش سے ہی تحصیل علم کے سررشتہ میں منسلک ہوگیا۔ ابتداء تا انتہا کتب درسیہ استاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی علیہ الرحمہ کے حلقۂ درس میں علی الترتیب پوری کیں، اور لغت، حدیث، سیر نبوی و فنون ادبیہ جدی واستاذی حضرت میر عبدالجلیل بلگرامی علیہ الرحمہ کی قدسی منزلت بارگاہ سے حاصل کئے۔ نیز عروض، قافیہ اور بعض فنون ادب کے لئے میر سید محمد خلف الصدق علامہ مرحوم مذکور کی خدمت بابرکت میں تلمذ کیا، پھر ۱۱۴۷ھ میں سید العارفین میر سید لطف اللہ معروف بشاہ لدھا بلگرامی قدس سرہٗ کے پاکیزہ جناب میں شرف بیعت حاصل کیا اور ۱۱۵۰ھ میں مطابق کلمۂ "سفر خیر" بلگرام سے حرمین شریفین کا ارادہ کر کے نکل پڑا اور ۱۱۵۱ھ میں مطابق کلمہ "عمل اعظم" یہ سعادت عظمیٰ حاصل کی، نیز مدینہ منورہ علیٰ منورہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں شیخنا واستاذنا مولانا شیخ محمد حیات سندی مدنی حنفی قدس سرہٗ کی خدمت میں صحیح بخاری کی قرأت کی، اور صحاح ستہ اور مولانا کی تمام کتب مفردات کی اجازت بھی حاصل کی، وہاں سے پھر مکہ معظّمہ میں شیخ عبدالوہاب طنطاوی مصری کی صحبت پائی اور بعض فوائد کا حصول کیا۔ شیخ عبدالوہاب نور اللہ مرقدہٗ علمائے عصر کے سردار اور مقیم مکہ تھے، ہمیشہ علوم کی کرنیں بکھیرنے میں مصروف رہتے تھے۔ ۱۱۵۷ھ میں جنت الماوی

میں خرام ناز فرمایا اور جنت المعلیٰ میں آرام فرما ہوئے۔ شیخ عبدالوہاب علیہ الرحمہ نے فقیر کے عربی اشعار کی بے حد تحسین فرمائی اور جس وقت بندہ کا آزاد تخلص سنا اور اس کا معنی سمجھا، فرمایا: یاسیدی انت من عتقاء الله، (اے مرے آقا آپ اللہ کے آزاد کردہ ہو) شیخ قدس سرہٗ اس مبارک عطاء سے جو اس سراپا گرفتار کے بارے میں زبان مبارک سے نکلی بہت بہت امیدیں (آخرت میں) رکھتا ہے۔

مکہ مقدسہ میں قیام

الحاصل فقیر مکہ معظّمہ میں شیخ عبداللطیف قدس سرہٗ کے یہاں مقیم رہا اور ۱۱۵۲ھ میں مطابق کلمہ ''سفر بخیر'' ہندوستان کی جانب توجہ کی۔ سفر حرمین شریفین کے بارے میں تفصیل جلد کے آخر میں عرض کروں گا، اور مقامات مقدسہ کا ذکر، کلام کے خیر الخاتمہ کے طور پر کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

ہندوستان واپسی، دکن کے شہروں کی سیاحت

لوٹتے وقت پانچ ماہ بندرگاہ سورت میں قیام کیا، اور وہاں سے پھر دیار دکن جانے کا خیال پیدا ہوا اور ۲۷ر ذی القعدہ ۱۱۵۲ھ میں خجستہ بنیاد اورنگ آباد میں وارد ہوا اور تکیہ بابا شاہ مسافر نقشبندی قدس سرہٗ میں گوشہ نشین ہو گیا اور روح مقدس کی برکتوں سے بہت کچھ حصہ پایا۔ چند دنوں بعد محرک ازل تعالیٰ شانہٗ نے سکون کو حرکت سے بدل دیا۔ دکن کے اکثر شہروں کی پیدل سیاحت کی اور صنائع الٰہی کے عجائبات نے بصیرت کا کحل الجواہر (سرمہ) آنکھوں میں لگایا۔ الحمدللہ والمنہ کہ جس دن سے میری جبین نیاز آستان الٰہی سے آشنا ہوئی جبھی سے اہل دنیا کے رسوم سے بیگانگی میسر آئی اور تخلص آزاد کا معنی حق المقدور جلوہ فرما ہوا۔

ناصر جنگ سے دلی لگاؤ

فقیر کو نواب نظام الدولہ ناصر جنگ شہید خلف نواب آصف جاہ سے عجیب تعلق خاطر پیدا ہو گیا تھا، اور اتنی دوستی آپس میں ہو گئی تھی کہ جس سے زیادہ کا

تصور نہیں ہوسکتا۔ جب نواب نظام الدولہ باپ کی رحلت کے بعد مسند تولیت پر رونق افروز ہوئے، تو بعض دوستوں نے بتایا کہ اب تم جو رتبہ چاہو مل سکتا ہے، کوئی عہدہ لے لو اور وقت کو غنیمت جانو، میں نے کہا کہ میں آزاد ہو گیا ہوں، مخلوق کا بندہ نہیں بنوں گا۔ دنیا نہر طالوت میں پڑی ہوئی نظر آتی ہے اور اس میں سے صرف ایک ہی چلو حلال ہے اس سے زیادہ حرام اور یہ شعر پڑھا۔

دریں دیار کہ شاہی بہر گدا بخشند ☆ غنیمت است کہ مارا ہمیں بہ ما بخشند

یعنی اس ملک میں جہاں ہر فقیر کو بادشاہی بخشتے ہیں، ہمارے حق میں یہی غنیمت ہے کہ وہ ہماری آزادی ہمیں بخش دیں

تحدیث نعمت

تزکیۂ نفس کی کلاہ توڑنا (یا اس پر فخر کرنا) ہمرنگی کا عہد، جو ہرنما آئینے میں باندھنا ہے، مگر نعمت الٰہی کا زبان پر ایک حق ہے جو بغیر کہے ادا نہیں ہوسکتا۔ اللہ سبحانہٗ ہمت کے سرو آزاد کو استقامت کی نشوونما عطا کرے اور توفیق کے گل سرسبد کو رنگ ثبات کا پانی مرحمت فرمائے۔ انہٗ علیٰ مایشاء قدیر و با لاجابة جدیر۔ اب میں تقریب جو، ان چند اکابر کا تذکرہ کرتا ہوں جن کے اسمائے گرامی سطور بالا میں زبان قلم پر آئے ہیں اور خامۂ خوش رفتار کا سمند رسیاہ جلوہ ریز کرتا ہوں۔

(۷۳) شیخ محمد حیات سندی مدنی قدس سرہٗ

آپ علمائے ربانیین وعظمائے محدثین میں ہیں۔ میں نے ایک روز شیخ سے ان کی نسل واصل کے بارے میں پوچھا تو اپنے دست مبارک سے ایک کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ کر دیا "والد الفقیر محمد حیات السندی المدنی اسمهٗ ملّا قارية من قبيلة چاچر الساكن فى اطراف عادل پور۔

والسید موسیٰ القادری الساکن، فی کوتہ یعرفہ" انتھی
یعنی فقیر محمد حیات سندی مدنی کے والد جن کا نام ملا قاریہ تھا چاچڑ خاندان کے تھے، جو عادل پور کے اطراف میں رہتے تھے، کوٹہ کے باشندے سید موسیٰ قادری ان کو پہچانتے تھے۔

چاچڑ بہر دو جیم فارسی بروزن ساغر ملک سندھ کی ایک قوم ہے اور عادل پور بھکر کے علاقے میں ہے۔ فقیر نے اسے دیکھا ہے، اور سید موسیٰ قادری علاقۂ بھکر کے شرفاء میں شمار ہیں اور کوٹہ سید صاحب کا مشہود مولد و منشا ہے۔

شیخ محمد حیات قدس سرہٗ نے عنفوان شباب میں زیارت حرمین شریفین کی توفیق پائی اور مدینہ منورہ میں بود و باش اختیار کرلی۔ وہیں تحصیل علم پر کمر باندھی اور ذریعۂ معاش کے فقدان کے باوجود نہایت پائے مردی دکھائی۔ حرمین شریفین کے علماء خصوصاً شیخ ابوالحسن سندی نزیل مدینہ منورہ نوراللہ ضریحہ سے اکتساب کمال کیا۔ کچھ عرصہ شیخ عبداللہ بن سالم بصری مکی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔ پوری عمر حدیث شریف کی خدمت میں بسر فرمائی اور اس فن شریف میں بڑی مہارت پیدا کی۔ ہمیشہ علوم حدیث کی نشریات اور اوقات گرامی کی تعمیر میں مصروف رہے۔ حرمین مکرمین، مصر و شام و روم کے عوام و خواص آپ سے عقیدت واخلاص رکھتے اور ذات ہمایوں سے برکات کا حصول کرتے تھے۔

جس وقت فقیر مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ زادھما اللہ شرفا و کرامۃ لوٹا۔ شیخ قدس سرہٗ نے ایک مکتوب فقیر کے نام بغیر غلام کی اضافت کے سید علی لکھ بھیجا، کیوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تمام لوگ اللہ کے بندے ہیں، لہٰذا اطلاق عبودیت مخلوق کی طرف نہیں کرنا چاہئے۔ فقیر نے جواب نامہ میں لکھا اس مضمون کے ساتھ کہ امام مسلم روایت کرتے ہیں: "عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ، ان رسول اللہ ﷺ قال لا یقولن احد کم عبدی وا

امتی کلکم عباد اللہ وکل نسائکم اماء اللہ ولکن یقل غلامی وجاریتی وفتائی وفتاتی"

یعنی حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی عبدی (میرا بندہ) اور امتی (میری کنیز) نہ کہے کیوں کہ تم سب اللہ کے غلام ہو اور تمہاری عورتیں اللہ کی باندیاں ہیں، ہاں غلامی، جاریتی، فتای اور فتاتی کہنے میں کوئی حرج نہیں (۱) اور امام بخاری روایت کرتے ہیں: لا یقل احدکم عبدی و امتی ولیقل فتائی فتاتی وغلامی۔

یعنی تم میں کوئی عبدی اور امتی نہ کہے اور چاہئے کہ فتای، فتاتی اور غلامی کہے۔ نیز لکھا کہ اگر واضع نے لفظ غلام کو عبد کے معنی میں ارادہ کیا ہو (تو شاید غلط ہو) اور دوسرے یہ کہ فرزند کا معنی مراد لے کر تلفظ کرتا ہے تو اسے حق پہنچتا ہے کہ لکل امرئ مانوی۔ شیخ قدس سرہٗ نے خط پانے کے بعد داد انصاف دی اور اس کے بعد (کے خطوط) میں فقیر کا نام غلام علی ہی تحریر فرمایا۔

اور کیا خوب واقع ہوا جسے ابن نجار نے تاریخ بغداد میں تذکرۂ احمد غزالی میں نقل کیا ہے کہ ایک بار قاری نے آپ کی مجلس میں یہ آیت پڑھی قل یعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم، الآیہ تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی (کنزالایمان ع ۳ ر پ ۲۴) تو فرمایا کہ بیاء الاضافۃ الیٰ نفسہٖ بقولہ یاعبادی پھر یہ شعر پڑھا۔

وھان علیّ اللوم فی جنب حبھا
وقول الاعادی انہٗ لخلیع

اصم اذا نودیت باسمی واننی
اذا قیل لی یا عبدھا لسمیع

(۱) اگر غلام کی نسبت اپنی طرف کرنا ہو تو غلامی کہو نہ کہ عبدی، باندی کو جاریتی کہو نہ کہ امتی۔ لڑکے کو فتای کہو، ورلڑکی کو فتاتی

یعنی اور آسان ہے مجھ پر (دشمنوں) کی ملامت اس کی محبت کے پہلو میں جب کہ دشمن کہتے ہیں کہ وہ تو راندہ ہوا ہے۔ کیا وہ بہرے ہو جاتے ہیں جب میرا نام لے کر پکارا جاتا ہے کہ اے اس کے بندے! حالانکہ میں تو سنتا ہوں۔

شیخ محمد حیات قدس سرہٗ ۲۶ر صفر بروز چہار شنبہ ۱۱۶۳ھ میں اپنی حیات سپرد خدا کر دی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ "رحلة شیخی" میں تاریخ پائی ہے، رحلت کی تاء پانچ عدد محسوب ہے، اس لئے کہ معتبر قاعدۂ جمل میں صورت کتابت ہے نہ کہ تلفظ۔

قاعدۂ جمل کے بارے میں تشریح

عقد الجواہر میں کہتے ہیں: جس وقت ملفوظ اور رسم الخط مختلف واقع ہوں جیسے حصیٰ اور یحییٰ کہ بولنے میں الف ہے اور لکھنے میں یاء اور جیسے حمزۃ وطلحۃ کہ بولنے میں ہاء اور لکھنے میں تاء ہے (ایسی صورت میں) بعض کہتے ہیں کہ معتبر، مکتوب ہے نہ کہ ملفوظ اور بعض کہتے ہیں، معتبر لفظ ہے نہ کہ رسم۔ سید عبد اللہ مد ہر یمنی مکی کہتے ہیں کہ قول اول معتمد علیہ ہے اور قول ثانی شاذ۔

(۷۴) شیخ عبد الطیف قدس سرہٗ

آپ کی جائے پیدائش اور نشو ونما کا مقام امروہہ مضافات دہلی (۱) ہے، آپ کا سلسلۂ نسب شیخ عبد اللہ معروف بہ شیخ ابن قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے، جو وہاں کے مشاہیر اولیاء سے ہیں اور ۱۵ر ذی الحجہ ۹۷۷ھ میں عالم قدس کو جا بسے ہیں۔

شیخ عبد اللطیف نے ابتدائے شباب میں فضائل ظاہری کے اشغال پر کمر ہمت باندھی اور امروہہ سے نکل کر مدتوں بلگرام وقنوج میں علوم کی تحصیل کرتے

(۱) اب امروہہ ریاست اتر پردیش کے ضلع جے۔ پی۔ نگر کا صدر مقام ہے جو ماضی میں ضلع مراد آباد کی ایک تحصیل ہوا کرتا تھا

رہے، اور اکثر کتب درسیہ میر سید نعمت اللہ جو میر عبد الواحد اکبر بلگرامی کے پوتے اور صاحب سجادہ تھے، کے حلقۂ درس میں پوری کیں، اور فیوض اٹھائے، پھر شیخ حبیب اللہ قنوج کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور نقد ہستی کو ریاضت کی ہنڈیا میں پگھلا کر کنز مخفی کا سرمایہ اکٹھا کیا۔ آخر کار حرمین شریفین چل دیئے اور مکہ معظمہ میں مقیم ہوئے، کچھ عرصہ بعد ہندستان روانہ ہوئے تاکہ اپنی والدہ کو ہندوستان سے حرمین شریفین لے جائیں، واپس لوٹے، تو والدہ دنیا سے رحلت کر چکی تھیں، آخر حرم محترم واپس لوٹ گئے، اور قریب پچاس سال تک کی زندگی ام القریٰ (مکہ) شرفہا اللہ تعالیٰ میں بسر فرمائی، ہر سال حج کرتے اور قریب تمیں مرتبہ مدینۂ منورہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی زیارت سے سرمایۂ افتخار جمع کیا۔ بہت لطیف الطبع اور رقیق القلب تھے۔ ارباب کمال کی قدر دانی، ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے میں بے نظیر تھے۔ ہر سال موسم حج میں تلاش کیا کرتے تھے کہ اگر کوئی صاحب کمال یا شریف و پاکباز ہندوستان سے تشریف لایا ہوگا، تو اس سے ملاقات کریں گے اور اس کی خدمت میں جو کچھ ہو سکتا ہے، خدمات بجالائیں گے، محرر اوراق (آزاد) جس وقت مدینہ منورہ سے ام القریٰ لوٹا تو شیخ عبد اللطیف فقیر کی آمد کی خبر پا کر استقبال کو دوڑے آئے اور اصرار کیا کہ مجھ مخلص کے غریب خانہ پر فروکش ہو جائیں، قریب پانچ ماہ تک اس پاکیزہ شہر میں شیخ کے یہاں مقیم رہا، ان عزیز سے ایسے ایسے نیک سلوک دیکھنے میں آئے کہ زبان بے زبانی سے ہی ادا ہو سکتے ہیں۔ جزاہ اللہ عنا الجزاء زیادہ تر اوقات انہیں کی صحبت میں گزرتے تھے۔

فرماتے تھے کہ ایک روز باب السلام حرم کے سامنے ایک ہندی نژاد درویش نظر آیا۔ نہایت میلا کچیلا اور بے تمیز، نظر پڑتے ہی کراہت ہوئی۔ فوراً ہی غیرت الٰہی کا عکس دل پر پڑا اور میں نے اپنے نفس کو ملامت کی کہ اپنے ہم جنس

سے اس قدر نفرت و وحشت کیوں؟ اب تیری سزا یہی ہے کہ اس شخص کے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھاؤ! میں گھر آیا۔ کھانا بنوایا اور درویش کے پاس پہنچ کر کہا کہ میرے غریب خانے کی طرف چلے چلئے۔ درویش چپ رہا اور میرے گھر قدم رنجہ فرمایا۔ میں نے کھانا سامنے لا رکھا، اور اس کے ساتھ ایک برتن میں کھانے لگا۔ درویش نے اول تا آخر کوئی کلام نہ کیا، کھانا کھا کر اپنے مقام کی طرف چل پڑا دوسرے روز بھی میں نے کھانا تیار کرایا اور فقیر کو باب السلام سے گھر لا کر ایک برتن میں ہم نوالہ ہوا، چالیس روز کامل اسی طرح گزر گئے۔

چالیسویں روز فقیر نے منہ کھولا اور کہا میں نے اتنی عمر سیاحت کی مگر کوئی انسان تیرے مزاج کا نہیں پایا، حالانکہ میں کیمیا ساز ہوں، اس خدمت کے صلے میں جو تو نے کی ہے تجھے یہ عمل سکھاتا ہوں۔ میں نے کہا میں بھی کیمیا گر ہوں اور وہ اس طرح کہ اس بازو کی قوت سے رزق حلال کماتا ہوں، یہی میری کیمیا ہے، پھر میں نے بوریا کا منہ کھول دیا اور جو دراہم و دینار اپنی قوت بازو سے کمائے تھے، فرش زمین پر پڑے ہوئے تھے، لیکن وہ بدستور سکھانے کے لئے اصرار کرتا رہا اور میں انکار کرتا رہا۔ آخر اس نے خود بخود آگ اور ہانڈی لا کر رانگا کو ہانڈی میں پگھلایا اور کاغذ پارہ سے راکھ نکال کر ہانڈی میں چھڑک دیا فوراً سونے کی ٹکیا تیار ہوگئی۔

اس نے کہا کہ اسے غنیمت جانو کیوں کہ میں ہندوستان جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، کہیں اس نعمت کے فقدان پر حسرت نہ کرنے لگو۔ میں نے کہا ایک بات کہوں! کہا کیا بات ہے؟ میں نے پوچھا اگر صحرا جانے کا اتفاق ہو اور تانبہ نہ ملے تو کیا خاک کو سونا بنایا جا سکتا ہے، بولا یہ انسان کے بس کی بات نہیں میں نے کہا پھر کیوں نہ اس ذات کی طرف توجہ کی جائے، جو خاک کو سونا بنا سکتا ہے، فقیر نے میرے استقلال کو آفریں کہی، اور رخصت ہو گیا پھر کبھی نظر نہ آیا۔

جبل ثور میں شیخ کی گوشہ نشینی

شیخ عبداللطیف مکہ معظمہ میں پہلی بار کی آمد میں کامل ایک سال تک جبل ثور میں گوشہ نشیں رہے، اور سخت مجاہدے کئے۔ یہ پہاڑی شہر سے دوکوس (دس کلومیٹر) کی مسافت پر ہے، اس پہاڑی کی چوٹی پر ایک غار برج ثور کی صورت کا موجود ہے، اور ہجرت کی رات اسی غار نے ماہ جہاں افروز صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زینت بنایا تھا۔

علامہ آزاد کی آپ بیتی اور قدرت کا کرشمہ

جبل ثور کے ذکر پر مجھے اپنی ایک بات یاد آئی کہ موسم گرما میں جب کہ لو کے تھپیڑے کوندتی بجلی کی طرح اور جوش حرارت، خارگداز تھا۔ ۲۹/محرم الحرام ۱۱۵۲ھ کو جبل ثور کی زیارت کا ارادہ کیا۔ جوں ہی قدم شہر سے باہر نکالا کہ پیاس کی حرارت نے غلبہ کیا، میں نے پانی ساتھ نہ لیا تھا۔ اس خیال سے کہ راستے میں تو مل ہی جائے گا۔ راستے میں سوائے عرق سعی کے ایک قطرہ پانی نہ ٹپکا چند دوسرے لوگ راہ میں ملے، ان کے پاس تھوڑا پانی تھا مگر شرم نے زبان سوال بند کردی، کہ یہ پانی تو خود ان کے لئے کافی نہیں ہے، دوسروں کو کیوں ملنے لگا۔ نشیب وفراز کی یہ مسافت جس مشقت سے طے ہوئی کہ اس کی گرمی کے ابال سے کباب ہو گیا، اور نفس موج سراب کی تلاش میں بھٹکتا ہوا پہاڑ تک جا پہنچا، دوسری مصیبت یہ پیش آئی کہ باوجود اس حالت کے آسمان چھوتی چوٹی تک بڑھتے قدموں سے ناپنا تھا، گرتے پڑتے نصف پہاڑ تک خود کو پہنچایا، بیشتر طاقت ضائع ہو چکی تھی۔ پانی کی چاہ نے آئینۂ خیال میں ایک عجیب کیفیت نقش کردی تھی۔ ایک عزیز اس فقیر سے دو تین قدم اوپر گزر رہا تھا، اس کے ہاتھ میں مٹی کی صراحی تھی کہ اچانک وہ صراحی ایک پتھر سے ٹکراتی ہے۔ اس کا اوپری حصہ اس کے ہاتھ میں رہ جاتا ہے، اور نچلا حصہ کاسۂ امانت کی شکل میں نیچے آرہا ہے اور قادر مطلق جل شانہٗ کی حفاظت میں پانی کا ایک قطرہ ضائع نہیں

ہوتا، پیالے کو دونوں ہاتھوں میں فضا ہی سے میں نے پکڑ لیا اور اس عزیز سے اجازت لے کر غٹا غٹ پی گیا، خالق کے حق کی قسم کہ جس نے جان شیریں کو پیدا کیا، ایسا ٹھنڈا میٹھا اور خوش ذائقہ پانی مجھے یاد نہیں کہ کبھی پیا ہو، ابھی تک اس کی لذت میرے دماغ میں ہے اور جس وقت خیال کر لیتا ہوں، ایک خاص ذائقہ ملتا ہے اور بلا ریب کارساز بے نیاز جل شانہٗ نے اس گھڑی رحمت سے توجہ فرمائی اور بندۂ سوختہ کو رحمت کا ساغر بھر کر پلایا، فسبحان الذی ھو یطعمنی و یسقینی۔ تو پاک وہ ذات ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

شیخ عبداللطیف کی وفات مکہ معظّمہ میں ۱۱۵۷ھ میں ہوئی اور جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔ ''بہشت نشیمن'' تاریخ وصال ہے۔

شاہ حبیب اللہ قنوجی (پیر شیخ)

شیخ عبداللطیف کے پیر بیعت شاہ حبیب اللہ قنوجی علوم ظاہر و باطن سے آراستہ تھے۔ ہمیشہ مجاہدے اور تعلیم دینے میں مشغول رہتے، طالب علمی کے زمانے میں کتابوں کے مطالب کماحقہٗ نہیں سمجھ پاتے تھے، اسی وجہ سے دل میں خلش رہتی تھی۔ ایک رات حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ اس ناچیز کو علم و فہم میں کشادگی عطا فرمائی جائے، آپ کی عرض درجۂ قبول تک پہنچی، خواب سے بیدار ہوئے تو علوم کے دروازے آپ کھل چکے تھے، اس کے بعد مسند تدریس پر بیٹھ کر ایک عالم کو ظاہری و باطنی علوم سے درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔

۱۱۴۰ھ میں عالم قدس کو رواں ہو گئے۔ کاتب الحروف نے "الموت جسرٌ یوصل الحبیب الی المولیٰ الحبیب" کے فقرے سے تاریخ وفات نکالی، آپ کا مزار شریف قنوج میں ہے۔

آپ شاہ عبدالجلیل الہ آبادی کے مرید ہیں، وہ شاہ محمد صادق کے مرید، وہ شیخ ابوسعید گنگوہی کے مرید، وہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی اولاد امجاد سے ہیں،

قدس اللہ اسرارہم۔ اس کتاب کے ناظرین پر روشن رہے کہ بابا شاہ مسافر نقشبندی اورنگ آبادی قدس سرہٗ جن کے تکیہ میں فقیر سات سال تک مقیم رہا، ان کا سلسلہ مخدوم اعظم قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے، حضرت مخدوم کے مناقب و مآثر نہایت ظاہر و باہر ہیں، ان کے بیان کی چنداں حاجت نہیں۔ اکابر متاخرین کے احوال اجمالاً لکھے جاتے ہیں۔

(۷۵) مولانا میر خورد عزیزان بلخی قدس سرہٗ

آپ مخدوم اعظم کے بھانجے ہیں۔ مستحکم جذبی کیفیات اور روشن حالات کے مالک تھے اور بلخ میں بزرگی کا ڈنکا بجاتے تھے طبقات شاہجہانی کا مصنف کہتا ہے ۹۹۳ھ میں عالم بالا کو جا بسے۔

(۷۶) مولانا پائندہ اخسیکتی قدس سرہٗ

آپ مولانا میر خورد عزیزان کے اعاظم خلفاء میں ہیں، آپ کو نقشبند ثانی اور شیخ ولی تراش کہا جاتا تھا، بیخودی کے خضر راہ اور خدا شناسی کی گلی سے آگاہ تھے۔ دیکھنے والے آپ کے جمال باکمال کو دیکھ کر ہی مدہوش ہو جاتے تھے اور طالبان مولیٰ تھوڑی ہی مدت میں سرحد کمال تک پہنچ جاتے۔ بخارا میں آپ ارشاد و رہنمائی کی مسند سجاتے رہے اور ہمہ وقت سخاوت و ایثار کا پانی خلقت کے چہرے پر چھڑکتے رہے، طبقات شاہجہانی کا مصنف کہتا ہے۔ ۱۰۰۱ھ میں دنیائے فانی کو چھوڑ چلے۔

(۷۷) شیخ درویش عزیزان قدس سرہٗ

آپ مولانا پائندہ اخسیکتی کے خلفائے کاملین میں ہیں، آپ کو احرار ثانی کہا

جاتا تھا، کیوں کہ آپ ظاہری و باطنی غنا سے آراستہ تھے، کئی ایک گاؤں کے جاگیر دار تھے، مگر اس کی ساری آمدنی آنے جانے والے (مہمانوں) پر خرچ کر دیتے تھے۔

بادشاہ وقت نذر محمد خاں نماز جمعہ کے وقت آپ سے ملاقات کرنے آیا۔ شیخ اس وقت مراقبہ میں تھے، اور ایک ہاتھ اتنی دیر تک اٹھائے رہے کہ قریب تھا کہ نماز جمعہ چھوٹ جائے۔ کسی کو ہمت نہ پڑی کہ کچھ بولتا۔ آخر ہاتھ نیچے لاکر اقامت پڑھنے کا اشارہ کیا۔ نماز پوری ہونے کے بعد بادشاہ نے نہایت ادب سے پوچھا کہ اس خاص کیفیت کے ساتھ آپ کا توقف فرمانا کیسا تھا؟ فرمایا: کہ بلخ سے سات کوس پر ایک گاؤں ہے، وہاں عبداللہ خاں نے ''آدینہ مسجد'' کے نام سے ایک عالیشان مسجد کی بنیاد رکھی ہے، وہاں تمام مخلصین جمع تھے۔ عین نماز کے وقت سبھی نماز پڑھنے میں مشغول تھے، کہ مسجد کی چھت گرنے لگی۔ ہاتھ اٹھا کر میں چھت کی حفاظت میں مشغول تھا، یہاں تک کے سبھی لوگ باہر آگئے تو میں نے چھت چھوڑ دی اور چھت گر پڑی۔ بادشاہ نے لوگوں کو تحقیق کے لئے بھیجا تو وہی تاریخ نکلی۔

آپ جس موضع میں اقامت رکھتے تھے، اس کا نام ''غجدوان'' ہے خواجہ جہاں کے جوار میں۔ وفات کے بعد اسی جگہ مدفون ہوئے۔

(۷۸) باباشاہ سعید پلنگ پوش قدس سرہٗ

آپ شیخ درویش عزیزاں کے کامل خلفاء میں ہیں، آپ کے اس لقب سے ملقب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہمیشہ چیتے کی کھال پہنے رہتے تھے۔ باباصاحب کی ولادت گاہ غجدوان ہے۔

آپ کے والد مالدار تھے، باباصاحب شروع میں علوم رسمی کی تحصیل میں مشغول ہوئے، اور ہمعصروں پر فوقیت کا جھنڈا لہرایا۔ ایک دن سبق کے بعد

اپنے ہم سبقوں کے ساتھ مباحثہ کر رہے تھے، اسی حال میں دیکھا کہ قلندروں کی ایک جماعت گزر رہی ہے اور ایک شخص ان کے درمیان میں نورانی چہرے والا موجود ہے، دیکھتے ہی آپ کشاں کشاں اس کے پیچھے چل پڑے، جب وہ شخص اپنے گھر پہنچا، تو آپ نے اس کی ہمراہی میں رہنے کی درخواست کی۔ اس نے کہا کہ فقیری دشوار کام ہے، جو حاصل کر رہے ہو وہی کرو، کیوں کہ تمہاری عمر کا تقاضا یہی ہے، اس وقت آپ سات سال کے تھے۔ دست طلب واپس نہ کیا۔ اس بزرگ نے انہیں برہنہ کر کے ایک پاجامہ عطا فرمایا۔ اسی وقت آپ پر اتنا جذب طاری ہوا کہ بیابان کی راہ لی، اور قریب گیارہ سال تک صحراؤں میں اسی طرح برہنہ رہے، قرشی میں ہفتے میں دو بار عام طور سے بازار لگتا ہے، کبھی کبھی بازار آتے، ہر چند لوگ لباس دیتے مگر آپ قبول نہ فرماتے اور عوام میں سعید دیوانہ کر کے مشہور ہو گئے۔

گیارہ سال بعد بازار قرشی میں ہوش میں آ گئے، اور ایک آدمی کا لباس لے کر اپنا تن ڈھانپا۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ سعید دیوانہ کب سے ہوشیار ہو گیا اور جس شخص نے انہیں مجذوب بنا کر رکھا تھا، ان کا نام تھا باباقل فرید، ہوش میں آنے کے بعد بخارا کے بازار میں باباقل فرید کی خدمت میں پہنچے پھر انہیں کے ہمراہ حرمین شریفین گئے، نیز انہیں کی رکاب سعادت میں بخارا واپس بھی آئے۔

ایک روز باباقل فرید آپ کا ہاتھ پکڑے شیخ درویش عزیزان کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ یہ ہمارا فرزند ہے، اس کی پرورش آپ کے ذمے کرتا ہوں، کیوں کہ میرا وقت قریب آ چکا ہے، باباقل فرید انہیں ایام میں رحلت فرما گئے، باباشاہ سعید شیخ کی خدمت میں رہنے لگے اور آپ کی کامل تربیت سے درجۂ کمال پر فائز ہوئے، باباقل فرید ان کے پیر خرقہ ہیں اور حضرت شیخ ان کے پیر ارادت۔

باباشاہ سعید ہندوستان تشریف لانے کے بعد نواب غازی الدین خاں

فیروز جنگ والد نواب آصف جاہ کے لشکر کی حفاظت پر مامور ہوئے، لہذا ہمیشہ اس لشکر کے ہمراہ ہوتے تھے، آپ کی کرامتیں اور خوراق عادات بہت ہیں۔

عبدالرحیم بلخی جو بابا شاہ مسافر کے اعاظم خلفاء میں ہیں اور ۱۱۳۰ھ میں بمطابق ''قطب المحققین'' کے مطابق دارالسلطنت لاہور میں ملک بقا کو روانہ ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک بار ایشاں خورد یعنی بابا شاہ مسافر قدس سرہٗ نے مجھے اورنگ آباد سے ایشاں کلاں یعنی بابا شاہ سعید قدس سرہٗ کی خدمت میں نواب فیروز جنگ کے لشکر میں بھیجا، اثنائے راہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ دو ہاتھی آگے پیچھے گزر رہے ہیں، اور یہ فقیر بیچ میں ہے، سامنے والا ہاتھی صغیر الجثہ ہے، اور مستی وشورش میں کامل اور پیچھے والا ہاتھی عظیم الجثہ ہے، پروقار آہستہ رفتار۔ بیدار ہونے کے بعد دل میں خیال آیا کہ آگے والا ہاتھی جب ایشاں کلاں ہیں اور پیچھے والا ہاتھی ایشاں خورد ہیں، مگر ایشاں خورد مرتبہ میں عظیم ہیں۔

جب ایشاں کلاں کی خدمت میں پہنچا تو چھ مہینے تک ان کی خدمت میں رہا، کبھی کسی خیال کو دل میں راہ نہ دی، مگر ایک روز حضور کی خدمت میں موجود تھا اور گفتگو حقائق و معارف کی ہو رہی تھی کہ وہی خواب والا واقعہ دل میں پھر آ گیا، ایشاں کلاں نے فوراً یہ آیت پڑھی لانفرق بین احد من رسله (ہم اس کے رسولوں میں کسی کو ممتاز نہیں کرتے) اور دوسری بار ایک دن ایک مجمع میں گفتگو فرما رہے تھے کہ وہی خیال گزرا (فی الواقع) جب کوئی خیال دل میں گھر کر لے تو بھلا کب روزی اور گھر بار کی طرف خیال جائے گا۔ فوراً متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ فطرت انسانی کا یہی تقاضا ہے۔ انبیاء علیہم السلام باوجود مرتبہ نبوت پر فائز ہونے کے اس امر سے خالی نہیں تھے۔ اور ایک روز فرمایا کہ چالیس سال ہو گئے کہ نہ نیند آئی ہے، اور نہ کبھی پلک تک جھپکی۔

آپ کی رحلت ۷/رمضان المبارک ۱۱۱۰ھ میں نواب فیروز جنگ کے لشکر

میں گلبرگہ شہر کے علاقے میں ہوئی۔ آپ کی لاش مبارک اورنگ آباد لاکر تکیہ شریف میں دفن کی گئی۔ تاریخ وفات اس مصرع سے نکلتی ہے۔ ''قصر جنت بود مکان سعید'' ۱۱۱۰ھ

(۷۹) باباشاہ مسافر قدس سرہٗ

آپ باباشاہ سعید کا علم ولایت اٹھانے والے اور ارشد خلیفہ ہیں، ان کی منقبت میں فقیر نے یہ قطعہ کہا ہے۔

۱- قطب زماں صاحب شاہ عظیم	شاہ مسافر بہ درحق مقیم
۲- خسرو بے تاج و نگین و علم	تاج دہ قیصر و خاقان و جم
۳- ریشہ بہ اسرار حقیقت دواند	دامن ہمت بہ دو عالم فشاند
۴- خود شکنی ہا اثر ذکر او	روشنی دل اثر فکر او
۵- پادشہ سلسلۂ نقشبند	یک نظر او دو جہاں راپسند

یعنی ۱- بڑے مرتبہ والے (شاہ بمعنیٰ جاہ ہے یعنی بادشاہ کے مرتبہ والے) زمانہ کے قطب، شاہ مسافر جو اللہ کے دروازہ پر مقیم ہیں۔

۲- وہ تاج، انگوٹھی، اور جھنڈہ کے بغیر شاہ ہیں، قیصر، خاکان اور جمشید ہو تاج عطا کرتے ہیں۔

۳- انہوں نے حقیقت کے بھیدوں میں ریشہ دوانی کی، ہمت کے دامن دونوں جہاں سے جھاڑ لئے۔

۴- ان کے ذکر کے اثر نے آپ کی خودی کو توڑا ہے اور ان کے فکر کا اثر دل کی روشنی ہے۔

۵- نقشبندی سلسلہ کے بادشاہ ہیں، ان کی اک نظر دونوں جہاں کے کام بناتی ہے۔

باباشاہ سعید فرماتے ہیں کہ ۱۶/ اشخاص ہمارے خلیفہ و مجاز ہوئے، مگر سبھی مخفی

چلے گئے، البتہ شاہ مسافر نے میری مشیخت کو ظاہر کیا۔

بابا شاہ مسافر کی جائے پیدائش اور مقام نشو ونما غجدوان ہے، آپ کا اصلی نام حافظ محمد عاشور ہے، بابا شاہ سعید نے انہیں مسافر کا خطاب دیا تھا۔ شروع شروع میں آپ میر عطاء اللہ ساکتری کی خدمت میں منسلک رہے، اور طریقۂ کبرویہ کے مطابق ریاضتیں کرتے رہے، چند دنوں بعد میر عطاء اللہ نے آپ کو سیاحت کی رخصت دی، وہاں سے آپ غور آکر بارہ سال مقیم رہے، اور وہاں کے مشائخ کی صحبت اٹھائی، پھر وہاں سے کابل آکر بابا شاہ سعید سے ملاقات کی اور آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے، پھر سات سال کے بعد اجازت لے کر حرمین شریفین چلے گئے۔

اور اس سعادت کی تحصیل کے بعد پہلی فرصت میں خلد مکان ہندوستان لوٹ آئے اور اورنگ آباد میں اس جگہ جہاں آج تکیۂ مزار مبارک ہے سکونت پذیر ہو گئے اور تادم واپسیں پھر قدم نہ نکالا اور بساط ارادت کے حاشیہ نشینوں کو کمال کی چوٹی تک پہنچاتے رہے، چار رجب ۱۱۲۶ھ میں عالم دنیا سے دامن چھڑا لیا اور اپنے پیر کے پہلو میں جانب قبلہ دفن ہوئے، مرزا عنایت اللہ بیگ اندجانی متخلص بہ راجی کہتے ہیں۔

۱- مسافر شاہ ارباب معارف — مقیم عرش شد از فرش ایں طاق
۲- خرد تاریخ سال رحلتش گفت — مسافر شد ز عالم قطب آفاق ۱۱۲۶ھ

یعنی ۱- معارف والے شاہ مسافر کی، یکتا ذات زمین سے عرش پر مقیم ہو گئی۔
۲- ان کی رحلت کی تاریخ خرد نے یہ کہی آفاق کے قطب دنیا سے سفر کر گئے۔

(۸۰) بی بی خورد قدس سرہا

آپ کی جائے پیدائش اور مسکن بلگرام ہے، لوگوں کا بیان ہے کہ ماں باپ

نے چاہا کہ ان کی شادی کردیں، انہوں نے انکار کردیا، آخر ان کے والدین نہ مانے اور شادی کی تیاری شروع کردی، جس وقت مشاطہ (کنگھی وغیرہ) سے انہیں آراستہ کر کے سامنے کیا، تو آپ کا کچھ اور ہی جلوہ تھا۔ مسکراتی ہوئی روحانیوں کی انجمن میں چلی گئیں، والدین یہ حالت دیکھ کر بے حال ہو گئے، اور اسی لباس وزیورات کے اندر سپرد خاک کردیا۔ چوروں کو جب خبر لگی تو قبر پر آئے اور چاہا کہ زیورات اور کپڑے ہتھیا لیں، قادر مطلق جل شانہٗ کے حکم سے سب نابینا ہو گئے، انتہائی حیرت کے عالم میں عاجز رہ گئے، صبح اس کرامت کے ظہور سے خلقت میں ایک شور مچ گیا، اور ان کی خاک پاک صبح قیامت تک زیارت گاہ خلائق ہوگئی، محلہ خورد پورہ انہیں کے نام سے آباد ہے۔

﴿فصل دوم﴾

علمائے کرام اور فضلائے عظام نور اللہ مضاجعہم کے بیان میں

اکابر کے تذکرے کی ابتدا کرنے سے پہلے چند پھول اس فصل کی مناسبت سے دامن اوراق میں بکھیرے جارہے ہیں، تاکہ اگر کوئی ہوشیار دماغ اس طرف توجہ دے، تو ان خوشبوؤں سے لطف اندوز ہونے کی سمت رغبت پیدا کرے۔

تمہید

تاریخ کے منازل کی واقفیت رکھنے والوں اور پرانے نشانات کے مراحل طے کرنے والوں کے دلوں پر واضح ہے، کہ قرون سابقہ میں اسلام کے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے سے پہلے ہی کچھ ایسے عالی فطرت حضرات گذر چکے ہیں، جنہوں نے اپنا وجود ریاضت کی بھٹی میں پگھلا کر اپنے آپ کو روح مجرد بنایا اور ملک وملکوت کے عالم کا بڑی باریک بینی سے مطالعہ کیا، اور اشیاء کی حقیقتوں کو طاقت بشری کی پہنچ تک معلوم کیا، نیز علوم کے اصول وضوابط وضع کیے، اور مستقبل کے لوگوں پر ایک بہت بڑا احسان چھوڑ گئے، صاحب ''کشف الظنون'' عربی عبارت میں کہتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

دنیا کے لوگ دو قسم کے ہیں۔ ایک جماعت تو وہ ہے جس نے علم کی شان کا اہتمام کیا اور معارف کے اصناف واضح کیے۔ دوسرا فرقہ وہ ہے جس نے شان علم کو قبول کیا، اس حیثیت سے کہ ان کی ذات پر عالم کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔

قسم اوّل کے لوگوں میں مصر، روم، ہندوستان، فارس، عرب والے اور عبرانیین یعنی بنی اسرائیل اور کلدانی۔ یہ وہ جماعت ہے جو زمانۂ قدیم میں جن کا مسکن عراق وجزیرہ عرب کی سرزمین تھی، اوران کی زبان سریانی تھی، اور قسم ثانی کے لوگوں میں بقیہ امتیں ہیں سوائے اہل چین وترک کے۔

پھر جب اسلام کا آفتاب عالمتاب افق عرب سے طلوع ہوا اور حدیث خیر الانام ﷺ کی حدیث کا مضمون جلوہ دکھانے لگا کہ اریت لی الارض فرأیت مشارقھا و مغاربھا وسیبلغ امتی ماا ری لی (۱) (مجھے زمین دکھائی گئی تو میں نے شرق تا غرب پوری روئے زمین دیکھ لی اور عنقریب میری امت وہاں تک پہنچنے والی ہے جہاں تک مجھے دکھائی گئی) تو پہلا سرمایہ چھوڑ دیا گیا۔

سابقہ علوم کے ساتھ مسلمانوں کا طرز عمل

اور مسلمانوں نے اشغال سابقہ والی بے کار کتابوں کو جلا ڈالا۔ نیز علماء نے توریت وانجیل وغیرہ کے مطالعے پر پابندی لگادی، بلکہ بعضوں نے حرام تک قرار دیا۔ کرمانی شارح بخاری کہتے ہیں کہ توریت وانجیل کی تحریف میں اختلاف کیا گیا ہے کہ آیا لفظ میں ہے یا معنی میں۔ بعض نے شق ثانی کو مانا ہے اور مطالعہ جائز قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ قول باطل ہے اور بالاجماع مطالعہ جائز نہیں ہے۔ خود حضور علیہ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں صحیفۂ توریت دیکھا تو غضبناک ہوئے''۔ انتہی کلام الکرمانی

جب حضرت سعد بن وقاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ملک فارس کو فتح کیا اور فلسفہ کی بے شمار کتابیں ہاتھ لگیں تو انہوں نے حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لکھا کہ کیا کیا جائے تو عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ:

"اطرحھا فی الماء فان یکن ھدی فقد ھدانا اللہ باھدی منھا و ان یکن ضلالا فقد کفانا ھا اللہ فطر حو ھا فی الماء والنار"

(۱) یہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے، عن ثوبان قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارق الارض و مغاربھا وان امتی سیبلغ ملکلھا مازوی لی منھا یعنی حضرت ثوبان سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین سمیٹ دی اور میں نے اس کے مشارق و مغارب سب دیکھ لئے اور عنقریب میری امت کی سلطنت اس حد تک پہنچے گی جو مجھے سمیٹ کر دکھائی گئی ہے۔ اویسی غفرلہ

یعنی انہیں پانی میں بہادو کیوں کہ اگر وہ ہدایت ہیں تو اللہ نے ہمیں ان سے بڑھ کر ہدایت والی چیز سے نوازا ہے اور اگر وہ گمراہی ہیں تو اللہ نے ہمیں ان سے بچالیا ہے تو سب کتابیں پانی اور آگ کی نذر کردی گئیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تمام مسلمانوں نے کلام الٰہی کو مضبوط پکڑنے اور اسکو عمل میں لانے اور اسی طرح رسول کریم علیہ السلام کی سنت پر عمل کرنے پر اتفاق کیا، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صحبت رسول ﷺ کی برکت، عہد مبارک کے قرب اور کثرت علم کی وجہ سے، یونہی تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین صحابہ کرام کی ملاقات کی وجہ سے، علوم شرائع کی تدوین کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے حتی کہ بعضوں نے کتابت علم کو مکروہ سمجھا، اور حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا: استاذن النبی ﷺ فی کتب العلم فلم یاذن لہٗ" یعنی انہوں نے نبی ﷺ سے کتابت علم کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اجازت نہ دی، ایک شخص نے ایک کتاب لکھ کر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو پیش کیا، حضرت عبداللہ نے کتاب لے کر پانی میں ڈال دی، اس شخص نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ اس خوف سے کہ کہیں کتاب پر بھروسہ کرنے لگو اور حفظ کرنا چھوڑ دو۔

تدوین کتب کی ضرورت

جب ملت اسلامیہ وسعت پکڑنے لگی اور بلاد شرق وغرب مسلمانوں کے قبضے میں آئے، صحابہ رضی اللہ عنہم شہروں کے گوشے گوشے میں پھیل گئے اور سامان زندگی جہاں فانی سے باندھ چلے تو فتنے سر اٹھانے لگے، اذہان و خیالات کا اختلاف گل کھلانے لگا، علماء و حافظان علوم کا وجود کم ہونے لگا، ہمتیں کمزور ہوتی گئیں، جو علماء و مجتہدین باقی رہ گئے، خلقت ان کی طرف رجوع کرنے لگی اور فتاویٰ شائع ہونے لگے۔ خوف یہ ہوا کہ شریعت غرا کے احکام پر اضمحلال طاری نہ ہو جائے اور حق و باطل کا امتیاز نہ مٹ جائے تو تابعین رضی اللہ عنہم کے آخری

زمانے میں علمائے ملت اسلامیہ نے تصنیف کی بنیاد ڈالی اور اس امت مرحومہ پر حق عظیم ثابت کر گئے، جزاهم الله عنا خير الجزاء. یعنی اللہ تعالیٰ انہیں ہماری طرح اچھی جزا عطا فرمائے۔

اسلام کا پہلا مصنف

اس بارے میں اختلاف ہے کہ پہلے پہل جس شخص نے زمانۂ اسلام میں کتاب تصنیف کی وہ کون ہیں، بعض نے کہا کہ عبد الملک بن عبد العزیز بصری متوفی ۱۵۶ھ ہیں، بعض نے کہا کہ ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۰ھ ہیں، ان کے بعد سفیان بن عیینہ نے تصنیف کی، ان کے بعد امام مالک رضی اللہ عنہ نے مؤطا مدینہ شریف میں تصنیف فرمائی، ان کے بعد عبد اللہ بن وہب نے مصر میں، معمر بن عبد الرزاق نے یمن میں، سفیان ثوری، محمد بن عقیل، ابن عران نے کوفہ میں، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ نے بصرہ میں، ہشیم نے واسط میں، عبد اللہ بن مبارک نے خراسان میں۔ ان سب اکابرین کا مطمع نظر اپنی اپنی تصانیف میں قرآن و حدیث کے معانی و بیان کا ضبط و کشف ہی رہا۔

علوم فلسفہ کی طرف رغبت

جب خلافت کا معاملہ بنی عباس کو منتقل ہوا، تو خلیفہ ثانی منصور دوانیقی کو عجمیوں کی صحبت کے اثر سے فلسفہ سے رغبت ہوگئی، خصوصاً علم نجوم کا بہت گرویدہ ہوگیا اور اہل نجوم کی بڑی تربیت اور نوازش کی۔ پھر جب ساتویں خلیفہ مامون بن ہارون رشید تک خلافت پہنچی تو اس نے ان علوم میں پوری دلچسپی لی اور جو بنیاد اس کے دادا نے رکھی تھی، اسے مکمل کر دیا اور علوم فلسفہ کو اصلی معادن و مقامات سے نکلوایا، نیز ایلچیوں کو بادشاہ روم کے پاس بھیج کر کتب فلاسفہ کی مانگ کی۔

روم کے بادشاہ نے افلاطون، ارسطاطالیس، بقراط، جالینوس، اقلیدس اور بطلیموس وغیرہ کی جس قدر کتابیں جمع ہو سکیں خلیفہ کے دربار میں بھیج دیں، خلیفہ

نے ماہر مترجمین کو ترجمہ کرنے کا حکم دیا اور نصاب تدریس میں شامل کرا دیا۔ وقت کے مفکرین دانا نے کمر ہمت باندھی اور سکت بھر ان علوم کی ترویج و پختگی کو درجۂ کمال تک پہنچایا، اور پر لطف تصانیف گلشن استقبال کے نوخیزوں کے لئے چھوڑ گئے، ان (ماہرین) میں سب سے عمدہ معلم ثانی ابو نصر فارابی ہے، پھر شیخ بو علی سینا، قاضی ابو الولید ابن الرشیدی، اور وزیر ابو بکر مشہور بہ ابن الاصابع اندلسی وغیرہ ہیں۔ صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں: (یہاں پر ان کے کلام کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے)۔

صاحب کشف الظنون کی باریک بینی

''عجائبات میں سے ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ شرعی اور عقلی علوم میں ملت اسلامیہ کے اکثر علماء عجمی ہیں، سوائے فن فصاحت و بلاغت، نظم اشعار آبدار اور خطبوں اور اخبار کی ترتیب کے، اس لئے کہ ان فنون کو عرب نے انتہا کے درجہ تک پہنچا دیا، لیکن علوم شرعی جن کی بنیاد مجموعی طور پر قاعدوں اور ضابطوں پر ہے وہ ایسے دوسرے علوم کے محتاج ہیں جو شریعت کے علوم کا وسیلہ ہیں مثلاً عربی زبان کے قواعد، استنباط کے قواعد، قیاس اور وہ یقینی دلیلیں جن سے باطل عقائد کا رد ہو، ان تمام علوم کا مجموعہ تعلیم و تعلم کا محتاج ہے اور ان صنعتوں کے ماتحت ہے، جو اہل تمدن میں ہوتی ہیں کہتے ہیں کبھی تمدن، تمدن کی صفت میں عجم کے تابع ہیں کیوں کہ یہ لوگ صنعتوں اور حرفتوں میں پختہ مہارت رکھتے ہیں، اور اس بارے میں ساری قوموں پر فائق ہیں بلا شبہ ضبط، اتقان علم اور تدوین فنون میں کوئی بھی عجمیوں کے رتبہ کو نہیں پہنچتا۔ عجم کے علماء میں سے علم نحو کی صنعت میں سیبویہ، ابو علی فارسی اور زجاج ہیں، جو سبھی عجمی الاصل ہیں، انہوں نے عربوں کے میل جول سے عربی زبان سیکھی، عربی کے قاعدے، ضبط کتابت کی قید میں لائے۔ اسی طرح محدثین و حفاظ مثلاً صحاح ستہ کے مصنفین، مفسرین اور اصولیین اور ان کے علاوہ

سبھی عجمی ہیں۔ علوم عقلیہ بھی صناعت ہیں اور ان علوم کا قرعہ عجمیوں کے نام نکلا''۔ یہاں تک کشف الظنون کے کلام کا خلاصہ ہے۔

چونکہ ممالک روم وایران وتوران قدیم الاسلام ہیں، اس لئے علم کا پودا بھی سب سے پہلے اسی سرزمین پر پھلا پھولا، اور **اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء** پارہ ۱۳/ (اس کی اصل ثابت ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں) کا مرتبہ پایا، اور اس کے بعد جب اسلامی لشکر نے ہندوستان فتح کرنے کا پرچم بلند کیا اور غلبہ وظفر کا پرچم اس ملک پر سایہ گستر ہوا، تو علمائے عالی مرتبت کی ایک جماعت نے اپنی آمد کے عکس سے شبستان ہند کو منور کیا اور علوم عقلیہ ونقلیہ کی کرنیں بکھیر کر یہاں چراغاں کر دیا، اس کے بعد سے ہر دور میں اس مقدس گروہ کی ایک جماعت شہرستان وجود میں موجود رہی اور ترویج علوم و اشاعت فنون کا جھنڈا لہراتی رہی ہے، تفصیل کتب تواریخ سے معلوم کرنا چاہیے، اس مختصر میں بطور تبرک اس گروہ کے عظیم المرتبت مشاہیر کا بیان کرتا ہوں، اس کے بعد فضلائے بلگرام کا تذکرہ کروں گا جو اس سلسلۂ تدوین کے محرک ہیں۔

۱۔مولانا حسن صغانی قدس سرہٗ

حسن بن محمد بن حسن بن حیدر صغانی لاہوری نور اللہ ضریحہ، عالم ربانی اور مشکل کلام کے معانی کی باریکیوں سے آگاہ تھے۔ فقہ وحدیث اور دوسرے علوم میں بلند پایہ تھے، آپ کی ولادت لاہور میں پندرہ صفر ۵۷۷ھ میں ہوئی۔ صغانی انہیں وطنیت کی بنیاد پر کہا جاتا ہے۔ صغان بفتح صاد مہملہ وغین معجمہ ماوراء النہر کے علاقوں میں ایک علاقہ ہے۔

پہلے والد کے پاس تعلیم حاصل کی اور بے شمار فنون میں بلند استعداد پیدا کر لی۔ ۶۱۵ھ میں بغداد چلے گئے۔ کئی سال وہاں مقیم رہ کر تصنیف وتدریس میں

مصروف رہے، وہاں سے مکہ معظّمہ گئے۔ عرصہ تک بیت اللہ شریف کی مجاورت میں رہ کر سعادت اندوز ہوئے پھر عراق واپس آ گئے۔ ۶۱۷ھ میں خلیفہ وقت نے بطور سفیر ہندوستان بھیجا پھر ۶۲۴ھ میں ہندوستان سے عراق واپس چلے گئے اور پھر دوبارہ بطور سفیر ہندوستان آئے اور ۶۳۷ھ میں بغداد لوٹ گئے۔

آپ نے مکہ معظّمہ، عراق، عرب اور ہندوستان کے کافی مشائخ سے حدیث کا استماع کیا اور بہترین کتابیں تصنیف فرمائیں، جیسے ''مشارق الانوار'' جو کافی شہرت رکھتی ہے، ''شرح بخاری''، ''مصباح الدجیٰ''، ''الشّمس المنیر''، ''در الصحابہ'' اور ان سب کی شروح فن حدیث میں، اور کتاب الشوارد، عباب، شرح القلادۃ السمطیۃ فی توشیح الدریدیۃ نیز کتاب الافتعال فن لغت میں اور کتاب الفرائض، فرائض میں اور کتاب العروض عروض میں ہے۔

آپ کی وفات بغداد میں ۶۵۰ھ میں مستعصم باللہ کے عہد میں ہوئی جو خلفائے عباسیہ کا آخری خلیفہ ہے۔ آپ نے صاحبزادوں کو وصیت فرمائی تھی کہ میری لاش مکہ معظّمہ پہنچا دیں، پہلے انہیں حرم ظاہری یعنی اپنے گھر بغداد میں بطور امانت رکھ چھوڑا پھر اسی سال مکہ معظّمہ میں لا کر دفن کیا۔ مولانا نے ''مشارق الانوار'' کی تمہید میں اس شہر مکرم میں اپنے دفن کی تمنا کی ہے اور کہا ہے: "اماتۂ بھا حمیداً فاقبرۂ ثم اذا شاء انشرۂ" یعنی قابل تعریف ذات گرامی اس میں موت دے پھر اسی میں دفن فرمائے، پھر جب چاہے اسے زندہ کر کے اٹھائے۔

۲۔ شیخ حمید الدین دہلوی قدس سرہٗ

آپ نہایت عمدہ فہم و ذکا رکھتے تھے۔ آپ نے ہدایہ فقہ کی ایک نہایت مفید شرح لکھی ہے، ۶۴۷ھ میں دارالبقاء کو روانہ ہو گئے۔ صاحب کشف الظنون

لکھتے ہیں:

"شرح الشیخ حمید الدین شرح لطیف ممزوجٌ اوّلهٗ۔ "الحمد لله الذی هدانا فی بدایتنا الیٰ خدمة کتابهٖ المبین الیٰ آخره" قال العلامة ابن الکمال هو شرح جلیل جمع فیه لب شروح کثیرة لکنهٗ اطنب فی موضع الایجاز واوجز فی موضع التفصیل فلذالك وردت علیه الاعتراضات اقول العلامة ابن الکمال وان کان فرید دهره بلا مانع ووحید عصره بلا مدافع لکنهٗ صرف عنان عزمه عن التحقیق فی اکثر مصنفاتهٖ وسلك طریق الجدل فی اشهر مؤلفاتهٖ سیما فی شرحهٖ علیٰ الهدایة فانهٗ وصل فیهٖ للجدل الی النهایة انتهی کلام کشف الظنون ملخصا۔"

یعنی شیخ حمید الدین کی شرح ہدایہ پرلطف اور مزیدار شرح ہے اس کا ابتدائیہ یہ ہے الحمد لله الذی هدانا فی بدایتنا الیٰ خدمة کتابهٖ المبین تا آخر۔ علامہ ابن الکمال نے فرمایا کہ وہ نہایت عمدہ شرح ہے۔ جس میں کثیر شرحوں کا خلاصہ جمع کیا ہے لیکن انہوں نے ایجاز کی جگہ اطناب اور تفصیل کی جگہ ایجاز سے کام لیا ہے، اسی لئے ان پر اعتراض اٹھائے گئے۔ میں کہتا ہوں علامہ ابن الکمال اگر چہ فرید دہر و وحید عصر بلا اختلاف ہیں، مگر انہوں نے عزم کی لگام اپنی اکثر تصنیفات میں تحقیق سے پھیر دی ہے اور جدل کا طریقہ اختیار کیا ہے، خصوصاً اپنی شرح ہدایہ میں کیوں کہ اس میں انہوں نے جدل کی انتہا کردی ہے۔

۳۔ مولانا شمس الدین یحییٰ اودی نور اللہ ضریحہٗ

آپ دانش کی کرنیں بکھیرنے والے ایک آفتاب ہیں، اور دانائی کی صفوں کو سنوارنے والی عالی جناب ہستی ہیں۔

مولانا ظہیر الدین بھکری و مولانا فرید الدین شافعی شیخ الاسلام اودھ کے شاگرد ہیں۔ شیخ نصیر الدین محمود اودھی چراغ دہلوی قدس سرہٗ نے مولانا شمس الدین کی خدمت میں تلمذ کیا، آپ استاذ کی تعریف میں فرماتے ہیں:

سألت العلم من احياك حقاً

فقال العلم شمس الدين يحييٰ

یعنی میں نے علم سے پوچھا تجھے کس نے زندگی بخشی، تو علم نے جواب دیا شمس الدین یحییٰ نے۔

مولانا سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی قدس سرہٗ کے اجلۂ خلفاء میں ہیں۔ علماء کے لبادے میں رہتے اور ہمیشہ اشاعت علم و افاضۂ تصانیف میں مشغول رہتے تھے، آپ کے تبحر علم کا معاملہ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ شہر دہلی کے اساتذہ بھی آپ کے حلقۂ درس میں زانوئے ادب طے کرتے تھے، اور تلامذہ کی فہرست میں منسلک ہو کر آپ کی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے مولانا صاحب تصانیف تھے مگر اس وقت ان کی کتابیں کمیاب ہیں۔ آرامگاہ دہلی میں ہے۔

۴۔ قاضی عبد المقتدر قدس سرہٗ

قاضی عبد المقتدر بن قاضی رکن الدین شریحی کندی دہلوی قدس سرہٗ زمانے کے پیشوا اور ظاہری و باطنی اوصاف میں عظیم الاقتدار ہیں۔ ابتدائے تحصیل علم میں جب شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں پہنچتے تو علمی گفتگو چھیڑ دیتے، شیخ آپ کو بہت پسند فرماتے اور آپ کی بحثوں کی تحسین فرماتے اور تحصیل علم میں رغبت دلاتے۔ آخر کار انہوں نے اپنا ہاتھ شیخ کے دامن ارادت میں دے ہی دیا اور کمال ظاہری کے ساتھ جمال باطنی سے بھی ہم آغوش ہوئے۔ آپ ہمیشہ طلبہ کی تدریس میں مشغول رہتے اور تشنہ لبوں کو علوم کی سلسبیل

سے سیراب کرتے (کیوں کہ) شیخ نصیر الدین محمود اور آپ کے خلفا کا عمدہ طریقہ، آداب شریعت کی حفاظت اور تعلیم میں اشتغال ہی تھا۔ شیخ نصیر الدین فرماتے تھے کہ شریعت کا ایک مسئلہ ایسی ہزار رکعتوں سے افضل ہے جن میں ریا اور تکبر کی آمیزش ہو۔

قاضی عبدالمقتدر کا انتقال ۲۶؍محرم الحرام ۷۹۱ھ میں ہوا۔ آپ نے ۸۸؍ سال کی عمر پائی۔ مزار پاک دہلی میں ہے۔ قاضی صاحب عربی زبان کے بلند رتبہ شاعر ہوئے، ان کا قصیدۂ لامیہ شیخ عبدالحق دہلوی نے اخبار الاخیار میں ذکر کیا ہے، اس صحیفہ میں چند اشعار حضرت شیخ کی اتباع میں درج کئے جارہے ہیں۔

۱-یا سابق الظعن فی الاسحار والاصل
سلم علیٰ دار سلمیٰ وابك ثم سل

۲-عن الظباء التی من دابها ابداً
صید الاسود بحسن الدل والبخل

۳-وان ملوك الكرام قدمضوا فذروا
حتیٰ یجیبك عنهم شاهد الطلل

۴-اضحت اذا بعدت عنها کوا عبها
اطلالها مثل اجفان بلا مقل

۵-ان الظباء التی یصبحن رافلةً
فیها لها حو رضت عن الحول

۶-ان کن مستغنیات فی تزیینها
عن الحلی وکحل العین والحلل

۷-فان من ملکت قلبی لها شرف
علیٰ المها العین والارام بالاطل

۸-فـدی فـؤادی اعـرابیة سـکـنـت
بیتـامـن الـقـلـب مـعـمـوربلا حول

۹-یاطالب الجاه فی الدنیا تکون غداً
علیٰ شفاحفرة النیران والشعل

۱۰-یا طالب العز فی العقبیٰ بلا عمل
هـل تـنـفـعک فیهـا کثـرة الامـل

۱۱-مکّـارة اکـلـت کـالهرما ولدت
حیـالة قتلـت مـن جـاء بـالحیل

۱۲-فلاتکن لمزیدالرزق مضطرباً
واقـنـع بـمـا قسـم القسام فی الأزل

یعنی ۱-اے رات ودن کے جلدی سفر کرنے والو! سلمیٰ کے گھر پر سلام کرنا رونا اور پوچھنا

۲-ان ہرنیوں سے دریافت کرنا جو ہمیشہ اپنی خوب صورت اداؤں اور ترکیبوں سے شیر کا شکار کرتی ہیں

۳-کریم صفت بادشاہ جو گزر گئے، اور برباد ہو گئے تمہیں ان کی طرف سے ان کے ویران سراؤں کے گواہ جواب دے گئے۔

۴-جس وقت ان کی پستانیں پچک گئیں تو ان کا ڈیل ڈول ان پلکوں کی طرح ہو گیا جن میں ڈھیلے نہ ہوں۔

۵-وہ ہرنیاں جو صبح کے وقت وہاں ٹہل رہی تھیں ان کے لئے اس میں ہوشیاری سے استقامت پیدا کردی

۶-یقیناً وہ سب اپنی زینت میں زیورات، آنکھ کے سرمے اور بیش قیمت لباس سے بے نیاز ہیں۔

۷-میری محبوبہ ایسی دلکش آنکھیں رکھتی ہے جس کی دلکشی کے سامنے اونچے ٹیلوں

حسین آنکھوں والی نیل گائیں اور ہرنیاں ہیچ ہیں۔
۸- میرا دل ایسی پر قربان ہو گیا جو دل کے گھر میں بس گئی، وہ دل جو بلا کسی کجی کے اس کی محبت سے لبریز ہے
۹- اے وہ شخص جو دنیا میں بلند مرتبوں کا خواہش مند ہے تو کل قیامت کے دن آگ کے گھڑے کے کنارے اور شعلوں میں گھرا ہوگا
۱۰- اے وہ شخص جو نیکی کے بغیر آخرت میں عزت کا خواہش مند ہے، کیا تجھے آخرت میں بڑی بڑی امیدیں فائدہ پہنچا سکیں گی۔
۱۱- وہ دنیا ایسی مکار ہے جس نے بلی کی طرح کھا ڈالا اور نہیں جنا، اور ایسی ہی حیلہ باز ہے جو اس کے پاس آیا اسے حیلوں سے ہلاک کر ڈالا۔
۱۲- زیادہ روزی پانے کے لئے بیچین نہ ہو، اور اس تھوڑے پر صبر کر جو ازل میں بانٹنے والے نے قسمت میں لکھ دیا ہے

۵- مولانا معین الدین عمرانی دہلوی قدس سرہٗ

آپ علمائے فحول و حاملین فروع واصول سے ہیں، شہر دہلی (اللہ تعالیٰ اسے آباد رکھے) کے استاذ اور سلطان محمد بن تغلق شاہ کے ہمعصر ہیں۔

علم کی تعظیم حیرت انگیز واقعہ

لوگوں کا بیان ہے کہ سلطان محمد نے مولانا معین الدین کو ملک فارس میں قاضی عضد یحییٰ کے پاس بھیجا اور گزارش کی کہ ہندوستان تشریف لائیں، اور متن ''مواقف'' کو سلطان کے نام سے منسوب کریں، سلطان ابواسحٰق والی شیراز نے منع کیا اور کہا کہ تخت سلطنت تمہیں دے سکتا ہوں اور جو عہدہ چاہو پیش کر سکتا ہوں، (مگر آپ ایسا نہ کریں) قاضی صاحب نے جب بادشاہ کی اس درجہ تواضع دیکھی تو ہندوستان آنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے وطن ہی میں مقیم رہے، اور

''مواقف'' کو سلطان ابواسحٰق کے نام سے منسوب کیا، اور بادشاہ کے نام کو قیامت تک کے لئے عزت کی کرسی پر بٹھا دیا، مولانا معین الدین عمرانی جس وقت شیراز کے علاقے میں پہنچے تو وہاں آپ کے فضل و دانش کے آثار ظہور میں آئے، آپ کا نہایت اعزاز و اکرام کیا گیا، آپ کی تصانیف میں ''کنز الدقائق''، ''حسامی'' اور ''مفتاح'' کے حواشی ہیں۔

۶۔ مولانا خواجگی دہلوی نور اللہ مضجعہٗ

آپ عالم ربانی اور مولانا معین الدین عمرانی کے شاگرد ہیں، فنون ظاہری کی منزلیں طے کرنے کے بعد باطن کے طریقہ کی جانب متوجہ ہوئے، اور بیعت کی سعادت شیخ نصیر الدین محمود اودھی قدس سرہٗ کی خدمت میں رہ کر حاصل کی، تزکیہ و تصفیہ باطن کے درجات میں کمال پیدا کیا اور خلافت و اجازت کا خرقہ پہنا۔ حضرت مرشد اور برادران طریقت قدس اللہ اسرارہم کے عمدہ طریقے پر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، ہمیشہ علم آموزی کو اپنا شیوہ بنایا، اور طلبا کے ایک گروہ کو دانش کے سرمایہ سے بہرہ مند کیا۔

جب امیر تیمور صاحبقران نے دہلی کا ارادہ کیا تو میر سید محمد گیسو دراز قدس سرہٗ نے خواب میں تیموری افواج کے حملے اور دہلی شہر کی بربادی کی اطلاع پائی، اور لوگوں کو اس واقعہ سے خبردار کر دیا۔ مولانا خواجگی حضرت سید قدس سرہٗ کے خواب کی بنیاد پر دہلی سے نکل آئے اور سامان سفر کالپی کی طرف باندھا اور بقیہ زندگی کے ایام یہیں پورے کئے، آپ کا مزار شہر کالپی کے باہر ہے۔

۷۔ مولانا احمد تھانیسری قدس سرہٗ

آپ فاضل بے مثال اور خوش کلام شاعر ہیں۔ چراغ دہلوی نور اللہ مرقدہٗ

کے انوار باطن سے مستفیض و مرید ہیں، آپ کا اور مولانا خواجگی دہلوی علیہ الرحمہ کا بھائی کا سا معاملہ تھا، مگر شہر دہلی سے ہجرت کرتے وقت ساتھ رہنے کا اتفاق نہ ہوسکا، یہاں تک کہ عساکر تیموری آپہنچے اور شہر دہلی کو تاراج کر ڈالا، مولانا احمد تھانیسری کے رشتہ دار قید کر لئے گئے اور فتنہ کا غبار بیٹھنے کے بعد رہا ہوئے۔

صاحبقران امیر تیمور نے مولانا کے تبحر علمی کی تعریف سنی، تو خدمت میں طلب فرمایا اور آپ کے فضل و کمال کے جوہر کا ملاحظہ کیا، تو اپنا خاص ہمنشیں اور مصاحب بنالیا اور افواج تیموری کی واپسی اور دہلی کی رونق اجڑنے کے بعد مولانا احمد بھی اہل و عیال کے ساتھ کالپی چلے گئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ عمر کا آخری حصہ بھی عبادت و تعلیم کے شغل میں صرف کر دیا۔ مولانا کی قبر قلعہ کالپی کے اندر واقع ہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی قدس سرہٗ نے آپ کا قصیدۂ دالیہ ''اخبار الاخیار'' میں شامل کیا ہے اس کے چند اشعار منتخب کر کے اس کتاب کو مزین کیا جاتا ہے۔

اشعار و تراجم

۱-اطـار لبی حـنیـن الـطـائر الغرد
وهـاج لـوعة قـلبـی التـائـه الکمد

۲-واذ کرتنی عهودا بالحمیٰ سلفت
حـمـائـه صـدحـت من لاعج الکبد

۳-بـاتـت تور قنی والقوم قد هجعوا
مـن بیـن مـضـطـجع منهم و مستند

۴-مـازار طـرفی غمضٌ بعد بعد کم
ولا خیـال سـروردار فـی خـلـدی

۵-لیت الهوی لم یکن بینی و بینکم
ولیـت حبل و وادی غیـر مـنعقد

۶-کـانـت مـواسـم ايـام وغـرتهـا
ولـت سـراعـاً عـلى رغم ولم تعد

۷-كانه لم يكن بين الحمى انس الى
الـلوىٰ وكـان الـحـى لـم تـفـد

۸-لاعيش بعد لئيلات اللوى رغد
ولا وصـول الىٰ ذاك الـحمىٰ بيدى

۹-حـل الاحاديث عن ليلى وجارتها
وارحـل الى السيد المختار من اود

۱۰-مـحـمـد احـمـد الهادى لامتـه الى
الـصـراط صـراط غيـرمـلتـحـد

۱۱-بـر رؤف رحيـم سيـد سـنـد
سهل الـفتـاء رحيـب الباع والصفد

۱۲-افـديك بـالروح والقلب المشوق معاً
والـنـفـس والـمال والاهلين والولد

۱۳-قدعا قنى البعد عن مر مائى يا سكنى
وطـال شـوقـى الىٰ لقياك يا سندى

۱۴-ارجـوالوفادة فى ارض حللت بهٖ
يـا لهف نـفسـى اذامـاكـنت لم تفد

۱۵-عـطـفـا عـلى ورفقابى و مكرمة
فـليـس غيـرك يـا مـولاى ملتحدى

۱۶-يـارب صـل و سـلـم دائمـا ابداً
عـلـى الـنبـى نبـى الحق والـرشد

۱۷-وصـحـبـه ذويه الطاهرين ومن
احبهم شغفا في الغيب والعند

۱۸-مالاح برق وما سح الغمام على
ربي الفلافكساها حلة القتد

۱۹-وما تغرد غريد على فتن
غض الاروماة مخضل و ملتبد

یعنی ۱-میری عقل چہچہانے والی چڑیانے چھین لی، اور میرے مغرور غمگین دل کی جلن کواور بھڑ کا دیا۔

۲-اور مجھے اس سرسبز زمانے کی یاد دلائی جو گزر چکا، جس کی سرسبزی نے جگر کی سوزش سے آواز نکالی۔

۳-مجھے جگا کر اس نے رات گزاری حالانکہ لوگوں میں کوئی چت لیٹ کر اور کوئی ٹیک لگا کر سو گیا تھا۔

۴-تمہارے چلے جانے کے بعد میری آنکھوں نے پلکیں نہیں جھپکائی، اور نہ کسی خوشی کا خیال دل میں آیا۔

۵-کاش کہ میرے اور تمہارے بیچ میں محبت نہ ہوتی، اور نہ میری محبت کی رسی بندھی ہوتی۔

۶-گویا کہ دنوں کے موسم اور ان کی خوشحالی میری ناپسندیدگی کے باوجود تیزی سے بھاگی اور واپس نہیں لوٹی۔

۷-گویا کہ سبزہ زار اور ریت کے میدانوں کے بیچ میں کسی طرح کی محبت نہ تھی اور قبیلے نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

۸-ریتلی میدانوں میں رہنے والی لیلاؤں کے چلے جانے کے بعد، میری زندگی میں عیش نہیں رہا اور نہ اب اس تک ہاتھ پہنچ پائے گا۔

۹- لیلیٰ اور اس کے پڑوسیوں کی بات چل پڑی اور اس نے شوق سے سید مختار ﷺ کی طرف کوچ کیا۔

۱۰- محمد احمد ﷺ اپنی امت کو صحیح راستے کی ہدایت کرنے والے ہیں ایسے راستے کی جو کسی بد دین کا راستہ نہیں ہے۔

۱۱- بھلائی کرنے والے مہربان، رحم فرمانے والے سردار دونوں جہان میں سہارا، جن کے گھر کے سامنے پہنچنا آسان ہے، وہ وسیع ہاتھ اور بخشش کرنے والے ہیں۔

۱۲- میں آپ ﷺ پر روح اور مشتاق دل ساتھ ساتھ فدا کرتا ہوں اور نفس مال بیوی اور بچوں کو قربان کرتا ہوں۔

۱۳- اے میرے سکون دل! مجھے دوری نے اپنے تیر کے نشانوں سے قیام سے دور رکھا، اے مری سند میرا شوق آپ کی ملاقات کے لئے بے تاب ہے۔

۱۴- میں اس سرزمین پر سفیر بن کر آنا چاہتا ہوں جس میں آپ نے قیام فرمایا، اے میرے نفس تجھ پر افسوس ہے کہ تو اپنے آپ کو ان پر فدا نہیں کر سکا۔

۱۵- مجھ پر مہربانی فرماتے ہوئے میرے ساتھ نرمی برتتے ہوئے اور کرامت بخشتے ہوئے معاملہ فرمائیے۔ اے میرے آقا آپ کے علاوہ میرا کوئی ٹھکانہ نہیں

۱۶- اے میرے رب ہمیشہ ابدی طور پر نبی ﷺ پر درود و سلام نازل فرما جو سچائی اور ہدایت کے نبی ﷺ ہیں

۱۷- اور آپ کے صحابہ اور آپ کی پاک اولاد اور ان لوگوں پر جو دل کی گہرائیوں سے پوشیدہ اور معقول طریقے سے محبت کرتے ہیں۔

۱۸- جب تک بجلی چمکتی ہے اور بادل وسیع میدانوں کے ٹیلوں پر برستے ہیں اور اسے درخت قتاد کا زیور پہناتے رہیں۔

۱۹- جب تک چہچہانے والی چڑیاں شاخوں پر چہچہاتی رہیں اور درختوں کی جڑ تر اور چمٹنے والی رہے۔

۸- قاضی شہاب الدین ملک العلماء قدس سرہٗ

قاضی شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر زوالی دولت آبادی علیہ الرحمہ ہندستان کے بہترین دانشور اور بلاد عرب وعجم میں شہرۂ آفاق ہیں، آپ کی جائے پیدائش دولت آباد دہلی (۱) ہے، رسمی علوم مولانا خواجگی دہلوی اور قاضی عبدالمقتدر شریحی کی خدمت میں حاصل کیے اور معاصرین کی انجمن میں امتیاز کا چراغ جلایا۔ اگرچہ اس وقت دوسرے دانشور بھی یکتائے زمانہ تھے مگر جو شہرت آپ کے حصے میں آئی، وہ کسی کو میسر نہ ہوئی اور جو یادگاریں آپ کی ذات سے صحیفۂ روزگار پر باقی رہیں، وہ کسی دوسرے سے نہیں رہیں۔

قاضی عبدالمقتدر آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک ایسا طالب علم آتا ہے، جس کی کھال بھی علم مغز بھی علم، اور ہڈی بھی علم ہے۔

جن دنوں تیموری پرچم دہلی کی طرف بڑھ رہے تھے، قاضی صاحب اپنے استاد مولانا خواجگی کی رکاب میں ہجرت کے واسطے دہلی سے کوچ کر گئے، مولانا تو کالپی میں فروکش ہو گئے اور قاضی صاحب جونپور چلے گئے، سلطان ابراہیم شرقی علیہ الرحمہ نے آپ کی آمد کو غنیمت جان کر آپ کی بے حساب عزت افزائی کی اور ''ملک العلما'' کا خطاب عطا فرما کر بلند شہرت کر دیا، ہمعصروں کے حسد کی رگیں حرکت میں آگئیں، قاضی صاحب نے مولانا خواجگی کے پاس حاسدوں کی شکایت لکھی، مولانا نے شیخ سعدی شیرازی کے یہ دو شعر جواب میں لکھ بھیجے ؎

۱- اے بیش از آنکہ در قلم آید ثنائے تو
واجب بر اہل مشرق و مغرب دعائے تو

(۱) یہاں کاتب سے سہو واقع ہوا، دولت آباد دہلی میں نہیں بلکہ دکن میں ہے، اور یہ اورنگ آباد مہاراشٹر میں واقع ہے۔ سلسلۂ قادریہ کے پہلے بزرگ وہاں آرام فرما ہیں، فقیر نے رمضان مقدس ۱۴۲۸ھ میں حاضری کی سعادت حاصل کی ہے۔

۲-اے در بقائے عمر تو نفع جہانیاں
باقی مباد آنکہ نخواہد بقائے تو

یعنی ۱-اے وہ ذات جو قلم کی تعریف سے بھی فزوں ہے، مشرق اور مغرب کے رہنے والوں پر تیرے حق میں دعا واجب ہے۔
۲-اے وہ ذات جس کی بقا میں دنیا والوں کا فائدہ ہے، خدا کرے وہ باقی نہ رہے جو تیری زندگی نہ چاہے

کہا جاتا ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں حاسدوں کی پارٹی فنا ہوگئی۔

قاضی صاحب کی تصانیف میں ''کافیہ'' کے حواشی آپ کی زندگی ہی میں مشہور ہوئے۔ ''ارشاد'' علم نحو کے بیان میں متن ہے، جس میں مسئلے کی تمثیل، تعبیر کے ضمن میں رکھنے کا التزام کیا اور ایک نئی طرز دریافت کی ہے، ''بدیع المیزان'' فن بلاغت میں متن ہے، جس کی عبارت مسجع ہے۔ ''بحر مواج'' کلام اللہ کی فارسی زبان میں تفسیر ہے۔ اس میں بیان ترکیب و معنیٰ اور وصل و فصل آیات بینات کے وجوہ کے بیان میں سعی بلیغ کی ہے۔ شرح اصول بزدوی بحث امر تک لکھی ہے۔ قصیدہ ''بانت سعاد'' کی ایک طویل شرح نیز علوم وصنائع کی تقسیم پر ایک فارسی رسالہ اور رسالہ مناقب السادات وغیرہ ہیں۔

قاضی صاحب ۲۵ رجب المرجب ۸۴۹ھ میں فردوس اعلیٰ کی سیر کو تشریف لے گئے مزار پاک شہر جونپور میں مسجد سلطان ابراہیم شرقی کے جنوب میں ہے۔

۹-شیخ علی بن شیخ احمد مہایمی قدس سرہٗ

آپ قوم نوایت سے ہیں، قوم نوایت دکن کے علاقے میں مشہور ہے۔
طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

''نایتہ طائفہ ایست از قریش کہ از ترس حجاج بن یوسف ثقفی کہ پنجاہ ہزار کس علماء واولیاء را ناحق کشت، از مدینہ منورہ برآمدند وخود را بہ ساحل ہند رسانیدند ودراں سرزمین توطن برگرفتند وایں تفرقہ در ۱۵۲ھ اثنین وخمسین ومائۃ ہجری واقع شد''

یعنی نایتہ ایک جماعت ہے قریش کی جو حجاج بن یوسف ثقفی کے خوف سے مدینہ منورہ سے نکلی، جس نے پچاس ہزار علماء، اولیا کو ناحق قتل کرایا تھا اور خود کو بحر ہند کے ساحل تک پہنچایا اور وہیں بود وباش اختیار کرلی اور یہ تفرقہ ۱۵۲ھ میں پیش آیا۔ مہایم بروزن عظایم گجرات احمد آباد کی ایک بندرگاہ ہے۔

شیخ علی دانائے وقت وصاحب ذوق وعرفان تھے۔ توحید وجودی کا اثبات کرتے تھے اور شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہٗ کی پیروی کرتے تھے، آپ کی عمدہ تصانیف میں تفسیر رحمانی، زوارف شرح عوارف المعارف وشرح فصوص الحکم، شرح نصوص شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ اور ادلۃ التوحید وغیرہ ہیں۔ جمادی الاولیٰ ۸۳۵ھ میں عالم قدس کو روانہ ہوئے، اور مہائم میں آرامگاہ ہے، جو زیارت وتبرک کی جگہ ہے۔

۱۰- شیخ سعد الدین خیرآبادی قدس سرہٗ

آپ کے والد قاضی بڈھن قصبہ انام (۱) کے قاضی تھے، جو شیخ سعد الدین کے بچپن ہی میں دنیا سے چل بسے۔ زمانۂ طفولیت ہی سے ہدایت کے آثار شیخ سعد الدین کی پیشانی سے نمایاں تھے، جب سے آپ کو مکتب بھیجا گیا تب سے روزانہ اپنی تختی یاد کرلیتے تھے، اور رات میں ایک ہزار بار پڑھتے تھے، قرآن مجید کو بھی اسی طریقے سے ٹکڑے ٹکڑے یاد کیا، ہوش سنبھالنے کے بعد مولانا اعظم

(۱) انام، شاید کہ اناؤ کی ہی کا نام ہے، اور اب قصبہ نہیں، اتر پردیش کا ایک ضلع ہے۔ یہ وضاحت اس بنا پر لکھی گئی ہے کہ تحقیق کرنے پر بھی انام نامی قصبہ کا پتہ نہ چل سکا۔

لکھنوی علیہ الرحمہ کی خدمت سے منسلک ہو گئے۔ علم کی تحصیل پر کمر باندھ کر تھوڑے ہی عرصہ میں کمال حاصل کر لیا اور علمائے عصر کے سردار بن گئے، دست بیعت شیخ مینا لکھنوی کے ہاتھ میں دیا، اور معرفت کی مینا سے جام بھر کر نوش کیا۔

شیخ مینا قدس سرہٗ نے ۴ر صفر ۸۷۴ھ میں گلشن جنت کی سیر فرمائی، شیخ سعد الدین مرشد کے انتقال کے بعد چند دنوں تک لکھنؤ میں مقیم رہے۔ آخر کار خواب میں مرشد کی طرف سے اشارہ ہوا کہ خیر آباد جاؤ، شیخ کے حکم کے مطابق خیر آباد پہنچے اور وہیں رہنے لگے، حق تعالیٰ نے آپکو بڑا اعتماد اور بڑی شہرت بخشی، نذرانے ہر طرف سے نازل ہوتے مگر آپ ان کو آنے جانے والوں پر خرچ فرما دیتے تھے اور مستحقین کو گیہوں کا دلیا بانٹا کرتے، اس کے بعد عزیزوں کو اناؤ (اناؤ) سے خیر آباد بلوالیا، ان کے رہنے کے لئے عمارتیں بنوائیں۔ ان انتظامات کے باوجود جس دن اس دنیا سے رخصت ہوئے، تو کفن کے لئے کپڑا تک گھر میں موجود نہ تھا۔ آپ نے حضرت مرشد کے طریقہ پر بغیر شادی کے زندگی بسر فرمائی، اور سالوں تک مسند ارشاد و تدریس کو رونق بخشتے رہے، نیز کتب متداولہ پر بہترین شرحیں لکھیں، مثلاً بزدوی، حسامی، کافیہ، مصباح وغیرہ کی شرحیں اور مجمع السلوک کے نام سے رسالہ مکیہ پر ایک شرح لکھی۔ اس کتاب میں شیخ مینا کے ملفوظات و حالات بہت درج کئے ہیں اور جس وقت اپنے شیخ کی کوئی بات نقل کرتے ہیں تو کہتے ہیں "قال شیخی مینا ادامۂ اللہ قینا" آپ کا مزار پر انوار خیر آباد میں خلائق کے لئے حاجت روا ہے۔

۱۱۔ مولانا عبد اللہ تلنبی قدس سرہٗ

تُلَنْبَہ۔ تائے فوقانی پر ضمہ لام پر فتحہ نون ساکن، بائے موحدہ پر فتحہ آخر میں ہائے مختفی، علاقہ ملتان کا ایک مشہور شہر ہے۔ آپ علما کے پیشرو اور فضلا کے قافلہ

کے سالار ہیں، جامع معقول و منقول و مستکمل فروع و اصول ہیں۔ ایک لمبے عرصہ تک وطن مالوف میں تدریس کی چارپائی پر بیٹھ کر شش جہات کو علوم کی کرنوں سے منور کر دیا، آخر میں ملتان کی ویرانی کے بعد شیخ عزیز اللہ تلنبی کے ساتھ دارالخلافہ دہلی کوچ کر گئے، اور اس دیار میں علوم عقلیہ کو رواج دیا، جب کہ اس سے پہلے منطق و کلام میں سوائے شرح شمسیہ اور شرح صحائف کے کوئی بھی کتاب ہندوستان میں مروج نہ تھی۔

سلطان سکندر لودھی نے آپ کی تشریف آوری کی نہایت قدر کی اور بے حد اعزاز و اکرام سے پیش آیا، مولانا عبد اللہ کی وفات ۹۲۲ھ میں واقع ہوئی "اولئك لهم الدرجات العلیٰ" (تاریخ نکالنے میں اولئک کا ہمزہ یاء تحتانی کے ساتھ محسوب ہے) سے آپ کی تاریخ نکالی گئی ہے آرامگاہ دہلی میں ہے۔

۱۲۔ مولانا اللہ داد (الہداد) جونپوری قدس سرہٗ

آپ کی ذات والا صفات نام ہی کی طرح عطائے ربانی و بخشش یزدانی تھی۔ قال کے خزانوں کی کلید اور مجالس حال کے چراغ تھے۔ آپ مولانا عبد اللہ تلنبی کے شاگرد اور راجی حامد شہ مانک پوری کے مرید تھے، عمر مبارک کا اکثر حصہ تدریس و تصنیف میں صرف کر دیا، عمدہ تصانیف اور بہترین تالیفات میں مشغول رہے، مثلاً ہدایہ فقہ کی شرح چند جلدوں میں لکھی اور شرح بزدوی، حواشی ہندیہ پر حاشیہ اور تفسیر مدارک پر حاشیہ لکھے ہیں۔

۱۳۔ شیخ علی متقی قدس سرہٗ

آپ کا اصل وطن جونپور ہے اور ولادت مبارکہ برہان پور میں ہوئی۔ اپنے عربی وصیت نامے میں فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

''میرے والد نے بچپن ہی میں مجھے شیخ باجن برہانپوری سے مرید کرایا، جب میں سن بلوغ کو پہنچا تو شیخ کو اپنا پیر مان لیا، والد کی موافقت میں بزرگوں کے قول کے مطابق جو انہوں نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی بچہ کسی شیخ کا مرید ہو جائے تو بالغ ہونے کے بعد اسے اختیار ہوگا اگر چاہے تو اسی شیخ کو اپنا پیر بنائے اور چاہے تو کسی دوسرے شیخ سے مرید ہو جائے۔ جب میرے والد اور شیخ انتقال فرما گئے تو مشائخ چشت کا خرقہ شیخ عبدالحکیم بن شیخ باجن مذکور سے پہنا، اس کے بعد مجھے کسی ایسے شیخ کی طلب ہوئی جو مجھے ہدایت کرے اور راہ حق کی رہنمائی کرے، میں نے اس غرض سے ملتان کا سفر کیا اور شیخ حسام الدین متقی کی صحبت میں ایک مدت تک رہا، پھر حرمین شریفین چلا گیا اور شیخ ابوالحسن بکری کی صحبت اختیار کی اور ان سے قادری شاذلی اور مدنی خرقہ حاصل کیا، نیز ان تینوں سلسلوں کا خرقہ شیخ محمد بن محمد سخاوی سے بھی حاصل کیا''

۹۵۳ھ میں آپ حرمین شریفین پہنچے اور مکہ معظمہ میں (مستقل) سکونت اختیار کرلی، کثرت ریاضت وتقویٰ اور علوم ظاہری و باطنی کی اشاعت سے آپ کا غلغلہ عالم بالا تک پہنچ گیا۔ حجاز مقدس کے خواص و عوام آپ کے فضل ولایت کے کمال کا اعتراف کرتے تھے، شیخ ابن حجر مکی مفتی حرم محترم صاحب صواعق محرقہ ابتدا میں آپ کے استاد تھے مگر بعد میں آپ کے شاگرد ہو گئے، آپ سے بیعت کی رسم ادا کی اور خرقۂ خلافت پہنا۔

آپ کی تصانیف کی تعداد ۱۰۰ ار سے زیادہ ہے، کتاب جمع الجوامع اور جامع صغیر شیخ جلال الدین سیوطی کو ابواب فقہیہ پر مرتب کیا اور وجوہ تصرفات کو طاقت بھر نئے سرے سے ترتیب دی ہے۔ شیخ ابوالحسن بکری فرماتے تھے "للسیوطی منة علی العلمین و للمتقی منة علیه" (سیوطی کا احسان ساری دنیا پر اور متقی کا احسان سیوطی پر ہے)

آپ کی وفات ۲/ جمادی الاولیٰ ۹۷۵ھ میں ہوئی "شیخ مکہ" تاریخ وفات ہے، عمر گرامی نوّے سال ہوئی، شیخ عبدالحق دہلوی قدس سرہٗ ترجمہ مشکوٰۃ کتاب الامارۃ والقضاء میں شیخ عبدالوہاب متقی سے نقل فرماتے ہیں:

محدث دہلوی کا ایک واقعہ

"ایک بار شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ کو خیال ہوا کہ عدالت کا ثواب بہت ہے۔ اگر مل جائے تو بہتر ہے۔ چند دنوں تک اس نیت سے عدالت کا عہدہ اختیار کر لوں، نیز امتحان بھی ہو جائے گا کہ شغل دنیا حضور قلب واطمینان کے ساتھ ہو سکتے ہیں یا نہیں جب سلطان محمود گجراتی نے جو حضرت شیخ کا نہایت معتقد تھا یہ قصہ سنا تو غنیمت جانا اور کارخانہ سلطنت کی سعادت سمجھی، شیخ نے داروغگی کا منصب لے لیا اور دارالعدالت میں جا بیٹھے۔ کچھ کمینے اور پاجی خدمتگاروں نے جو خدمت میں رہتے تھے رشوت ستانی شروع کر دی۔ بادشاہ تک بات پہنچی کہ شیخ اتنا متقی ودیانتدار ہونے کے باوجود رشوت لیتے ہیں اور افراط وتفریط کرتے ہیں بادشاہ نے نہ مانا تو لوگوں نے کہا کہ جو لوگ ان کے ساتھ رہتے ہیں ان میں کچھ لوگ رشوت خور ہیں، جنہیں شیخ ضرور جانتے ہوں گے اور روا بھی رکھتے ہوں گے، جب شیخ کو معلوم ہوا کہ بادشاہ تک اس قسم کی بات پہنچی ہے تو چند مرتبہ اس کی اصلاح کی طرف توجہ دی مگر دیکھا کہ معاملہ صحیح نہیں ہوتا، تو ایک روز چبوترۂ عدالت پر بیٹھے تھے کہ اپنی لاٹھی لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور یاروں سے سلام علیک کہہ کے چل نکلے اور فرمایا کہ یہ دونوں کام جمع نہیں ہو سکتے اور آخرت ہی اچھی ہے"۔

۱۴- شیخ محمد طاہر فتنی (پٹنی) قدس سرہٗ

آپ خادم حدیث نبوی، حامی سنت مصطفیٰ ہیں۔ کتب متداولہ کی تحصیل کے بعد حرمین شریفین کی راہ لی، اس دیار مکرم کے علماء ومشائخ خصوصاً شیخ علی متقی سے

ملاقات کی، ان کی محفل مقدس میں حاشیہ نشینی کی بدولت بے حد فیوض حاصل کئے، نیز بیعت کے شرف سے مشرف ہونے کے بعد وطن اصلی لوٹ آئے اور تعلیم و تدریس کا ہنگامہ گرم کیا اپنے شیخ کی وصیت کے مطابق ہمیشہ صبح کے وقت علوم کے نسخہ نویسوں کی امداد کے لئے روشنائی گھولتے رہتے۔ یہاں تک کہ سبق پڑھاتے وقت بھی روشنائی تیار کرنے میں منہمک رہتے تا کہ ہاتھ بھی فارغ نہ رہیں۔

آپ کی کئی بہترین تالیفات ہیں جیسے ''مجمع بحارالانوار'' غرائب احادیث میں۔ مغنی فن اسماء الرجال میں اس کے علاوہ اور بھی ہیں۔

مہدوی فرقہ کی اصلاح

آپ مہدوی فرقے کے پیشواؤں کو جو آپ کے ہم قوم تھے اور سید محمد جونپوری کی اقتدا کرتے تھے، اپنے استاذ ہی کی طرح شکست دینے پر کمر بستہ ہو گئے اور عہد کرلیا کہ جب تک اس قوم کے ماتھے سے بدعت کا داغ نہ دھولیں گے، دستار سر پر نہ باندھیں گے۔ جب اکبر شاہ نے ۹۸۰ھ میں گجرات کو فتح کیا اور پٹن میں شیخ سے ملاقات ہوئی۔ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے شیخ کے سر پر دستار باندھی اور فرمایا کہ آپ کے دستار باندھنے سے باز رہنے کی وجہ میرے کانوں میں آئی ہے، لہٰذا دین متین کی خدمت آپ کی خواہش کے مطابق میرے ذمہٗ انصاف پر لازم ہے۔ اس سال گجرات کی حکومت خان اعظم مرزا عزیز کو تفویض ہوئی۔ خان اعظم کی مدد سے اکثر رسوم بدعات مٹادیئے گئے، پھر اس کے بعد صوبہ گجرات پر عبدالرحیم خانخاناں کا تقرر ہوا، تو اس کی حمایت سے مہدوی فرقہ پھر اپنی کمین گاہوں سے نکل پڑا، شیخ نے دستار اپنے سر سے کھول دی تا کہ آگرہ جائیں اور سارا ماجرا اکبر بادشاہ کے کانوں تک پہنچا کر اس کا تدارک کرائیں۔ شیخ وجیہ الدین علوی قدس سرہٗ نے اشارۃً بہت منع کیا اور فرمایا کہ دنیا اسمائے جلالی و جمالی کا مظہر ہے، ہر اسم کے آثار و احکام کی حفاظت ایک سیدھا راستہ ہے۔

(نصیحت) کا کوئی فائدہ نہ ہوا اور چل پڑے، مخالفوں کا ایک گروہ آپ کے پیچھے لگ گیا۔ اُجین اور سارنگ پور کے درمیان زخمی کر کے شہید کر ڈالا۔ ۹۸۶ھ میں آپ کی لاش مالوہ سے پٹن لے جا کر اسلاف کے مقبرے میں دفن کی گئی۔

شیخ عبد القادر کے حالات

آپ کی اولاد میں شیخ عبدالقادر بن شیخ ابو بکر مکہ معظّمہ کے مفتی تھے، علم وفضل فصاحت وبلاغت خصوصاً فقہ میں ممتاز عصر تھے۔ کئی سال حرم محترم کی مسند افتا پر فائز رہے۔ آپ کی تالیفات میں فتاویٰ کی چار جلدیں اور مسودات کا ایک نسخہ ہے، آپ کی وفات ۱۱۳۸ھ میں ہوئی، شیخ عبداللہ طرفہ انصاری مکی شافعی استاذ شیخ عبدالقادر نے شاگرد کی مدح میں قصیدہ لکھا ہے، جس میں آپ کے دادا شیخ محمد طاہر کا نسب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہنچایا ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

۱- قد کان جد ابیك بُلّ ضریحهٗ
من اوحد العلماء والفضلاء

۲-اعنی محمد طاهر من منجی
الصدیق حقفة بغیر مراء

یعنی ۱- آپ کے پردادہ، ان کی قبر پر رحمت ونور کی بارش ہو علماء وفضلا کی جماعت میں منفرد شان والے تھے۔

۲- یعنی محمد طاہر جو قبیلۂ منجی سے ہیں، جن کا نسب یقینی طور پر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔

لیکن شیخ محمد طاہر جمہور کے نزدیک بوہرا قوم سے ہیں۔ شیخ عبدالحق دہلوی کا کلام بھی اخبار الاخیار میں اس کی تصریح کرتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صدیقی آپ کو ماں کی طرف سے کہا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں، کہ چونکہ شیعہ اپنے آپ کو حیدری کہتے ہیں، اس لئے آپ اپنے کو صدیقی لکھتے تھے۔

۱۵- شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی قدس سرہٗ

آپ عالم علوم ظاہر و باطن اور دنیا و آخرت کے خزانوں کے خازن ہیں، آپ کی ولادت محرم ۹۱۱ھ میں ہوئی، جائے پیدائش چانپانیر ہے، وہیں پلے بڑھے، اور شہر گجرات میں علوم متداولہ کی تحصیل ملا عماد طارمی سے کی اور شیخ قاضن قدس سرہٗ کی خدمت میں رسم بیعت ادا کی، پھر جس وقت محمد غوث گوالیاری قدس سرہٗ احمد آباد تشریف لائے تو شیخ وجیہ الدین آپ کے جمال مبارک میں محو ہو گئے اور شیخ کی تربیت کے سایہ میں مقصد کی تکمیل کی۔ کئی سال مسند درس وارشاد پر بیٹھ کر شرق تا غرب ایک عالم کو اپنے فیض سے نوازا۔

آپ کی تصانیف میں حاشیہ بیضاوی تفسیر میں، حاشیہ نخبۃ الفکر اصول حدیث میں، حاشیہ عضدی، حاشیہ تلویح، حاشیہ بزدوی، حاشیہ ہدایہ، حاشیہ شرح وقایہ، حاشیہ مطول و مختصر، حاشیہ اصفہانی، حاشیہ شرح عقائد تفتازانی، حاشیہ بر حاشیہ قدیم محقق دوانی، حاشیہ حکمت العین، شرح مقاصد، حاشیہ شرح قطبی، حاشیہ شرح چغمینی، شرح تحفۂ شاہی، شرح رسالہ فارسی ملا علی قوشجی، حاشیہ شرح ضیائیہ، شرح ارشاد قاضی شہاب الدین دولت آبادی، شرح ابیات منہل، شرح جام جہاں نما، شرح کلید مخازن، رسالہ حقیقت محمدیہ ہیں۔

آپ کی وفات بروز ۲۹ رصفر ۹۹۸ھ میں ہوئی "لھم جنات الفردوس نزلا" تاریخ وفات ہے۔ مزار احمد آباد میں ہے۔

۱۶- شیخ مبارک بن شیخ خضر ناگوری قدس سرہٗ

آپ مایۂ ناز عالم اور سردار فضلاء سے ہیں، آپ کے پانچویں دادا نے دیار یمن سے نکل کر اقصائے عالم کی سیر کی اور اللہ تعالیٰ کی صناعی کے بیشمار عجائبات کا

مشاہدہ کیا۔ نویں صدی ہجری قصبہ ایل سواد سیوستان ملک سندھ میں سکونت اختیار کی، وہیں متاہل بھی ہوئے۔ شیخ خضر دسویں صدی ہجری کے اوائل میں ہندوستان کی سیاحت پر نکلے۔ شہر ناگور کو منزل اقامت بنایا۔ شیخ مبارک نے وہیں ۹۱۱ھ میں وجود کا لباس پہنا اور جوان ہوتے ہی احمد آباد کی جانب چل پڑے، وہاں خطیب ابوالفضل گازرونی اور دوسرے اکابر سے بیشمار فضائل جمع کئے۔ ۹۵۰ھ میں صوبہ آگرہ کی طرف کوچ کر گئے اور وہاں قریب پچاس سال تک تدریس کی انجمن کو گرمی بخشتے رہے۔

عجائبات عالم سے یہ ہے کہ پانچ سو ضخیم جلدیں اپنے ہاتھ سے تحریر فرمائیں۔ اواخر عمر میں باوجودیکہ بینائی بیکار ہو چکی تھی، قوت حافظہ سے کام لے کر ایک تفسیر املا کرائی، جو چار جلدوں میں بنام منبع عیون المعانی سے موسوم ہے۔ عبارات کو مسلسل بولتے جاتے اور کاتب انہیں تحریر کا لباس پہناتے جاتے۔ آپ کی وفات ۱۷ ذی القعدہ ۱۰۰۱ھ میں ہوئی، خوابگاہ آگرہ میں ہے۔

۱۷- شیخ ابوالفیض فیضی بن شیخ مبارک مذکور قدس سرہٗ

پانچویں شعبان ۹۴۵ھ کو آگرہ میں پیدا ہوئے، علوم متداولہ کو والد ماجد کے پاس چودہ سال کی عمر میں مکمل کر لیا۔ حکمت و عربیت کی زیادہ ترمشق کی، یکتائی کا غلغلہ معاصرین میں بلند کیا اور اس وادی میں ڈنکا بجایا کہ

۱- آنم کہ فنون ذوفنوناں دارم
انوار چراغ رہنموناں دارم

۲- ایں کالبدم زخاک ہنداست و لے
در ہر بن و موہزار یوناں دارم

یعنی ۱- میں وہ ہوں جو مختلف اہل فنون کے فنون کو سمیٹے ہوا ہوں، اور رہنماؤں کے

چراغ کے انوار لئے ہوا ہوں۔

۲-اگرچہ میرا یہ بدن ہندی نژاد ہے لیکن ہر بال کی جڑ میں حکمت کے ہزاروں یونان سمیٹے ہوئے ہوں

ملک الشعراء کا خطاب

جب آپ کی قابلیت کا شہرہ اکبر بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو ۹۷۴ھ میں طلبی کا فرمان جاری ہوا۔ ملازمت پانے کے بعد بادشاہ کی خاص عنایتوں سے نوازے گئے، مزید قرب اور خاص ہمنشینی کا شرف ملا اور فن شعر گوئی میں ''ملک الشعراء'' کا خطاب حاصل کر کے فخر کی مانگ بھری۔

شیخ کے وہ اوصاف جو شاعری سے تعلق رکھتے ہیں دفتر شعراء میں تحریر کئے جائیں گے۔

۹۹۹ھ میں آپ بارگاہ اکبری کے سفیر بن کر راجا علی خاں والی خاندیس کے پاس گئے اور احکام پہنچانے کے بعد برہان شاہ والیٔ احمد نگر کے پاس سفیر بن کر گئے پھر ۱۰۰۲ھ میں اکبر بادشاہ کے پایۂ تخت لوٹ آئے اور ۱۰ر صفر ۱۰۰۴ھ میں دنیا سے چل بسے اور اپنے والد ماجد کے پاس دفن ہوئے، جانکنی کے وقت اکبر بادشاہ آدھی رات کو عیادت کے لئے آیا اور ان کا سر پکڑ کر اپنے زانو پر رکھ لیا۔

شیخ فیضی کی فضیلت کی سب سے بڑی دلیل ''سواطع الالہام'' بے نقطے کی تفسیر ہے، کیوں کہ اس سے پہلے اب تک کے ہزار سالہ تاریخ میں کسی بھی ماہر کو یہ مقام حاصل نہ ہو سکا۔ اس پر طرفہ یہ کہ اتنا دشوار کام صرف دو سالوں کے اندر ابتدا سے انتہا تک پہنچا دیا۔ میر حیدر معمائی کاشی نے تفسیر مکمل ہونے کی تاریخ جو ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی تھی سورۂ اخلاص سے نکالی اور دس ہزار روپئے انعام حاصل کئے، فضلائے عصر نے اس تفسیر پر تعلیقات لکھیں جیسے شیخ یعقوب کشمیری، سید محمد شامی اور ملا ظہوری ترشیزی نے تو ایک مایۂ ناز قصیدہ اور لگ بھگ ۷۰ر رباعیاں

اہمال (بے نقطہ) کی تعریف پر مشتمل لکھ ڈالیں، نیز ملا ملک قمی نے بھی رباعیات نظم کیں۔ چونکہ تفسیر کا یہ نسخہ کمیاب ہے، اس لئے سورۂ کوثر کی تفسیر جو سب سورتوں میں چھوٹی ہے، تحریر کی جاتی ہے تا کہ اس کی کیفیت کا خلاصہ سامنے آجائے:

"بسم الله الرحمٰن الرحيم لما رحل ولد رسول الله صلعم (صلى الله علىٰ رسوله) وادركه السام وسمعه (صمه، صح) العاص وكلم وهو عسود لاولد لهٗ لو ادركه السام هلك وحسم اسمه صلى الله علىٰ رسوله ارسل الله انّا اعطينٰك محمداً الكوثر العطاء الكامل علما وعملا والمورد الامرء ماء والاحمد هواء وورد ماء المدام وهو مورد رسول الله صلى الله علىٰ رسوله اعطاه الله كرماً اوالمراد الاولاد اوعلماء الاسلام اوكلام الله المرسل فصلّ دواماً لربك لله لالما سواه كما هو عمل مرءِ مراء عمدالا سهواً وانحرواسدح لله واعطه اهل السؤال وهو عكس الكلام الاول المصرح لاحوال اهل السهو والصد واعما لهم ان شانئك عدوك هوالا بتر المعدوم لا ولد له وادام الله اولادك ومراسم اوامرك ومكارم عصرك ومحامد مراسمك"

ترجمہ

یعنی اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا، جب اللہ کے رسول ﷺ کے صاحبزادے دنیا سے تشریف لے گئے اور انہیں موت نے آلیا، تو عاص نے عیب لگایا اور بولا کہ محمد ﷺ سخت ہیں اور ان کی کوئی اولاد نہیں جب انہیں موت آلیگی تو ہلاک ہو جائے گا اور ان کا نام مٹ جائے گا، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو علم و عمل میں کامل کیا ہے یا مولد مراد ہے جس کا پانی گوارا تر اور اس کی ہوا قابل تعریف ہے اور اس کی تفسیر ماء

مدام سے بھی آئی ہے اور وہ اللہ کے رسول ﷺ کا مورد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بطور کرامت عطا فرمایا ہے یا آپ کی اولاد مراد ہے یا علمائے اسلام یا اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا کلام (مراد ہے) تو آپ ﷺ ہمیشہ اپنے رب کے لئے نماز پڑھتے رہیے یعنی صرف اللہ کے لئے، اس کے سوا دوسرے کے لئے نہیں، جیسا کہ دانستہ ریا کار کا عمل ہوتا ہے، نادانستہ سے نہیں اور قربانی کیجئے اور سوال کرنے والوں کو عطا فرمایئے۔ یہ پہلے کلام کا عکس ہے جو سورۂ ماعون میں گزرا جس میں اہل سہو وصد کی کیفیات بیان کی گئیں تھیں۔ بے شک آپ کا دشمن ہی ناکام ہے یعنی معدوم ہے اس کی اولاد نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی اولاد آپ ﷺ کے احکام کے طریقوں اور آپ ﷺ کے زمانے کی بزرگی اور آپ کے طریقوں کے قابل تعریف امور کو ہمیشہ باقی قائم ودائم رکھے گا۔

حواشی: السام = موت = وصم = عیب لگانا = عسور بالفتح = تنگی میں بسر کرنے والا = حسم بالفتح = کاٹنا = امرء بالفتح = خوشگوار = مرائی = ریا کرنے والا = سدح = ذبح کرنا = کلام اول = سے مراد سورۂ ماعون ہے۔

نیز "موارد الکلم" بھی علم اخلاق میں آپ کا بے نقطہ کا ایک رسالہ ہے اور ترجمہ لیلاوتی (۱) ہے، جو ہندی زبان میں علم حساب کی ایک کتاب ہے۔

۱۸- شیخ عبدالحق دہلوی قدس سرہٗ

آپ کا شہرہ اہل جہاں کا سامعہ نواز ہے، مورخین کے قلم آپ کے مناقب تحریر کرنے کے لئے اجمالاً وتفصیلاً مشغول ہیں۔ چند سطریں جو لوح سنگ پر نقش کر کے مزار فائض الانوار کے قبہ پر چن دی گئی ہیں، اس رسالہ میں اس لوح کی عبارت پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ وہ عبارت یہ ہے:

(۱) لیلاوتی نامی کتاب فارسی زبان میں سلاطین اودھ کے زمانے میں لکھنؤ سے چھپ چکی ہے

''مجملے از احوال کرامت منوال ایں مقتدائے وقت صاحب المفاخر ابوالمجد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ آنکہ از مبادی شعور بہ طاعت حق وطلب علم کمر بستہ نزدیک باوان بلوغ اکثر علوم دین تحصیل کرد، ودرسن بست ودوسالگی از ہمہ آں فارغ شدہ وکلام مجید از برگرفتہ بر مسند افادہ نشست وہم در عنفوان جوانی جاذبۂ الٰہی دررسید۔ بیک بار دل از یار ودیار برکندہ متوجہ حرمین محترمین گشت۔ مدتے مدید بہ آں مقامات شریفہ اقامت ورزیدہ بہ اقطاب زماں واولیائے کبار صحبت ہاداشتہ بہ ودائع ارجمند و رخصت ارشاد طالبان اختصاص یافت و علاوہ (ایں) تکمیل فن حدیث نمودہ بابرکات فراواں بہ موطن مالوف مراجعت فرمود، و مدت پنجاہ ودوسال بہ جمعیت ظاہر وباطن تمکن یافتہ تکمیل فرزنداں و طالباں بجا آورد۔ وبہ نشر علوم سیما علم شریف حدیث پرداختہ بہ نہجے کہ در دیار عجم احدے را از علمائے متقدمین ومتاخرین دست نہ دادہ است، ممتاز ومستثنیٰ گردید۔ ودر فنون علمیہ خاصہ فن حدیث کتب معتبرہ تصنیف کرد۔ چنانکہ علمائے زماں اعتناء بہ آں ورزیدہ دستور العمل خود دارند۔ واہل دانش از خواص وعوام بہ جاں خریداری می نمایند، تصانیف ایں فیاض والا از صغیر وکبیر بہ صد مجلد وبہ حسب شمار ابیات پانصد ہزار رسیدہ است۔ در محرم ۹۵۸ھ ایں نور اتم پرتو ظہور بہ عالم عنصری داد۔ ودر ۱۰۵۲ھ بہ تمام آگہی وکشادہ پیشانی بہ عالم قدس خرامید۔ تاریخ ولادت شیخ اولیاء، وتاریخ رحلت فخر العالم است''

یعنی مقتدائے وقت، صاحب المفاخر ابو المجد عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کے حالات شریفہ بطور اجمال یہ ہیں کہ آپ نے ابتدائے شعور سے طاعت حق و تحصیل علم پر کمر باندھی، سن بلوغ تک اکثر علوم دینیہ کی تحصیل کر لی اور ۲۲ رسال کی عمر میں ان سب سے فراغت اور کلام مجید حفظ کرنے کے بعد مسند افادہ پر رونق افروز ہوئے۔ جوانی ہی میں الٰہی کشش پیدا ہوئی پھر یک بیک گھر بار سے دل اٹھا

کرحرمین شریفین کی جانب متوجہ ہوئے۔ کافی عرصہ تک ان مقامات شریفہ میں مقیم رہ کر اقطاب زمانہ واولیائے کبار کی صحبت اختیار کی۔ وہاں سے بہترین عطایا وارشاد طالبین کی اجازت لے کر نیز فن حدیث کی تکمیل کر کے بیشمار برکتوں کے ساتھ وطن مالوف کو مراجعت فرمائی۔ یہاں آپ نے ۵۲/سال تک ظاہر و باطن کی آراستگی کے ساتھ فرزندوں اور طالبان کو کمال تک پہنچایا۔ علوم کے پھیلانے خصوصاً حدیث شریف کے علم میں شاغل رہ کر وہ بھی اتنا جتنا متقدمین ومتاخرین میں کسی عالم کو بھی میسر نہ ہو سکا، ممتاز و مستثنیٰ ہوئے اور فنون علمیہ خاص کر فن حدیث میں معتبر کتابیں تصنیف فرمائیں جسے علمائے زمانہ سے قبول فرما کر اپنا دستور العمل بناتے ہیں اور اہل علم چاہے خاص ہوں یا عام، جان سے عزیز رکھتے ہیں۔ آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف سو جلدوں میں ہیں۔ اشعار کی تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ محرم ۹۵۸ھ میں یہ نور کامل ظاہر ہوا اور ۱۰۵۲ھ میں پوری آگہی اور خندہ پیشانی سے عالم قدس میں جا بسا، تاریخ ولادت شیخ اولیاء اور تاریخ وفات فخر العالم ہے۔"

۱۹-شیخ نور الحق قدس سرہٗ

آپ شیخ عبد الحق دہلوی کے خلف صادق ہیں۔ قدس اللہ اسرارہما۔ آپ اپنے والد بزرگوار کے شاگرد بھی ہیں مرید ومنظور نظر بھی، اور اسی یگانۂ روزگار کے ظاہری و باطنی کمالات کے وارث بھی۔ چونکہ صاحبقران ثانی شاہجہاں- انار اللہ برہانہ- شاہزادگی ہی کے زمانے سے آپ کی استعداد عالی کے جواہر سے واقف تھے، اسلیئے دکن کی طرف توجہ کا پرچم لہرانے کے وقت شیخ کو دار الخلافہ اکبر آباد کا عہدۂ قضا سپرد کیا، ایک مدت تک آپ اُس عظیم شہر کے قاضی رہے اور اس منصب نازک کا حق جیسا چاہیئے، ویسا ہی آپ نے ادا کیا۔

آپ کی بیشمار تصانیف ہیں۔ جس طرح شیخ عبد الحق دہلوی قدس سرہٗ نے مشکوٰۃ کا ترجمہ فرما کر احسان کا ہاتھ کشادہ فرمایا ہے، یونہی آپ نے بھی صحیح بخاری کا ترجمہ تحریر فرمایا ہے۔ نوے سال کی عمر پائی اور ۱۰۷۳ھ میں جوار رحمت میں آرام فرما ہوئے، خواب گاہ دہلی میں ہے۔

۲۰- ملا محمود جونپوری قدس سرہٗ

آپ علمائے اشراقیین کے نقاد اور حکمائے مشائین کا لب لباب ہیں، آپ کا نسب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ خصوصاً حکمت میں اہل فضیلت کے پیش رو تھے، جن کی طرف (اخذ فیض کے لئے) سب کی انگلیاں اٹھتی تھیں۔

آپ نے استاذ الملک شیخ محمد افضل جونپوری کی شاگردی کی، اور سترہ سال کی عمر میں فاتحہ فراغ پڑھی، اس کے بعد اشہب قلم میدان تصنیف میں دوڑایا اور "شمس بازغہ" حکمت میں، "فرائد" فن بلاغت میں تصنیف کی۔ پوری عمر آپ سے ایسی کوئی بات سرزد نہ ہوئی جس سے رجوع کیا ہو۔ جس وقت سائل کوئی مسئلہ پوچھتا اگر جواب دل میں حاضر ہوتا تو جواب دیتے ورنہ کہتے کہ اس وقت دل جواب کی طرف متوجہ نہیں ہے۔

رصد گاہ بنانے کی تجویز

آپ نے صاحبقران ثانی شاہجہاں کو ایک رصدگاہ(۱) بنوانے کی ترغیب دی، وزیر نے بعض وجوہ کی بناء پر بادشاہ کی رائے سے بے اعتنائی کی، اور کہا کہ بلخ کی مہم درپیش ہے، اس کے لئے خزانوں کی ضرورت ہے۔ آپ نے جو زمین رصدگاہ کے لئے تجویز کی تھی، چند دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ کسی پرانے فلسفی نے

(۱) وہ بلند مکان جہاں سے اہل نجوم ستاروں کو دیکھ کر حالات کا اندازہ لگاتے ہیں ۱۲

اس جگہ کو رصد کے لئے پسند کیا تھا۔

علامہ کے استاذ شیخ محمد افضل کہتے ہیں کہ جس وقت علامہ تفتازانی و جرجانی دنیا سے گئے، اس وقت سے کسی نے بھی اتنے بڑے دو فاضلوں کو ایک شہر میں اکٹھا ہوتے نہیں دیکھا یعنی ملاّ محمود اور شیخ عبدالرشید جن کا ذکر آرہا ہے، شاہ شجاع بن صاحبقران شاہجہاں نے علامہ کے پاس تلمذ کیا اور امیر الامراء شائستہ خاں کے ساتھ فرائد پڑھی، آپ کا ایک رسالہ ''نائکا'' بھید کے فن میں ہے جو زبان فارسی میں ہے، وہ یوں کہ ہندوستانی معشوقہ کی باعتبار انداز وادا، درجات عمر، مراتب الفت و بے الفتی وغیرہ کے لحاظ سے کئی قسموں پر تقسیم کیا، اور ہر قسم کا ایک نام تجویز فرمایا اور ہر قسم کے بیان میں اشعار آبدار نظم فرمائے۔

ملاّ محمود کی وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۶۲ھ میں ہوئی۔ ایام ناتواں کو دیکھو جس نے استاذ کی زندگی ہی میں ملاّ محمود کی بساط زندگانی لپیٹ دی۔ چالیس روز تک کسی نے استاذ کو ہنستے نہ دیکھا، چالیس دن بعد استاذ بھی شاگرد سے جا ملے۔ ایک شخص نے یہ مصرعہ تاریخ نکالا ہے۔

''محمود وافضل بگو آہ آہ'' ۱۰۶۲ھ

۲۱- شیخ عبدالرشید جونپوری ملقب بہ شمس الحق قدس سرہٗ

آپ اولیائے کبار و علمائے عظام سے ہیں، شیخ فضل اللہ جونپوری کے شاگرد اور اپنے والد شیخ مصطفیٰ کے مرید ہیں۔ وہ شیخ محمد بن شیخ نظام الدین امیٹھوی کے مرید ہیں۔ قدس اللہ اسرارہم، آپ کو دوسرے سلسلوں سے بھی خلافت حاصل تھی۔ ابتدائے حال میں درس و تدریس میں مشغول رہے پھر بعد میں سب چھوڑ کر کتب حقائق کے مطالع خصوصاً شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کی تصانیف کے مطالعے میں منہمک ہو گئے اور شیخ کی عبارات کو جو علمائے ظاہر

کے طعن و تشنیع کا نشانہ بنی ہوئی تھیں، درست معانی پر محمول کیا۔

آپ اہل دولت حضرات سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ صاحبقران شاہجہاں نے آپ کے اوصاف قدسیہ سن کر ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور ہمنشینی کے لئے ایک ادب داں ملازم کو بھیج کر طلب کیا، شیخ نے انکار کر دیا اور گوشہ تنہائی سے قدم باہر نہ نکالا۔

آپ کی عمدہ تصانیف میں رشیدیہ فن مناظرہ میں، زاد السالکین اور شرح اسرار الخلوۃ جو ابن عربی کی ایک مختصر کتاب ہے، ہیں۔ رسالہ محکوم مربوط جو محقق ابن عربی کے بعض کلام کی توجیہ ہے، نیز حواشی متفرقہ شرح مختصر عضدی پر حاشیہ، فارسی کافیہ ابن حاجب پر حاشیہ، مقصود الطالبین اور اوراد وظائف میں، اور دیوان شعر ہیں۔ شمسی تخلص کرتے تھے۔ صبح سنت پڑھ کر فرض کا تحریمہ باندھا تھا کہ داعیٔ حق کو لبیک کہی تاریخ وصال سنہ ۱۰۸۳ھ ہے۔

۲۲- ملا عبد الحکیم سیالکوٹی قدس سرہٗ

آپ علامہ زمانہ وافتخار اہل زمانہ ہیں۔ در حقیقت تمام فنون درسیہ میں آپ جیسا دوسرا زمین ہند سے کوئی اٹھا ہی نہیں، نہ ہی کسی نے حکمت کی یادگاریں اس کیف وکم اور اس حسن قبول کے ساتھ صفحۂ ایام پر چھوڑی ہوں گی، آپ کی پیدائش و پرورش کی جگہ سیالکوٹ علاقہ لاہور ہے، جوانی کے آغاز میں حصول علم کے لئے دامن ہمت باندھا۔ زیادہ تر ملا کمال الدین کشمیری جو شہر سیالکوٹ میں مقیم اور عالم ملکوت میں بلند پرواز کرنے والے تھے، کی خدمت میں پڑھیں اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے استعداد کا ہلال بدر کامل ہوا تھا اور سارے عالم کو فیض کی کرنوں سے معمور کر دیا۔ عہد جہانگیری میں ضروری روزی کا سامان وطن مالوف ہی میں کرتے تھے۔

جب ہندوستان کی حکومت صاحبقران شاہجہاں کے ہاتھوں میں آئی اور علماو شعرا کی قدردانی بڑھی تو ملا صاحب نے اس زمانے میں بار ہا خود کو بارگاہ خلافت تک پہنچایا۔ جب بھی دربار میں باریاب ہوتے تو بے شمار نقود سے نوازے جاتے، دو بار تو انہیں سونے سے تولا گیا۔ ساتھ میں ہموزن جنس بھی حاصل ہوئی۔ چند دیہات سیور غال (مدد معاش) میں عطا ہوئے، ملّا صاحب اب اطمینان خاطر اور فارغ بالی سے رہنے لگے اور علم و فضل کا بیج سینوں اور سفینوں کی سرزمین میں کاشت کرتے رہے۔

آپ کی تصنیفات بلاد عرب و عجم میں رائج اور جاری و ساری ہیں، تفصیل یہ ہے، حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ مقدمات تلویح، حاشیہ مطول، حاشیہ شریفیہ، حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ شرح عقائد تفتازانی، حاشیۂ حاشیہ خیالی، حاشیہ شرح شمسیہ، حاشیہ تکملہ حاشیہ عبد الغفور، حاشیہ شرح مطالع، حاشیہ شرح عقائد ملا جلال دوانی، درۂ ثمینیہ اثبات واجب تعالیٰ میں، حاشیہ شرح حکمت العین، حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ، حاشیہ مراح الارواح۔

۱۲ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ میں اوراق زندگانی لوٹ دیئے اور سیالکوٹ میں مدفون ہوئے۔

۲۳- ملا عصمت اللہ سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ

آپ ہندوستان کے مشہور علماء میں ہیں، اگرچہ نابینا تھے لیکن دیدہ وروں کو دانش و بینش کی رہنمائی کرتے تھے، مدۃ العمر مدرس رہے اور مفید کتابیں تصنیف کیں۔ حاشیہ شرح ملا آپ کی آتشیں تحریروں میں متداول (داخل نصاب درس) ہے۔ آپ کی وفات ۱۰۳۹ھ میں ہوئی۔

ایک یادگار تباہ کن حادثہ

اس سال کے بارے میں (کچھ لکھنے کو) قلم مستانہ ہوا جاتا ہے اور مقام حجاز کا نغمہ چھیڑنا چاہتا ہے۔ سال مذکور میں ۱۹ شعبان چہارشنبہ کی رات مکہ کی سرزمین پر سخت بارش ہوئی اور بہت بڑا سیلاب مسجد کے اندر آ گیا۔ یہاں تک کہ خانۂ کعبہ کے نقش و نگار تک اونچا اٹھ آیا۔ مقام ابراہیم ڈوب گیا، میزاب رحمت منہدم ہو گیا اور کعبہ کے اندر قد آدم پانی بھر گیا اور آدمی کے قد کے برابر اونچائی تک مسجد خاک و خاشاک سے بھر گئی۔ آب زمزم کا مزہ متغیر ہو گیا، اس قدر کہ گلے سے نہیں اترتا تھا اور ۲۰ شعبان، روز پنجشنبہ خانۂ کعبہ بیٹھ گیا اور حجاج (ثقفی) نے جو بنیاد رکھی تھی، رکن شامی کی طرف پوری اور پوربی طرف سے دروازے تک مغرب میں تین چوتھائی دیواریں گر گئیں۔ اللہ اکبر! حضور علیہ ﷺ کے ظہور سے کعبہ شریف کبھی منہدم نہ ہوا تھا۔ اس حادثہ میں چار ہزار عبادت خانوں نے خانۂ خدا کی موافقت کی (یعنی گر گئے) اور تقریباً پانچ سو آدمی طوفان فنا کی نذر ہو گئے۔

خانۂ کعبہ کی تعمیر

سلطان مراد رابع بن سلطان احمد والی روم- انار اللہ- برہانہٗ نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا اور ۱۰۴۰ھ میں یہ مبارک عمارت مکمل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بعد سلطان مراد اس تعمیر کی سعادت عظمیٰ سے فائز ہوئے۔ مسجد حرام کی جو عمارت آج موجود ہے اس کی بنیاد اس سے پہلے سلطان سلیم ثانی رفع اللہ قدرہ نے ۹۸۰ھ میں رکھی تھی اور مشرق و شمال کا حصہ بنوا کر آخرت کو چل بسے۔ ان کے فرزندار جمند سلطان مراد ثالث علیہ الرحمہ نے باقی حصہ ۹۸۴ھ میں مکمل کرا دیا تھا۔ اس عالیشان عمارت کا حسن قابل دید ہے۔

۲۴- میر محمد زاہد ہروی کابلی قدس سرہٗ

ان کے والد قاضی محمد اسلم ہرات کے شہر فاخر میں پیدا ہوئے اور

دار السلطنت کابل میں سکونت اختیار کی، قاضی صاحب مولانا خواجہ کوہی کی اولاد سے ہیں جو خراسان کے مشاہیر مشائخ میں شمار ہوتے ہیں، عہد جہانگیری کے اوائل میں تحصیل علم کے ارادے سے لاہور چلے گئے اور شیخ بہلول جو وہاں کے مشاہیر علماء میں تھے، کے حلقۂ درس میں شرف تلمذ حاصل کیا، تعلیم مکمل کرنے کے بعد دارالخلافہ اکبرآباد جاکر دربار جہانگیری میں باریاب ہوئے اور اس قرابت کی وجہ سے جو مولانا میر کلاں محدث نور اللہ ضریحہ سے تھی عنایت سلطانی سے نوازے گئے اور کابل کا عہدۂ قضا حاصل کیا۔

محدث میر کلاں کا تعارف

مولانا میر کلاں مولانا خواجہ کوہی کے نبیرہ ہیں (ان کا پورا نام محمد سعید میر کلاں ہے جو شیخ المکۃ المکرّمۃ سے مشہور ہیں)، علمائے عصر سے تعلیم حاصل کی اور حدیث کی سند میر جمال الدین محدث اور سید میرک شاہ (سید نسیم الدین میرک شاہ) سے کی۔ اس کے بعد زیارت حرمین شریفین کی سعادت پائی، اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے بہت سے اکابر سے ملاقات کی، پھر جب ہندوستان تشریف لائے تو اکبر بادشاہ نے بے حد اعزاز و اکرام کیا اور شاہزادہ سلیم کی تعلیم کے لئے آپ کا انتخاب کیا۔ اس ملک کے بیشمار لوگوں نے مولانا سے علم حدیث حاصل کیا۔ ملّا علی قاری نے بھی مولانا سے حدیث کی سند حاصل کی، چنانچہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

"ثم انی قرأت بعض احادیث المشکوٰۃ علیٰ منبع بحر العرفان مولانا الشهیر بمیر کلاں وهو قرأ علیٰ زبدة المحققین و عمدة المدققین میرك شاه وهو علیٰ والده السید السند مولانا جمال الدین المحدث صاحب روضة الاحباب وهو علیٰ عمه السید اصیل (مشکوٰۃ کے سرورق پر ان کا نام اصیل الدین تحریر ہے) الـــدیـــن

الشیرازی رحمهم الله تعالیٰ"

یعنی پھر میں نے مشکوٰۃ کی کچھ حدیثیں عرفان کے سمندر کا منبع مولانا (محمد سعید) جو میر کلاں سے مشہور ہیں۔ ان کے پاس پڑھیں، انہوں نے محققین کا خلاصہ اور باریک بینوں کی عمدہ ہستی میرک شاہ سے اور انہوں نے اپنے والد سید سند مولانا جمال الدین محدث صاحب روضۃ الاحباب سے، انہوں نے اپنے چچا سید اصل الدین شیرازی سے پڑھیں۔

مولانا صاحب محرم ۹۸۳ھ میں سو سال کی عمر میں دار البقا کو روانہ ہوئے خوابگاہ آگرہ میں ہے۔

عسکری عہدۂ قضا

جب قاضی محمد اسلم کابل کے قاضی ہوئے اور دیانتداری وتقویٰ میں شہرت پائی تو جہانگیر بادشاہ نے انہیں حضور میں طلب کر کے قضائے عسکری تفویض کی۔ پھر جب صاحبقران شاہجہاں سریر آرائے سلطنت ہوئے تو قاضی صاحب کو اسی عہدہ پر بحال رکھا، اس کے ساتھ ہزاری کا منصب دے کر بلند مرتبہ کر دیا۔ قاضی صاحب ۳۰ رسال تک فوجی قضا کو کمال دیانتداری سے ادا کرتے رہے اور بادشاہ کے منظور نظر رہے۔ ۱۰۵۲ھ ہجری میں بادشاہ نے انہیں سونے سے تولا اور چھ ہزار پانچ سو روپے ان کے وزن کے برابر عطا کیے۔ ۱۰۶۰ھ میں ایک روز معمول کے مطابق گھوڑوں کو بادشاہ کے سامنے سے گزارا جارہا تھا، قاضی صاحب کو ایسا لگا کہ ایک گھوڑ سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا میرے اوپر چڑھا آرہا ہے، قاضی صاحب پر اس خیال کے غالب آنے سے پیروں میں لغزش ہوئی اور زمین پر گر پڑے، قریب چار مہینے اس آسیب کی وجہ سے صاحب فراش رہے۔ عافیت مل جانے پر کابل جانے کی درخواست کی، درخواست قبول ہوئی اور کابل کی جاگیر کے علاوہ دس ہزار روپے سے زیادہ انعام اور منصب جو اس سے پہلے مقرر تھا بدستور سابق

باقی رہا۔ ۱۰۱۶ھ کی ابتداء میں فوت ہو گئے، قبر لاہور میں ہے۔

میر محمد زاھد کے حالات

انہیں کے خلف الصدق میر محمد زاہد ہیں جو کہ میدان تحقیق کے پہلوان اور کوچۂ تدقیق کے امام ہیں، جن کی باریک نگاہی رگ اندیشہ سے خون ٹپکاتی تھی، جن کی لطافت بیانی رنگ سخن کو خوشبو کا درجہ عطا کرتی تھی، تعلیم پدر بزرگوار اور دیگر علمائے عصر سے حاصل کی، مگر خداداد قوت ادراک میں استاذوں سے بھی چند قدم آگے تھے اور فوقیت کا جھنڈا اہل فضل سے بھی آگے لہراتے تھے۔

رمضان ۱۰۶۴ھ میں صاحبقران ثانی شاہجہاں کی طرف سے دارالملک کابل کی واقعہ نویسی کی خدمت پر مامور ہوئے اور جلوس عالمگیری کے آٹھویں سال بادشاہی لشکر کے محاسب کے عہدے پر فائز ہوئے پھر تھوڑے ہی دنوں بعد کابل کی سرداری عطا ہوئی، اس تقریب سے وطن مالوف میں گوشۂ اطمینان حاصل کرنے کے بعد علم کی دولت گرانمایہ چار دانگ عالم میں پھیلاتے رہے اور مایۂ ناز کتابیں اپنی رقت نگاری کے قلم سے تحریر کیں جیسے حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ شرح تہذیب علامہ دوانی، حاشیہ تصور و تصدیق ملا قطب الدین رازی، حاشیہ شرح ہیاکل از محمد اسلم خاں۔ میر صاحب کے پوتے سے دریافت کیا گیا کہ میر صاحب کا سال وفات کیا ہے؟ کہا ۱۱۱۱ھ ہے۔ آپ کا مزار کابل میں ہے۔

۲۵۔ ملا قطب الدین شہید سہالوی قدس سرہٗ

آپ استاذوں کے امام، نقادوں کے پیشوا، معدن معقولات اور مخزن منقولات ہیں۔ آپ کی اصلیت سہالی علاقہ لکھنؤ (ضلع بارہ بنکی) کے شیخ زادوں سے ہے، سہالی کے شیخ زادے دو طرح کے ہیں: انصاری اور عثمانی، شہر کی ریاست اور زمینداری کا تعلق انہیں دو فریقوں سے ہے، ملا قطب الدین، انصاری شیخ

زادوں سے ہیں، کسب کمال ملا شیخ دانیال جوراسی سے کیا جو ملّا عبد السلام دیوہ اور قاضی گھاسی کے شاگردوں میں تھے، اور قاضی گھاسی سے مرید بھی ہوئے، قاضی گھاسی شیخ محبّ اللہ الہ آبادی کے بہترین شاگردوں اور کامل خلفا میں تھے۔

ملّا قطب الدین ساری عمر تدریس کی انجمن سجائے رہے اور ارباب تحصیل کی پوری ایک کائنات کو درجۂ کمال تک پہنچایا، آج کل اکثر علمائے ہندوستان کا سلسلۂ استفادہ انہیں پر منتہی ہوتا ہے۔ عثمانی شیخ زادوں نے زمینداری کی شرکت میں جھگڑا ہو جانے کی وجہ سے شیخ اسد اللہ خان زادہ ساکن پینتی پور کو، جو سہالی سے پانچ کوس پر ہے، ساتھ ملا کر شبخوں مارا اور اس بے نظیر عالم کو فنا کا شربت پلا دیا۔

ملّا صاحب نے شرح عقائد علامہ دوانی پر ایک دقیق حاشیہ بھی لکھا تھا۔ فتنہ پردازوں نے شبخون مارتے وقت ملا صاحب کا گھر نذر آتش کر ڈالا۔ حاشیہ مذکور گھر کے اثاثے کے ساتھ جل گیا۔ ملّا صاحب کی شہادت سنہ ۱۱۰۳ھ میں واقع ہوئی۔ ایک شخص نے بحر خفیف میں مصرعہ تاریخ نکالا تھا جس میں ترکیب توصیفی قطع ہوئی جاتی تھی، فقیر نے مصرعہ کو رباعی کے وزن پر کر کے تین اور مصرعوں کا اضافہ کر دیا۔

۱- علامۂ بحر ذاخر فضل و ہنر
در دامن ارباب طلب ریخت گہر

۲- دل خوں شد و تاریخ وفاتش فرمود
"قطب عالم شدہ شہید اکبر"

سنہ ۱۱۰۳ھ

یعنی ۱- فضل و ہنر کے جوش مارتے سمندر، علامہ، جنہوں نے طالب علموں کے دامن موتی سے بھر دئے۔

۲- دل افسردہ ہوا اور ان کی وفات کی یہ تاریخ کہی، قطب عالم شہید اکبر ہو گئے۔

۲۶۔ مولوی سید قطب الدین شمس آبادی نور اللہ مرقدہٗ

آپ کی اصل امیٹھی مضافات اودھ (لکھنؤ) سے ہے۔ اپنے وطن سے شمس آباد جا کر اسے مطلع انوار بنا دیا، شمس آباد قنوج کے ملحقات میں ہے (یہ جگہ اب ضلع فرخ آباد میں ایک مشہور قصبہ ہے)

سید صاحب علامۂ یگانہ اور دانشور بے نظیر تھے، فضلائے عصر سے شرف شاگردی حاصل کیا۔ اس کے بعد ملا قطب الدین شہید سہالوی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور علوم کا ایک حصہ حاصل کیا پھر شمس آباد میں مسند تدریس سجایا اور جم غفیر کو دانش و بینش کے فیض سے فیضیاب کمال کیا۔ ملاّ قطب الدین شہید فرماتے تھے۔ جسے مغز سخن تک پہونچنے کی خواہش ہو اسے چاہئے کہ سید قطب الدین تک پہونچے۔ آپ نے قریب ۷۰ رسال کی عمر پائی اور ۱۱۲۱ھ میں حیات کا ورق پلٹ دیا۔

۲۷۔ قاضی محبّ اللہ بہاری قدس سرہٗ

آپ علوم کے ایک سمندر اور ستاروں کے درمیان بدر کامل ہیں۔ آپ کی جائے پیدائش ''محبّ علی پور'' ہے جو صوبہ بہار کے ملحقات میں ہے۔ عنفوان شباب میں علاقہ پورب کی سیاحت کی، کتب اولیات و متوسطات متفرق جگہوں پر پڑھیں۔ آخر میں سید قطب الدین شمس آبادی کے حلقۂ درس میں خود کو پہنچا کر اس رفیع المرتبت قطب کی رہنمائی میں درجات کمال طے کئے، زیور فضائل سے آراستہ ہونے کے بعد بار سفر جانب دکن باندھا اور بارگاہ خلد مکاں (عالمگیر بادشاہ) میں باریاب ہو کر شہر لکھنؤ کے منصب قضا پر فائز ہوئے۔ چند دنوں کے بعد معزول ہو کر پھر ملک دکن کی جانب عنان موڑی اور حیدر آباد کا منصب قضا

حاصل کر کے امتیاز کا دفتر پایا کہ نا گہاں کسی وجہ سے عتاب میں آ گئے اور معزول ہو کر عجیب حالت خمار طاری کر لی پھر کچھ لوگوں کی سفارش سے تقصیر معافی ہوئی اور شاہزادہ رفیع الدین شاہ عالم کی تعلیم و تربیت کے عہدے پر مامور ہو کر پرانی عزت حاصل کر لی، جب شاہ عالم کو خلافت کی طرف سے صوبہ کابل کی حکومت تفویض ہوئی تو آپ شاہزادہ کی رکاب میں کابل گئے۔ جب خلد مکان (عالمگیر بادشاہ) نے پرچم عزیمت ملک جاودانی کی طرف بڑھایا تو شاہ عالم نے فوج ظفر موج کے ساتھ کابل سے ہندوستان کی طرف توجہ کی، قاضی محبّ اللہ کی قسمت کا ستارہ عروج پر تھا کہ انہیں منصب عظیم اور تمام ممالک ہندوستان کے صدر کا عہدہ ملا اور فاضل خان کا خطاب پا کر سرمایۂ افتخار جمع کیا مگر عمر نے وفا نہ کی۔ شاہ عالم اکبر آباد گیا ہوا تھا کہ قاضی صاحب منصب حیات سے سبکدوش ہو گئے، یہ حادثہ ۱۱۱۹ھ میں واقع ہوا۔

آپ کے طبع روشن کا نتیجہ ''سلم العلوم'' منطق میں اور ''مسلم الثبوت'' اصول فقہ میں اور رسالہ ''جوہر فرد'' مسئلہ جزولا تیجزیٰ میں، آج بھی علماء کے ہاتھوں میں گردش کر رہی ہے۔

۲۸- حافظ امان اللہ قدس سرہٗ

امان اللہ بن نور اللہ بن حسین بنارسی حافظ قرآن اور ہندستان کے عظیم الشان علما میں شمار ہے۔ معقول و منقول میں آپ کی شہرت کا ڈنکا بجا اور علم اصول فقہ میں آپ کا پرچم امتیاز لہرایا، اس علم میں ایک متن تصنیف فرمایا اور ''مفسر'' نام رکھا اور خود اس کی شرح بنام ''محکم الاصول'' لکھی۔ تفسیر بیضاوی، عضدی تلویح، حاشیہ قدیم، شرح مواقف، شرح حکمت العین، شرح عقائد ملا جلال دوانی وغیرہ پر حواشی لکھے، نیز مناظرہ رشیدیہ پر حاشیہ لگایا، اور بقیہ بحثوں کو ردّ کیا۔ مسئلہ

حدوث عالم جس کے بارے میں محقق جونپوری ملاّ محمود، میر باقر استرآبادی کے مخالف ہیں، کے بارے میں محاکمہ تحریر فرمایا ہے۔

چند دنوں تک آپ خلد مکان (عالمگیر) کی طرف سے شہر لکھنؤ کے منصب صدارت پر مامور رہے، حافظ صاحب عہدۂ صدارت پر اور قاضی محبّ اللہ صاحب سلم، منصب قضا پر اس شہر فاخرہ میں جمع تھے اور دونوں میں علمی مباحثے جاری رہا کرتے تھے۔ زندگی کے آخری دنوں میں شاہجہاں آباد سے الہ آباد آئے اور شیخ محمد یحییٰ معروف بہ شیخ خوب اللہ الہ آبادی قدس سرہ کی خدمت بابرکت میں، جن کا احوال ترجمۂ زائر کے ضمن میں جلد ثانی (سروآزاد) میں بیان کیا جائے گا، طریقۂ نقشبندیہ کا استفادہ کیا اور اسی کے مطابق شغل رکھا، پھر جب اس طائفہ کا اثر ان پر ظاہر ہوا تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ بظاہر جو اجتماع سید السند اور خواجہ علاء الدین عطار عطر اللہ مرقدہٗ کے مابین ہوا تھا ایسا اجتماع کبھی نہ ہوا ہوگا لیکن تم سید صاحب سے اس معاملے میں بڑھ چڑھ کر ہو اور میر اخواجہ کے مقابلے میں کوئی مرتبہ نہیں ہے، حافظ امان اللہ نے بطور خاکساری عرض کیا کہ آپ خواجہ کے قدم بقدم ہیں اور میں سید صاحب کے ساتھ کوئی نسبت نہیں رکھتا۔

انہیں ایام میں بنارس میں جو آپ کی جائے پیدائش ہے، انتقال فرمایا اور یہ واقعہ ۱۱۳۳ھ میں پیش آیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

۲۹۔ شیخ غلام نقشبند لکھنوی قدس سرہٗ

آپ عجائبات وغرائب کے جامع علامہ اور اسرار معلوم ومکتوب کے خدا رسیدہ خازن ہیں۔ آپ کے آبائے کرام قصبہ گھوسی (اس وقت یہ بڑا قصبہ ہے اور اتر پردیش کے ضلع مئو میں واقع ہے، اس وقت سے لے کر اب تک یہ قصبہ مردم خیز رہا ہے کہ یہاں بڑے بڑے فضلاء وعلماء معرض وجود میں آئے) علاقہ

شہر جونپور کے رہنے والے اور وہاں کے شرفاء سے ہیں، آپ کے والد بزرگوار شیخ عطاء اللہ نے شاہ نقشبند قدس سرہٗ کے اشارہ روحانی سے غلام نقشبند نام رکھا۔

آپ ابتدا تا انتہا میر محمد شفیع قدس سرہٗ جنہوں نے تھوڑا بہت شیخ عطاء اللہ والد شیخ غلام نقشبند کے پاس تلمذ کیا تھا، کی تربیت میں رہ کر کمر ہمت تحصیل کمالات پر باندھی اور اٹھارہ سال کی عمر میں تمام کمالات کے جامع ہو گئے۔ پھر ۲۱؍سال کی عمر میں تبرکاً اپنے شیخ الشیخ، شیخ پیر محمد لکھنوی قدس سرہٗ کے پاس تھوڑے دنوں پڑھ کر رسم فاتحہ ادا کی۔

خواب میں اللہ کے رسول ﷺ کا دیدار

فرمایا کہ ابتدائے تعلیم میں ایک رات سرور انبیا ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ میرے کرتے کے تکموں کو اپنے مبارک ہاتھوں سے کھول رہے ہیں۔ عین خواب میں مجھ پر اس کی تعبیر الہام ہوئی کہ میرے لئے علم کے دروازے کھول رہے ہیں اور شرح صدر فرما رہے ہیں۔

میر محمد شفیع کی اقامت گاہ شاہجہاں آباد میں تھی۔ تکیہ میر محمد شفیع اس شہر جامع میں مشہور ہے۔ شیخ غلام نقشبند، میر قدس سرہٗ کی زیارت کے لئے ان کی حیات میں بھی اور وفات کے بعد بھی شاہجہاں آباد آیا جایا کرتے تھے اور برکات حاصل کرتے۔

شیخ غلام نقشبند سجادہ نشین

جب شیخ پیر محمد قدس سرہٗ اس دنیا سے رحلت فرما گئے تو تمام خلفا اور ارادت مندوں کا اتفاق میر محمد شفیع قدس سرہٗ کی سجادہ نشینی پر ہوا اور میر صاحب کی آمد کے انتظار میں سجادہ خالی رکھا گیا، یہاں تک کہ میر صاحب لکھنؤ آپہنچے اور دل میں خیال کیا کہ شیخ غلام نقشبند کو سجادہ پر بٹھانا چاہئے، ان کی سجادہ نشینی کی رسم ادا کرنے کے لئے دن مقرر فرمایا اور اپنا مافی الضمیر کسی پر یہاں تک کہ شیخ غلام نقشبند پر بھی ظاہر نہ کیا۔ شہر کے رؤسا اور موالی مقررہ دن کے وقت پر جمع ہوئے۔ شیخ کے مزار

پر ایک عظیم محفل منعقد ہوئی، میر محمد شفیع اٹھ کھڑے ہوئے اور سجادہ اکابر کے سامنے بچھا دیا پھر شیخ غلام نقشبند کا ہاتھ پکڑ کر سجادہ پر بٹھا دیا اور خود قدموں میں بیٹھ گئے، حاضرین محفل کے تمام اکابر و شرفا نے میر صاحب کی اتباع کی اور قدموں میں سر جھکا دیا۔ شیخ غلام نقشبند کی قدر و منزلت اسی سے معلوم ہو سکتی ہے کہ حضرت میر نے انہیں خلافت کے لائق سمجھ کر پیر کی جگہ بٹھایا اور مریدانہ آداب بجالائے، واقعی شیخ غلام نقشبند نے سجادہ کو اور ہی رونق بخشی کہ ظاہری و باطنی طالبان کے مرجع ہو گئے اور ایک جہاں کو اپنی تربیت کے فیض سے دونوں کمالات سے مالا مال کر دیا، اکثر فضلائے عصر کا سلسلہ آپ ہی تک منتہیٰ ہوتا ہے، شاہ عالم بہادر شاہ نے آپ کو ملاقات کی تکلیف دی اور نہایت اعزاز و اکرام سے خدمت بجالایا۔

آپ کا مزاج شریف ہمیشہ شریعت کی پوری طرح حفاظت میں مصروف رہتا۔ الحب للہ والبغض للہ کے مطابق جب کسی سے نامناسب حرکت سرزد ہوتی تو دامن دل پر سخت غبار بیٹھ جاتا اور اگر اسے توبہ کی توفیق ہو جاتی تو اس پر پہلے سے بھی زیادہ لطف و کرم فرماتے۔

منقول ہے کہ ایک روز ایک قلندر جو مجذوب تھا، شیخ کی مجلس میں وارد ہوا۔ شیخ اس کی کسی خلاف شرع حرکت سے برہم ہوئے اور فرمایا کہ اس گروہ کو نہ کبھی خدا کا دیدار میسر آ سکتا ہے، نہ شفاعت محمد ﷺ۔ قلندر نے کہا اے شیخ ٹھہریئے! ہمیں خدا کا بھی دیدار حاصل ہو گا اور حضور ﷺ کی شفاعت بھی! اور تمہیں کچھ بھی نصیب نہ ہو گا۔ شیخ نے پوچھا کیوں؟ جواب دیا کہ تم خود پوری عمر گناہ کے قریب نہ بھٹکے ہو (اس لئے) کل (میدان حشر میں) تمہیں بلا مواخذہ بہشت میں داخل فرما دے گا اور ہم تو گناہوں میں غرق ہیں تو فردائے قیامت میں ہمیں رب العزۃ جل شانہٗ کی بارگاہ میں لے جائیں گے اور حضور رحمۃ للعلمین ﷺ ہم گنہگاروں کی شفاعت کے لئے قدم رنجہ فرمائیں گے۔ یہ کلام سن کر شیخ پر رقت طاری ہو گئی،

کیا ہی خوب فرماتے ہیں صاحب قصیدہ بردہ ؎

لعل رحمة ربی حین یقسمها

تاتی علی حسب العصیان فی القسم

یعنی جب میرا رب اپنی رحمت تقسیم فرمائے گا تو ہر گنہگار کو ان کے گناہوں کے حساب سے رحمت سے حصہ ملے گا۔

علامہ آزاد کے سامنے ایک دل پذیر واقعہ

اسی واقعہ سے ملتا جلتا ایک اور عجیب واقعہ فقیر کو مشاہدہ ہوا۔ مدینہ منورہ میں اقامت کے دوران مطابق یکم شعبان ۱۱۵۱ھ میں چند آدمیوں کے ساتھ قبا کی زیارت کا ارادہ کیا اور بستان النبی ﷺ کی سیر کو نکلے۔ یہ ایک مشہور باغ ہے قبا کا جسے بستان قویم قاف پر ضمہ، واو پر فتحہ، بھی کہتے ہیں، جماعت میں ایک ماوراء النہری قلندر بھی تھا۔ ایک شخص نے دیکھا کہ قلندر نے انگور کا کچا خوشہ چرا کر اپنی زنبیل میں چھپالیا، اس شخص نے ساتھیوں کو قلندر کی اس حرکت وخیانت سے آگاہ کردیا، ہمراہیوں نے ملامت کرنا شروع کردی کہ چوری تو ہر جگہ بری ہے خصوصاً ایسے شریف ونازک مقام میں (اور بھی مذموم ہوگی) جب ہر طرف سے قلندر کو طعنوں کے تیر کا نشانہ بنایا گیا تو اس نے کہا کہ دوستو! آپ تو خود سمجھ دار ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ کچا خوشہ کھانے کے قابل نہیں مگر میرا اس فعل کے ارتکاب سے ایک مقصد ہے، کہا جاتا ہے کہ اگر کسی نے کسی کا مال چرالیا تو قیامت کی کچہری میں مالک وسارق دونوں اکٹھے کئے جائیں گے۔ میں تو سرتاپا غرق معاصی شخص ہوں۔ کوئی طریقہ اور کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ کل (قیامت میں) رسول پاک ﷺ کی جناب میں باریاب ہوسکوں گا۔ لہٰذا ایک خوشہ حضرت ﷺ کے باغ کا چرالیا ہے تاکہ اسی خوشۂ انگور کی بدولت حضور رسالت مآب ﷺ میں پہونچا دیا جاؤں اور جمال جہاں آرا ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوجاؤں۔ اس بات کو سنتے

ہی حاضرین پر ایک کیفیت طاری ہوگئی۔ ایک شخص نے جو روم کا باشندہ تھا نعرہ مارا اور زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ اس کے بعد قلندر کے پیچھے دوڑتا ہوا گیا اور رومال میں کچھ باندھ کر قلندر کی گٹھری میں ڈال دیا۔ جب تحقیق کی گئی (تو معلوم ہوا) کہ زر سرخ وسفید (سونے چاندی کے سکے) جو اس دیار میں رائج تھے کہ ہندوستان کے چالیس روپئے کے برابر اس کا ایک روپیہ ہوگا، رومال میں بندھے ہوئے تھا (سبحان اللہ) جب قلندر کو یہاں حسن نیت کے بدلے میں اتنا کچھ نقد عطا ہوا تو وہاں کیا نہ کچھ عطا کیا جائے گا۔

شیخ غلام نقشبند قدس سرہٗ کی وفات ۱۵؍رجب ۱۱۲۶ھ میں ہوئی، آرام گاہ مبارک لکھنؤ میں ہے۔ آپ کی تصانیف میں ''تفسیر انوار القرآن'' ربع قرآن مع حواشی، تفسیر سورۂ اعراف مع حواشی، تفسیر سورۂ مریم، تفسیر سورۂ طٰہ، تفسیر سورۂ محمد، تفسیر سورۂ یوسف، تفسیر سورۂ رحمٰن، تفسیر سورہ عم باحواشی، تفسیر سورۂ کوثر، تفسیر سورۂ اخلاص، تفسیر آیۃ اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض تفسیر آیۃ انا عرضنا الامانۃ، تفسیر آیۃ افحسبتم، تفسیر آیۃ ولا تقولن لشئ انی فاعل ذلک غداً، تفسیر آیۃ الرحمٰن علی العرش استویٰ، تفسیر آیۃ کلوا واشربوا ولا تسرفوا، کتاب فرقان الانوار، لامعہ عرشیہ مسئلہ وحدۃ الوجود میں، شرح قصیدہ خزرجیہ علم عروض میں، وغیرہ وغیرہ ہیں۔

۳۰۔ شیخ احمد معروف بہ ملا جیون امیٹھوی قدس سرہٗ

شیخ احمد بن شیخ ابوسعید بن شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالرزاق بن مخدوم خاصہ قدس سرہٗ اور یہ مخدوم خاصہ امیٹھی توابع لکھنؤ کے مشہور بزرگوں میں ہیں، آپ کا نسب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔ ملاّ جیون کا مولد ومنشا امیٹھی ہے، کلام اللہ کے حافظ اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے بحر بیکراں تھے۔

ابتدا میں تحصیل علم کے ارادے سے قصبات پورب کا چکر لگایا اور فضلائے عصر سے استفادہ کیا، فاتحہ فراغت ملاّ لطف اللہ گوروی سے حاصل کی۔ آخر کار قسمت کی کشش نے انہیں خلد مکان (اورنگزیب عالمگیر) تک پہنچا دیا، سلطان نے ان کی شاگردی کی، ملاّ صاحب سادہ لباس میں رہتے تھے اور تکلفات رسمی سے بیگانہ تھے، بادشاہ کو آپ سے بڑی عقیدت تھی، بڑا اعزاز واحترام کرتا تھا، یونہی شاہ عالم بہادر شاہ نے بھی باپ کے طریقے پر عمل کیا اور حد سے زیادہ تعظیم و تکریم کی، ملاّ صاحب کا حافظہ نہایت بلند تھا، کتب درسی کی عبارات صفحہ صفحہ ورق ورق ازبر رکھتے تھے، لمبے سے لمبا قصیدہ ایک بار سن کر یاد کر لیتے تھے، زیارت حرمین کی سعادت پائی اور زندگی کے ایام درس وتدریس، تحریر وتصنیف میں گزار دیئے۔

آپ کی وفات ۱۱۳۰ھ میں دارالخلافہ شاہجہان آباد میں ہوئی، آپ کا جسد اقدس امیٹھی لے جا کر دفن کیا گیا، آپ کی تصانیف میں ان بعض آیات کی تفسیر ہے جن سے مسائل فقہیہ کا استنباط کرتے ہیں اس کا نام تفسیر احمدی ہے۔

حضرت ملاّ جیون علیہ الرحمہ کتاب مذکور کے بارے میں لکھتے ہیں:

وهذا كله من نعماء الحق المبين ذى القوة المتين حيث وفقنا لحفظ القران المجيد بمحض تصوير من غير الهجاء والاعراب اذاكان غاية (عمرى) سبع سنين ثم وفقنا لتحصيل العلوم الدينية والفنون الشرعية حتى اذا بلغت ست عشرة اوان الافهام وشرعت قراة اصول الشيخ الحسام وفقت بتسويد هذه الصحائف فلما شرعت شرح مطالع الانوار وبلغت احدى وعشرين سنة بمتعارف اللسان سنة الف وتسع وستين من هجرة صاحب الزمان ختمت الكتاب بعون الله المنان۔

نیز ختم کتاب میں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے: ''فقیر الی اللہ

احمد معروف جیون بن ابوسعید بن عبد اللہ بن عبد الرزاق بن خاصۂ خدا عرض کرتا ہے کہ میں نے اس کتاب کا مسودہ شہر امیٹھی میں تیار کرنا شروع کیا، جس وقت میری عمر سولہ سال کی تھی اور میں حسامی پڑھتا تھا ۱۰۶۴ھ میں اور ۱۰۶۹ھ میں جب کہ میں شرح مطالع الانوار پڑھ رہا تھا، تسوید کتاب سے فارغ ہوگیا۔ اس وقت میری عمر ۲۱ر سال تھی''۔ اس حساب سے آپ کا سن ولادت اواخر عصر ۱۰۴۸ھ یا اوائل ۱۰۴۹ھ ہوگا۔

اور نور الانوار شرح منار اصول فقہ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۱- سید سعد اللہ بن سید غلام محمد سلونی قدس سرہٗ

آپ قول سلونی کی تجدید کرنے والے اور فلک ہدایت کا تارہ ہیں، آپ کی ولادت قصبہ سلونی مضافات الہٰ آباد میں ہوئی، وہیں نشو ونما پائی، آپ شیخ پیر محمد سلونی کے نواسے ہیں جو اولیائے کبار میں تھے اور ۲۲ر محرم ۱۰۹۹ھ میں عالم قدس کو خرام ناز فرما گئے۔ ان کے مناقب بہت ہیں۔

سید سعد اللہ کو بچپن ہی میں اکتساب علم کی توفیق ہوئی اور قلیل مدت میں طلب علم کی مسافت طے کرلی۔ اس کے بعد عین شباب میں مسند تدریس کو آراستہ کیا اور کہنہ مشق مدرسین سے بغلگیر ہوئے۔

آپ نے بہترین کتابیں تصنیف کیں خصوصاً علم حقائق میں اور حکمت و معقولات میں بہترین تحریروں سے ضوفشانی کی ہے، اپنے والد بزرگوار کے مرید ہیں۔ وہ جہجانی کے مرید، وہ صوفی فیروز کے مرید اور وہ سید وجیہ الدین علوی احمد آبادی کے مرید ہیں قدس اللہ اسرارہم۔ سید صاحب نے حرمین شریفین کی زیارت کا شرف بھی پایا ہے اور چند دنوں وہاں مقیم بھی رہے۔ وہاں بڑی مقبولیت پائی، دیار پاک کے علما و اکابر، اصاغر آپ کے معتقد ہوگئے اور آپ سے فنون

ظاہرہ وطریقۂ باطنہ کا اکتساب کیا۔

شیخ عبداللہ بصری مکی قدس سرہٗ متوفی ۱۱۳۴ھ جو علمائے عصر میں بہترین عالم اور بالاتفاق استاذ اہل عالم اور آج اکثر علمائے عرب وعجم کا سلسلۂ اجازت آپ پرمنتہی ہوتا ہے، طریقۂ عالیہ قادریہ میں سید صاحب سے بیعت ہوئے۔ ان کے فرزند ارجمند شیخ سالم نے والد ماجد کا رسالۂ اجازت جمع کیا۔ اس میں آپ لکھتے ہیں:

"مشائخہٗ فی الطریق واساتذتہٗ فی الارشاد والتحقیق جملۃ اجلاء منہم العلامۃ المحقق السید سعد اللہ الھندی عن السید عبد الشکور عن شاہ مسعود الاسفر ائینی عن الشیخ علی الحسینی عن الشیخ جعفر احمد الحسینی عن الشیخ ابراھیم الحسینی عن الشیخ عبد اللہ الحسینی عن الشیخ عبد الرزاق عن سید نا عبد القادر الجیلانی قدس اللہ اسرارھم"

سید سعد اللہ صاحب نے حرمین شریفین سے لوٹنے کے بعد سورت کی مبارک بندرگاہ کے پاس مقیم ہوگئے اور سارے عالم کے مرجع ومعتمد علیہ ہوگئے۔ خلد مکان (اورنگ زیب) آپ سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ سید صاحب کی رحلت ۲۷/جمادی الاولیٰ ۱۱۳۸ھ میں ہوئی، آرام گاہ بندرگاہ سورت ہے۔

۳۲۔ مولانا نورالدین نوراللہ ضریحہٗ

نورالدین بن شیخ محمد صالح احمد آبادی علامۂ زمانہ ویگانۂ دہر ہیں۔ آپ جیسا آپ کی مدت حیات میں شاید ہی کوئی گزرا ہو۔ آپ نے ملا فریدالدین احمد آبادی اور ملا احمد سلیمانی احمد آبادی کی خدمت میں تعلیم حاصل کی اور ارباب دانش کے سردار بن گئے۔ ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت پائی، دوسرے سال واپس ہوئے۔ یہاں محبوب عالم احمد آبادی ملقب بہ شاہ عالم ثانی

قدس سرہٗ کی جناب میں بیعت ہوئے اور خانوادوں کی خلافت حاصل کی ،اس کے بعد ایک رفیع الشان مدرسہ اور خانقاہ تعمیر کروائی ،ابتدائے تعلیم سے آخر عمر تک تدریس وتصنیف میں مشغول رہے اور ایک عالم کو درجۂ کمال تک پہنچایا۔

۱۵۰ / سے زیادہ چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف کیں جیسے کلام اللہ کی مختصر تفسیر ۱۲۰۰۰ / اشعار میں ،تفسیر نورانی فی السبع المثانی ۳۰۰۰۰ / اشعار میں اور سورۃ البقرۃ پر تفسیر ربانی ، حاشیہ براوائل تفسیر بیضاوی ،نور القاری شرح صحیح البخاری، حاشیہ قویمہ بر حاشیہ قدیمہ ،حاشیہ شرح مواقف ،حل معاقد حاشیہ شرح مقاصد، حاشیہ شرح مطالع ،حاشیہ تلویح ،حاشیہ عضدی ،معول حاشیہ مطول، حاشیہ شرح وقایہ، حاشیہ شرح ملا ،حاشیہ منہل ،حاشیہ شمسیہ منطق ،شرح تہذیب المنطق جو آپ کی سب سے دقیق تصنیف ہے ،طریق الامم شرح فصوص الحکم ،شرح مثنوی مولانا روم وغیرہ۔

آپ کی ولادت احمد آباد میں ۱۰۶۴ھ میں ہوئی اور وفات ۹ / شعبان ۱۱۵۵ھ کی شب میں ہوئی۔ ''اعظم الاقطاب'' تاریخ وفات ہے۔آپ کی عمر ۹۱ / سال ہوئی ،قبر خانقاہ کے قریب ہے۔سید سعد اللہ بلگرامی قدس سرہٗ نے چند دنوں مولانا کے مدرسے میں اقامت فرمائی تھی جیسا کہ فصل اول میں گزرا ہے۔

۳۳۔ ملاّ نظام الدین قدس سرہٗ

خلف الصدق علامہ قطب الدین شہید سہالوی طاب ثراہما آپ دنیا کے استاذ ،ماہر زمانہ تھے ابتدائے حال میں علم حاصل کرنے کے لئے پورب کے دیار میں گئے ۔علمائے وقت سے علوم درسیہ حاصل کئے ،آخر میں شیخ غلام نقشبند لکھنوی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں منسلک ہو کر بقیہ کتابوں کی تکمیل کی اور فاتحہ فراغ پڑھی، اس کے بعد لکھنؤ میں رہ کر تمام عمر تصنیف و تدریس میں گزار دی۔ بڑا نام اور شہرت پائی ،آج اکثر علمائے ہند مولوی صاحب ہی کی طرف تلمذ کی نسبت کرتے

ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں اور جس کا سلسلہ آپ تک پہنچتا ہے۔ وہ فضلا کے درمیان امتیاز کا پرچم لہراتا ہے، بیشمار لوگوں کو دیکھا گیا کہ دوسری جگہوں پر علم حاصل کیا مگر اعتبار اور شہرت پانے کے لئے فاتحہ فراغ مولوی صاحب کے یہاں ہی پڑھی۔

آپ شیخ عبدالرزاق بانسوی سے مرید تھے اور میر سید اسمٰعیل بلگرامی خلیفۂ شیخ عبدالرزاق مذکور قدس سرہٗ کی خدمت میں ارشاد و تلقین حاصل کی اور فیوض جمع کئے۔آپ کی تالیفات میں حاشیہ شرح ہدایت الحکمۃ، حکیم صدرا شیرازی اور شرح مسلم الثبوت وغیرہ ہیں، فقیر نے ۱۹/ ذی الحجہ ۱۱۴۸ھ میں شہر لکھنؤ میں مولوی صاحب کو ایک صحبت میں دیکھا، سلف صالحین کے طریقہ پر تھے، تقدس کا نور مبارک پیشانی سے چمکتا تھا۔

۹/ جمادی الاولیٰ بروز چہار شنبہ ۱۱۶۱ھ میں ملک جاودانی کا سفر کر گئے۔ آرامگاہ لکھنؤ میں ہے۔راقم الحروف کہتا ہے

۱- عالم کامل امام عصر استاد جہاں — طائر روحش بہ سیر جنت الماویٰ شتافت

۲- سال تاریخ وفات او بطور تعمیہ — گفتہ شد (۱) ملا نظام الدین دلِ فردوس یافت

یعنی ۱- کاملَ عالم، زمانے کے امام، دنیا کے استاذ، انکی روح کا پرند جنت الماویٰ کی سیر کو چلا۔

۲- ان کی وفات کا سال بتانے کے لئے صنعت تعمیہ میں کہا گیا ملاّ نظام الدین نے فردوس کا دل پایا۔

سرزمین پورب علم و علماء کا مخزن

(۱) اس معمہ کا راز یہ ہے کہ ''ملا نظام الدین دلِ فردوس یافت'' کے کل اعداد ۲۰۳۲ ہیں، جن میں سے ''دل فردوس یافت'' کے اعداد جو ۸۷۵ ہیں نکال دیا۔اب ۱۱۵۷ بچے، اس کے بعد چار عدد بڑھا دیئے گئے کیوں کہ دل فردوس یعنی فردوس کا درمیان والا حرف دال ہے جس کے اعداد چار ہیں جب ۱۱۵۷ میں جوڑ دیئے گئے تو اب اعداد مقصودہ یعنی ۱۱۶۱ حاصل ہو گئے اور یہی ملاّ نظام الدین کی تاریخ وفات ہے ۱۲م

ان اوراق کے ناظرین اور اس انفس و آفاق میں حقائق کی تلاش کرنے والوں پر روشن ہے کہ سرزمین پورب زمانۂ قدیم سے علم وعلماء کی کان رہ چکی ہے۔ سید محمد کرمانی صاحب ''سیر الاولیاء'' جو سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی قدس سرہٗ کے مرید ہیں، فرماتے ہیں کہ مولانا فرید الدین شافعی اودھ کے شیخ الاسلام تھے اور مولانا علاء الدین نیلی اودھی شیخ الاسلام کے روبرو کشاف کی قرآت کرتے تھے اور مولانا شمس الدین یحییٰ اودھی اور اودھ کے دوسرے علما سامع تھے۔ مولانا شمس الدین یحییٰ کا ذکر اس فصل کے شروع میں ہو چکا ہے۔

اودھ، الہ آباد مساجد ومدارس اور خانقاهوں کی کثرت

اگر چہ ہندوستان کے تمام صوبہ جات حاملان علوم کے وجود کی وجہ سے قابل افتخار ہیں، خصوصاً سلطنت کا پایۂ تخت کا علاقہ جہاں مرکزیت کی وجہ سے ہر قسم کے صاحب کمال مل سکتے ہیں پھر جہاں بھی ہجوم افکار واجتماع عقول فراہم ہو، وہاں ہر زمانے کے لوگ نفس ناطقہ کے کمالات کو خواہ علوم عقلیہ ونقلیہ ہوں یا اور کچھ، بلند درجوں تک پہونچا دیتے ہیں مگر صوبہ اودھ اور الہ آباد ایسی خصوصیت رکھتے ہیں جو کسی بھی صوبہ کو میسر نہیں۔ اس لئے کہ تمام صوبہ اور اکثر صوبہ الہ آباد کی آبادی پانچ کوس کے دائرے سے لے کر دس کوس کے دائرے میں اکثر شرفاء ورؤسا ہیں جنہیں سلاطین وحکام کی طرف سے وظائف اور جاگیریں بطور مدد ومعاش ملتی رہی ہیں۔ انہوں نے مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں بنا رکھی ہیں، جہاں معلمین عصر ہر مقام پر علوم کے دروازے متعلمین کے لئے کھولے ہوئے ہیں اور اطلبوا العلم کی صدائیں لگا رہے ہیں۔ طالبان علوم جوق در جوق شہر بہ شہر جاتے ہیں اور جہاں بھی بن پڑا تحصیل میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ نیز ہر آبادی کے اہل توفیق طالبان علوم کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور اس جماعت کی خدمت کو بڑی نیک بختی سمجھتے ہیں۔ صاحبقران ثانی شاہجہاں - انار اللہ برہانہ - کہتے تھے کہ

''پورب شیراز ملک ماست'' (یعنی پورب کا علاقہ ہماری سلطنت کا شیراز ہے) ۱۱۳۰ھ کے اواخر تک علما کا ہنگامہ اس سرزمین میں گرمی پیدا کرتا رہا، یہاں تک کہ جب برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری محمد شاہ کی تخت نشینی کی ابتدا میں صوبہ اودھ کا حاکم ہوا اور صوبہ الہ آباد کے اکثر شہر جیسے دارالخیور جونپور، بنارس، غازی پور، کٹرہ مانک پور، کوڑا جہان آباد وغیرہ بھی اس کی حکومت میں شامل ہو گئے تو وظائف اور قدیم و جدید خانقاہوں کی جاگیریں یک قلم ضبط ہو گئیں اور شرفا و نجبا کے معاملات میں خلل پیدا ہو گیا۔ معاشی خستہ حالی نے اس علاقے کے عوام کو تحصیل علم سے باز رکھا اور سپاہ گری کے پیشے کی طرف مائل کر دیا۔ تعلیم و تعلم کا رواج اس درجہ کا نہ رہ گیا بلکہ وہ مدارس جو عہد قدیم سے علم و فضل کا معدن رہ چکے تھے، یکسر ویران ہو گئے اور ارباب کمال کی انجمنیں زیادہ تر برہم ہو گئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پھر برہان الملک کے انتقال کے بعد حکومت کی باگ ڈور اس کے بھانجے ابوالمنصور خاں صفدر جنگ تک پہونچی تو بھی وظائف اور جاگیریں بدستور ضبط رہیں محمد شاہ کے آخری عہد میں ۱۱۵۹ھ میں الہ آباد کی صوبہ داری بھی صفدر جنگ کو منتقل ہو گئی تو اس صوبہ کے بقیہ وظائف جو اب تک آفت ضبط سے محفوظ تھے، وہ بھی ضبط ہو گئے پھر احمد شاہ کے عہد میں صفدر جنگ وزارت علیا کے عہدے پر مقرر ہوا اور نائب صوبہ نے ارباب وظائف کا کام اور مشکل کر دیا۔ تادم تحریر یہ علاقہ حوادث روزگار سے پائمال ہو رہا ہے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً مگر ان ویرانیوں کے باوجود علم کا رواج خصوصاً معقولات کی کیفیت جو وہاں ہے، ہندوستان کی قلمرو میں کہیں بھی نہیں ہے۔ اب بھی وہاں علمائے فحول جلوہ طراز ہیں اور انتہائے کمال کی رسائی میں ممتاز ہیں۔ ع

باصد جہاں کدورت باز یں خرابہ جائے ست

یعنی سینکڑوں جہاں کی بربادی کے باوجود یہاں آبادی ہے

علم و علماء کا مخزن بلگرام

صوبہ اودھ میں محروسۂ بلگرام زمانۂ قدیم سے فضلائے کرام وعلمائے عظام کی جائے نشو ونما رہا ہے اور بے شمار دانشور اس شہر سے اٹھے۔ افادہ واستفادہ کی انجمن بہترین انداز سے سجائی مگر کوئی بھی ان اکابر کے احوال سے استفادہ کی توفیق نہ پاسکا۔ اسی وجہ سے بیشتر متقدمین بمضمون منهم من لم نقصص کے تناظر میں راہ گمنامی کے مسافر بن گئے اور (تھوڑے لوگ منهم من قصصنا عليك کے مطابق میدان شہرت میں جلوہ فرما ہوئے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہندوستان کے لوگوں نے مشائخ طریقت کے احوال کی یادداشت میں بڑا اہتمام سے کام لیا ہے مگر علماء کے ضبط احوال میں کم ہی لوگ مشغول ہوئے ہیں اور کوئی مستقل کتاب بھی اس بارے میں سلف وخلف سے نہیں سنی گئی (چہ جائیکہ کوئی کتاب ملتی) کتاب عین العلم شاہد ہے کہ اس کا مصنف کوئی علامۂ جلیل ومتقی وقت تھا، بقولے اصح ہندی الاصل ہے۔ ملاّ علی قاری عین العلم کی شرح میں فرماتے ہیں:

"هو من فضلاء الهند و صلحا ئهم علىٰ ماصرح به الشيخ ابن حجر العسقلانى فى شرح مقد ماته"

یعنی وہ ہندوستان کے فضلاء اور صلحاء میں سے ہیں جیسا کہ شیخ ابن حجر عسقلانی نے اپنے مقدمات کی شرح میں اس کو ظاہر فرمایا ہے۔

مگر ہندوستان کے مؤرخوں میں کسی نے بھی اس کا تذکرہ تک نہیں کیا ہے اور باوجود اتنی پائے کی تصنیف کے گویا اس کا نام صفحۂ روزگار سے مٹ چکا ہے۔ یہیں سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ فضلائے شہر کا احوال جس قدر چاہئے تھا ہاتھ نہ آیا، ناچار بمضمون فان لم يصبها وابل فطل میں نے کام شروع کردیا

اور جو کچھ بھی کتب معتبرہ سے اجمالاً حاصل ہوا یا ثقہ راویوں سے سنا تحریر کردیا، ان بزرگوں کے اسماء جو علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے، ان کا تذکرہ تو فصل اول میں پیش ہو چکا۔ اس فصل میں بھی بعض اکابر مجمع البحرین ہیں مگر چونکہ وصف فضیلت میں زیادہ مشہور تھے، اس لئے اس فصل کو ان کے مناقب والا و مآثر اعلیٰ سے زیب وزینت دی جاتی ہے۔

فضلائے بلگرام کی تعریف

علامۂ مرحوم میر عبدالجلیل مثنوی امواج الخیال میں فضلائے شہر (بلگرام) کی توصیف میں رقمطراز ہیں۔

۱- دقت منشانِ نکتہ پرداز	در ہر سر کوچۂ اش سخن ساز
۲- بشگافتہ ہر یکے بہ تحقیق	از دقت لغز مغز تدقیق
۳- برابروئے خودنمودہ واجب	تنقیح اصول ابن حاجب
۴- برچشم شمردہ فرض چوں دین	تلویح رموز حکمت العین
۵- ابروئے بیان شاں رفیع است	مفتاح معانی بدیع است
۶- ہر بحث کہ دل کند بصد غور	در حیز حل کشند فی الفور
۷- از منطق شاں خطا نفوراست	تصدیق بہ حکم شاں ضروراست
۸- ہر فرد یگانۂ اماثل	شیرازۂ نسخۂ فضائل
۹- دانائے حقائق کیانی	اشراقی حکمت یمانی

یعنی ۱- باریک مزاج نکتہ پرداز، ہر مضمون میں سخن سازی کرنے والے
۲- ہر ایک اپنی تحقیق سے پہیلی کی باریکی سے، نکتہ سنجی کا مغز نکالنے والے ہیں
۳- ابن حاجب کے منقح اصول اپنی پیشانی پر لازمی طور سے لکھ لئے۔
۴- حکمۃ العین کے اشارات کی وضاحت دین کے فرض کی طرح اپنے سرآنکھوں پر رکھا ہے۔
۵- انکے بیان کی شان بلند ہے، معانی کی کنجی انوکھی ہے۔

۶- ہر وہ مبحث جس میں دوسروں کے دل کافی غور وفکر سے پہونچ پاتے ہیں، یہاں کے لوگ انہیں فوراً حل کردیتے ہیں۔
۷- غلطی کو انکی بات چیت سے نفرت ہے، ان کے فیصلے کو سچ ماننا ضروری ہے۔
۸- ہر شخص برگزیدہ لوگوں میں یکتا اور فضیلتوں کے نسخوں کی جز بندی کرنے والا ہے۔
۹- عجمی بادشاہوں کے حقائق کے دانا اور حکمت یمانی میں اشراقی ہیں۔

۳۴- سید رفیع الدین بلگرامی قدس سرہٗ

آپ سید محمد صغریٰ کی اولاد سے ہیں۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے: سید رفیع الدین بن سید بدر الدین بن سید تاج الدین جد القبیلہ یکے از قبائل اربع محلّہ سید واڑہ بن سید حسین معروف بسید دولارہ بن سید حسن بن سید محمود مدہن بن سید بڈھ بن سید جمال الدین بن سید ابراہیم بن سید ناصر بن سید سالار بن سید محمد صغریٰ قدس سرہٗ جن کا ذکر فصل اول میں گزرا۔

سید رفیع الدین عہد شباب کی ابتدا میں طلب علم کا ارادہ کرکے وطن مالوف سے نکلے اور عقلی و نقلی علوم وفنون حاصل کئے اور عروس علم کو حسن عمل کے زیور سے آراستہ کرکے بمصداق عاد القمر الیٰ ابراجہ (چاند اپنی برجوں کی طرف لوٹ آیا)، بلگرام لوٹ آئے اور بقیہ عمر راہ تلمذ کے سالکین کو درجات کمال تک پہنچاتے رہے، خط نسخ بہت عمدہ اور شیریں لکھتے تھے بیشمار کتب درسیہ قید تحریر میں لائیں۔ آج مطول اور تلویح جیسے کتنے صحیفے ہیں جو آپ کے شیریں انداز تحریر میں موجود ہیں۔ ہر کتاب پر اول تا آخر حاشیہ لکھا ہے اور اپنی فضیلت واستعداد کی دلیل چھوڑ گئے ہیں۔ خاتمہ تلویح میں اپنے دست خاص سے لکھتے ہیں:

قد وقع الفراغ من تسوید هذه النسخة الشریفة المسماة بالتلویح فی شرح التوضیح بمدرسة استاذی العلامة النافع

للخاصة والعامة اعلم العلماء اکمل الاتقیاء حامی اهل الشرع والایمان ماحی آثار الظلم والطغیان الحضرة العلیة شیخ حسین بن شیخ داؤد متع الله الطالبین بطول بقائه فی افضل الایام یوم الجمعة الثامن عشر من شهر ربیع الاول سنة خمس وتسعین وتسعمائة مالکهٔ وکاتبهٔ رفیع الدین بن بدر الدین بن تاج الدین بن حسین الحسینی والمامول من القارئین لهذا الکتاب والمستفیدین به ان یذکروا الکاتب المذنب فی اوقاتهم الشریفة بدعا الخیر وسلامة الایمان والله سبحانهٔ هو المستعان"

یعنی یہ نسخہ شریفہ جس کا نام تلویح ہے جو توضیح کی شرح ہے، اس کی کتابت سے فراغت اپنے استاذ کے مدرسے میں ہوئی، میرے استاذ علامہ جو خاص و عام کے لئے نفع بخش ہیں، علماء میں بڑے عالم اور صلحا میں بڑے کامل، شریعت اور ایمان والوں کے مددگار، ظلم وطغیان کے آثار کو مٹانے والے حضرت عالی شیخ حسین بن شیخ داؤد۔ اللہ تعالیٰ طالبوں کو انکی زندگی لمبی عطاء فرما کر فائدہ بخشے۔ جمعہ کے دن ۱۸/ربیع الاول ۹۹۵ھ میں لکھی گئی۔ کتاب کا مالک اور اس کا کاتب رفیع الدین بن بدر الدین بن تاج الدین بن حسین حسینی ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے والوں اور اس سے نفع اٹھانے والوں سے امید ہے کہ گنہگار کاتب کو اپنے بزرگ اوقات میں بھلائی اور ایمان کی سلامتی کی دعا کے ساتھ یاد فرمائیں گے اور اللہ کی ذات پاک ہے۔ اسی سے مدد کا طلب گار ہوں۔

۳۵-سید حسین قدس سرہٗ

سید حسین بن سید نوح عرف سید پیارہ بن سید محمود اکبر قدس سرہٗ، سید محمود اکبر کا بیان اصالۃً اور سید نوح کا بیان ضمناً پچھلی فصل میں گزرا۔

سید حسین عالی نسب اور اچھی استعداد کے فاضل تھے، عالی ہمت۔ سالک راہ مستقیم اور مظہر انك لعلیٰ خلق عظیم تھے۔ ان فضائل وکمالات کے باوجود صلاح وتقویٰ کے مالک تھے، خاکساری اور انکسار مزاجی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ لمبی عمر پائی۔ اول تا آخر وطن مالوف میں گوشہ نشینی کی زندگی گزاری۔ ہمیشہ کتب بینی اور رب الارباب کی عبادت سے ذخیرۂ اخروی جمع کرنے میں لگے رہتے۔ ایک شرعی دستاویز میں سید حسین اور آپ کے بھائی سید حسن کے دستخط پر جن کا ذکر آرہا ہے، نظر پڑی۔ دستاویز دستخط کی تاریخ ۱۰۰۸ھ ہے۔

۳۶۔ سید حسن برادر حقیقی سید حسین قدس سرہما

آپ عالم عامل اور فاضل کامل تھے، مسائل حنفیہ میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ کتاب قدوری فقہ اول تا آخر آپ کے خط شریف سے محشّٰی آج بھی موجود ہے، اپنے زمانے میں ہمعصروں میں ممتاز تھے۔ تمام عمر وطن میں بسر فرمائی۔ ۹/ شعبان المعظم کو دار البقاء کی جانب متوجہ ہوئے۔

۳۷۔ قاضی الہداد قدس سرہٗ

آپ محلہ سید واڑہ بلگرام میں بسنے والے شیخان فرشوری سے ہیں۔ آپ کا نسب قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ بلگرام کے فرشوریوں کے کئی خاندان اور قبیلے ہیں دور قدیم سے تمام شرعی عہدے اسی خاندان سے متعلق ہیں۔ چند دنوں سے منصب قضا شیوخ عثمانی میں منتقل ہوگئی ہے پھر بھی فتویٰ نویسی، عدالت اور قاضی کا لقب خاص قاضی الہداد کے خاندان میں باقی ہے چونکہ قاضی الہداد اپنے وقت میں مشتری کی طرح آسمان (علم) پر جگمگاتے رہے۔

اسی لئے عہدۂ قضا جو باپ دادا سے عثمانی قبیلے میں چلا آتا تھا، قاضی کمال عثمانی سے حاصل کرلیا اور نہایت دیانتداری سے یہ جلیل القدر عہدہ کی خدمات انجام دیتے رہے، یہاں تک کہ قاضی محمود بن قاضی کمال نے اکبر شاہ کے دربار میں جا کر اوج کمال حاصل کر کے سرداری کا بلند رتبہ پایا اور ۲؍شوال ۱۰۰۰ھ میں آل عثمان کے لئے عہدۂ قضا کی سند اور تمغہ اپنے والد بزرگوار کے نام سے حاصل کرلیا اور موروثی منصب بحال کرالیا۔ آج تک یہ منصب انہیں کی اولاد میں قائم ہے مگر اسی وقت سے قاضی کا لقب الہداد کے قبیلے کا حصہ بن گیا۔

قاضی الہداد خداداد فضل کے مالک تھے، فقاہت اور دیانت و امانت میں زمانہ کے امام ابو یوسف تھے۔ ابتدائے حال میں تحصیل علم کا شوق سر میں سمایا، خضر توفیق کی رہنمائی میں راہ طلب طے فرمائی اور شاہ عبد الرحمٰن جانباز لاہر پوری قدس سرہٗ کی خدمت میں تربیت لی، کتب درسیہ کی تکمیل کر کے مولویت پوری کی، اور واپسی کی اجازت لے کر دار الکرام بلگرام آئے اور مستحق ہونے کی وجہ سے مسند پر بیٹھ گئے۔ سچائی اور نیکی کی چادر کندھے پر ڈالی، اہل زمانہ اپنے مسائل میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حق ثابت کرنے، جھگڑا نپٹانے میں آپ ہی کا وسیلہ ڈھونڈتے تھے۔ قاضی صاحب حکومت کے کاموں سے فارغ ہو کر درس دیتے اور دانش و بینش کے انوار سے حلقۂ درس کو حلقۂ چشم کے لئے باعث رشک بنا دیتے تھے۔

ایک مرتبہ تہذیب المنطق کا ایک نسخہ راقم الحروف کے ہاتھ لگا۔ اس پر قاضی صاحب کی اپنی ایک طبعی توجیہ نسخہ مذکور کے حاشیہ پر نظر آئی جو بالکل برجستہ تھی۔ بعض شرعی رجسٹروں میں ان کی دستخط بھی مشاہدے میں آئی۔ رجسٹر کے تحریر کی تاریخ ۲۸؍شعبان ۹۹۹ھ ہے۔

۳۸- قاضی عنایت اللہ قدس سرہٗ

قاضی الہداد کے خلف صادق ہیں ابتدائے تعلیم سے آخر تک والد ماجد کے حلقۂ درس میں تلمذ کیا اور فضیلت سے کافی ووافی حصہ پایا شہر کے مسند افتا پر رونق افروز ہوئے اور اس اونچے عہدے کو باحسن وجوہ نبھایا۔ جب میر سید طیب بن میر عبدالواحد اکبر بلگرامی قدس سرہٗ دہلی کی سیر کے لئے نکلے تو قاضی عنایت اللہ کو ان کے حسب منشا بقیۃ المحدثین شیخ عبدالحق دہلوی قدس سرہٗ سے مرید کرایا اور بزرگان سلسلہ کا شجرۂ طیبہ شیخ کی خدمت سے قاضی صاحب کو لا کر دیا۔

۳۹- شیخ کمال بن شیخ مکرم قدس سرہٗ

بلگرام کے شیوخ فرشوری اور رئیسوں میں ہیں۔ مدومعاش والی آراضی کا منصب تولیت پرانے زمانے سے شیخ کمال کے خاندان سے متعلق رہا ہے اور آج تک برقرار ہے۔ اس خاندان سے بہت سے ارباب علم وفضل ابھرے ہیں۔ خود شیخ کمال آسمان کمال کے بدر کامل اور اہل زمانہ کے سردار ہوئے ہیں علامہ تفتازانی وفہامہ جرجانی کی کتب درسیہ از بر کئے ہوئے تھے۔ خوشا وہ صاحب دولت جس نے ابتدائے عمر تا دم واپسی علم شریف کی خدمت میں عمر گزاری ہو۔ شیخ نے اپنے قیمتی اوقات کو چار حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے: ایک حصہ مولیٰ تعالیٰ شانہٗ کی عبادت کرنے کے لئے، اور ایک جزو علمی صورتوں کو طالبان معنی کے دلوں کے آئینے میں مرتسم کرنے کے لئے۔ ایک حصہ طرۂ تحریر کو عارض قرطاس پر بکھیرنے کیلئے اور ایک حصہ اقارب واحباب کے حقوق کی ادائیگی کے لئے۔

خط عربی نہایت عمدہ، دلکش اور پختہ لکھتے تھے۔ تمام کتب درسیہ صرف ونحو وحکمت ومعانی وبیان، فقہ، اصول فقہ وتفسیر وغیرہ سب اپنے دست مبارک سے

کتابت کرتے تھے اور ہر ایک کتاب کو اول تا آخر محشیٰ کرتے تھے، اس طرح کہ متن، شرح کا اور شرح حاشیہ کا محتاج نہ رہے، ان کتابوں کو صحف آسمانی اور نسخہ الواح ربانی کا نمونہ کہا جاسکتا ہے، کیوں کہ تمام کتابوں میں ایک نقطہ بھی غلط نہیں مل سکتا۔ قسم بخدا، واللہ خامۂ مشکبار کی دوستی کے ہاتھوں سے عجیب خوشبودار پودے اپنی تربت پر لگائے ہیں اور ثواب کی خوشبو صبح قیامت تک کے لئے اپنے دماغ کے لئے وقف کردی ہے۔ کیوں کہ مدارس علم کے خردہ اندوز ہر زمانے میں انہیں صحف مکرمہ کے فیوض لیتے رہیں گے اور اجابت طراز دعاؤں کے زمزمے ملاءاعلیٰ تک پہنچاتے رہے اور پہنچارہیں گے۔

ان دنوں حوادث روزگار کی دست اندازی سے مذکورہ کتابیں آپ کے کتب خانے سے بکھر گئیں۔ کچھ تو بلگرام میں بکھری ہوئی ہیں اور کچھ اطراف میں پھیل گئی ہیں۔

بعض قبالات شرعیہ سے واضح ہے کہ شیخ کمال ۹۹۴ھ تک مسند حیات پر جلوہ فرمارہے اور یہ شعر ان کے مرثیہ میں نظر سے گزرا۔

دردا و حسرتا کہ زوال کمال شد ☆ بر طالباں حیات دو روزہ وبال شد

یعنی انتہائی حسرت وافسوس کہ شیخ کمال کا انتقال ہوگیا، علم کے طالبوں پر دودن کی زندگی مصیبت ہوگئی۔

۴۰۔ شیخ عبدالکریم بلگرامی قدس سرہٗ

آپ شیخ کمال کے خاندان سے ہیں۔ عالی وقار دانشمند اور تولیت (بلگرام) کی مسند کے صدر نشین تھے۔ آغاز نشو ونما میں کلام اللہ کو حفظ کیا اور علمائے قبیلہ سے تعلیم حاصل کی پھر تمام علوم عقلیہ ونقلیہ میں امتیاز کا پرچم لہرایا۔ مقامات حریری مکمل آپ کی نوک زبان پر تھی، نثر عربی میں خوش اسلوبی سے انشاپردازی کرتے تھے، آپ کا مبارک معمول ہمیشہ گلشن عبادت کی آرائش اور تدریس کا گلستاں سجانا

تھا، خط عربی و فارسی عمدگی سے تحریر کرتے تھے اور تحریر میں ایسی سرعت تھی کہ کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ استاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی فرماتے تھے کہ میرے واسطے تین روز میں ''حاشیہ شمسیہ'' کی کتابت کی تھی۔ عمر کے آخری حصہ میں چند مقالے مقامات حریری کے طرز پر لکھے اور مقامات پر فارسی شرح لکھی تھی۔ بارھویں صدی کے شروع میں سامان سفر عالم قدس کی طرف بڑھادیا۔ (انتقال فرمایا)

۴۱۔ مولوی شیخ عبدالغفور قدس سرہٗ

آپ شیخ عبدالکریم کے حقیقی چھوٹے بھائی ہیں۔ علمائے شہر میں مشہور اور فضلائے عصر میں ماہر ہیں۔ تحصیل کمالات خاندان کے اکابر اور دوسرے اساتذہ کرام سے کی۔ فنون عقلیہ ونقلیہ میں تبحر پیدا کیا اور ہمیشہ نشر فیوض و تدریس طلاب اپنا معمول بنالیا، بے شمار تلامذہ کو دانشمندی کے درجے تک پہنچایا، استاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی نور اللہ مرقدہٗ نے اصول بزدوی مولوی صاحب ہی کی خدمت میں پڑھی۔

نبی کریم ﷺ کا دیدار

وہ فرماتے تھے کہ مولوی صاحب نے مجھ سے کئی بار فرمایا کہ فلاسفہ کی کتابیں مطالعہ کرتے کرتے میرا میلان اس طائفہ کے مذہب کی طرف ہوگیا اور ایک زمانہ اسی میدان میں سرگرداں رہا، یہاں تک کہ ایک رات حضور رسالت مآب ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ حضور نے مجھے چند کلمے تلقین فرمائے، جس سے شک و شبہ کا زنگ جو آئینہ دل پر بیٹھ گیا تھا، محو ہوگیا، اس کے بعد دین اسلام کی حقیقت روز روشن کی طرح مجھ پر منکشف ہوگئی۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کیلئے اس کی مہربانیوں پر ہیں جس کے نگینہ کا نقش وربك الغفور ذوالرحمة ہے ''جامع القوانین'' جو مدرسوں میں رائج ہے، اس کے مصنف مولوی صاحب کے شاگرد ہیں جن کا

نام خلیفہ شاہ محمد مدقی ہے۔ بلگرام میں ایک مدت تک رہ کر مولوی عبد الغفور سے تعلیم حاصل کی نیز میر سید اسمٰعیل کے مکان میں رہتے تھے، جن کا بیان آئے گا۔

صاحب جامع القوانین کی شاگردی

''جامع القوانین'' میں ایک خط مولوی عبد الغفور کے نام درج کیا ہے۔ اگرچہ ان کا کلام کسی درجے میں نہیں ہے لیکن یہاں مکتوب الیہ (مولوی عبد الغفور) کے حال کا تذکرہ مقصود ہے، نہ کہ کاتب کی عبارت آرائی۔ مکتوب کی عبارت کی سرخی یہ ہے ''مکتوب سوم در جواب عنایت نامہ فیض شامہ قبلۂ ارباب فضائل کعبۂ اصحاب فواضل مولوی شیخ عبد الغفور زینت بخش بلگرام لازال معموراً بالکرام تحریر یافت''۔

یعنی تیسرا خط فیض کی خوشبو لئے ہوئے اس ذات کے عنایت نامہ کے جواب میں لکھا گیا جو ارباب فضائل کا قبلہ اور اصحاب فواضل کا کعبہ مولوی عبد الغفور ہیں جو بلگرام لازال معموراً بالکرام کو زینت بخشنے والے ہیں۔

اور القاب مکتوب کے مضمون میں یوں لکھے ہیں:

''پیوستہ ذات قدسی صفات آں مجمع فیض سبحانی، منبع علوم روحانی، کاشف دقائق، معقول منقول، واقف حقائق فروع و اصول، مقتدائے کاروان منازل تحقیق، پیشوائے رہروان مراحل تدقیق مد اللہ ظلال نوالہ وکمالہ فیض بخش عقیدت آشیاں وہدایت فرمائے عبودیت گرایاں باد''۔

یعنی اللہ کی ذات سے پیوستہ فرشتوں کی صفات والے جو اللہ کے فیض کے جامع روحانی علوم کے کشف کی جگہ معقول ومنقول کی باریکیوں کو کھولنے والے فروع و اصول کی حقیقتوں سے واقف تحقیق کی منزلوں کے کافلے کے پیشوا، باریکیوں کے مراحل کا راستہ چلنے والوں کے رہبر اللہ تعالیٰ ان کی بخشش اور کمال کے سایہ کو دراز فرمائے تا کہ آشناؤں کو عقیدت کا فیض پہنچانے والے اور خدا کی

غلامی کے خواہشمندوں کو راہ بتلانے والے رہے ہیں۔

۴۲۔ شیخ عنایت اللہ قدس سرہٗ

آپ شیخ عبدالکریم کے صاحبزادہ اور عجوبۂ زمانہ اور نادر یگانہ ہیں۔ والد بزرگوار اور دوسرے عالمان وقت سے علم سیکھا، عربی و فارسی، ہندی، سنسکرت بھاکا اور موسیقی ہندی وغیرہ فنون میں مہارت حاصل کی۔ ساتوں قسم کے خطوط ثلث، محقق، توقیع، ایماں، رقاع، نسخ، نستعلیق لکھتے تھے۔

قرآن مجید حفظ کیا اور دست بیعت میر سید احمد کاشفی کالپی قدس سرہٗ کے دامن ارادت میں دیا اور میر سید لطف اللہ سید العارفین بلگرامی کے ہم پیر ہوئے۔ تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب اور تہذیب اخلاق کو کمال تک پہنچایا۔ امراء کی ہمنشینی کو اعمال کا حجاب سمجھتے تھے۔ خیر اندیش خاں کنبوہ عالمگیری حد سے زیادہ تعظیم و تکریم کرتا تھا بلکہ آپ سے محبت کی وجہ سے چند روز اٹاوہ کے مقام پر مقیم رہا۔

ہندی نغموں کے راگ

آپ کی عادت میں یہ عجیب بات تھی کہ ہمیشہ صبح کے وقت اٹھتے اور ہندی نغموں سے کوئی راگ چھیڑ دیتے۔ اس کے بعد نماز کے لئے تیار ہوتے، عمدہ لباس زیب تن کرتے، ہتھیار سجاتے اس طرح کہ گویا امیروں کے دربار میں جارہے ہیں۔ خود کو آراستہ کر کے نماز ادا کرتے، ارکان نماز نہایت خشوع و خضوع سے ادا فرماتے۔ جب وضع کے اختیار کرنے کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ جب ارباب دولت کے یہاں پر تکلف لباس میں اور ہتھیار لگا کے جاتے ہیں تو سلطان ازل کی بارگاہ میں تو بطریق اولیٰ نہایت سج دھج کر جانا چاہئے۔ گویا بمصداق حدیث شریف "صفهم فی القتال وصفهم فی الصلوٰة سواء ظاهرا وباطنا" (ان کی صفیں جہاد میں ہوں یا نماز میں، ظاہری اور باطنی لحاظ سے برابر

ہیں) خود کو جہاد کے لئے تیار رکھتے تھے۔

وللناس فی مایعشقون مذاهب..... عشق میں ہر ایک مذہب جدا گانہ ہوتا ہے۔

مولانا سحابی استر آبادی کی بعض رباعیات جن کا تعلق آیات قرآنیہ کے مضامین سے ہے، شیخ عنایت اللہ نے ان رباعیات پر شرح لکھی ہے۔ آپ کا انتقال کدورت گاہِ فنا سے صفوت کدۂ بقا کی طرف بارہویں صدی کے عشرۂ ثانی (۱۱۱۱ھ تا ۱۱۲۰ھ) میں ہوا۔

۴۳۔ میر سید اسمٰعیل بلگرامی قدس سرہٗ

آپ سید محمد صغریٰ کی اولاد میں ہیں اور میر سید طیب بن میر عبدالواحد اکبر بلگرامی کے داماد ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: میر سید اسمٰعیل بن سید قطب عالم بن سید دولارہ بن سید عبدالنبی جد القبیلہ یکے از قبائل اربع محلہ سید واڑہ بن سید پیارہ بن سید حسن بن سید محمود مدہن۔ پورا نسب سید رفیع الدین کے حالات میں گزر چکا۔

سید صاحب مایۂ ناز عالم اور دانا فاضل ہیں۔ دو واسطوں سے امیر شیخ فتح اللہ شیرازی کے شاگرد ہیں۔ معقولات میں دلیل روشن، منقولات میں حجت قاطع تھے، آپ نے طلبا کے جم غفیر کو کامل و مکمل بنایا، حاشیہ علامہ دوانی بر تہذیب المنطق پر ایک لائق حاشیہ تالیف کیا اور باوجود عالی مرتبت دانشور ہونے کے بہت تنگ دل، بزرگ ہمت تھے۔ فیض رسانی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ہندوستانی فن موسیقی خوب جانتے تھے اور اس فن کی باریکیوں کے مہرے سے واقف تھے۔

ملّا سیالکوٹوی کی شاگردی اور مباحثہ

ابتدا میں تحصیل علم کے ارادے سے بلگرام سے نکلے اور ملّا عبدالسلام دیوہ

کی خدمت میں پہنچے۔ کتب متداولہ زیادہ تر ملاّ جی کی خدمت میں پڑھی اور فضیلت کا رتبہ حاصل کیا۔ اس کے بعد مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی کی خدمت میں پہنچے، اور سبق کی خواہش ظاہر کی۔ مولوی صاحب نے عذر کیا کہ طلبہ کے ہجوم کی وجہ سے علیٰحدہ وقت دینے کی گنجائش نہیں ہے، مگر فلاں شخص کے سبق کے وقت سماعت کا اختیار ہے۔ میر صاحب نے موقع حاصل کرنے کی وجہ سے صرف سماعت قبول کرلی مگر درس کے وقت ہونٹوں پر چپّی کی مہر لگا کر بیٹھ جاتے بالکل بات نہ کرتے۔ اسی طرح ایک مدت گزر گئی۔ ایک دن مولوی عبدالحکیم نے فرمایا کہ اتنے روز ہوگئے کبھی تم نے ایک بات بھی نہیں کی؟ سید صاحب نے عرض کیا کہ دوسرے کے وقت میں میری ذمہ داری صرف سننا ہی ہے۔ اگر الگ وقت فقیر کو عطا ہو تو بقدر استعداد گفتگو کی جائے گی۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ ان دنوں عصر مغرب کے درمیان تھوڑا سا وقت ہے۔ وہ تمہارے سبق کے لئے میں نے مقرر کردیا سید صاحب نے دوسرے روز سے مستقل سبق شروع کردیا۔ بحث و گفتگو اتنی بڑھائی کہ مغرب کی نماز کا وقت آگیا۔ مولوی صاحب نماز پڑھ کر پھر درس دینے لگے۔ نماز عشا تک گفتگو جاری رہی۔ مولوی صاحب نے جب دیکھا کہ گفتگو کی تحقیق ختم ہی نہیں ہورہی ہے تو فرمایا کہ کل صبح کو سید صاحب پھر حاضر ہوجایئے، دن کے ابتدائی حصہ میں دوسرے اسباق روک کر اس مسئلہ کی تحقیق کرلیں گے۔ سید صاحب دوسرے دن صبح حاضر ہوئے، اور دوسرے طلبہ بھی حاضر ہوگئے۔ چاشت سے لے کر دوپہر تک بحث ہوتی رہی، تین روز اسی طرح گزر گئے لیکن بحث کا سلسلہ ختم نہ ہوا۔ آخر مولوی صاحب نے سید صاحب سے فرمایا کہ اب تو اس مقام کا حل تم پر بھی ایک طرح ظاہر ہوچکا ہے۔ سید صاحب نے عرض کی کہ ایک محشی نے اس مقام پر ایک حاشیہ لکھا ہے۔ وہ حاشیہ خود انہیں کا تحریر کردہ تھا، نکالا اور مولوی صاحب کو پیش کردیا۔ مولوی صاحب نے تحسین کے

موتی بکھیرے اور ارشاد فرمایا کہ حاشیہ کا مطلب نہایت دقیق اور نازک ہے مگر عبارت اطناب سے خالی نہیں ہے۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے پوچھا کہ تمہاری تعلیم کہاں سے ہوئی ہے؟ عرض کی: مولوی عبد السلام دیوہ کی خدمت میں رہ کر۔ مولوی صاحب کے دل میں خیال آیا کہ شاید ملاّ عبد السلام نے میرا امتحان لینے کیلئے اپنے شاگرد کو بھیجا ہے، سید صاحب نے قسم کھائی کہ اس معاملہ کو بالکل کوئی دخل نہیں ہے۔ محض استفادہ کی غرض سے حضور عالی میں حاضر ہوا۔ پھر بقیہ کتابیں مولوی صاحب کی خدمت میں پڑھیں اور فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد ایک زمانہ تعلیم وتدریس میں گزار دیا۔

کچھ دنوں بعد نواب نجابت خاں صفوی کے ملازم ہو گئے اور قرب خاص کا شرف پایا، مگر ملازمت پیشگی کے باوجود ہمیشہ ہنگامہ درس آراستہ رکھتے۔ ایک بار سرکار نواب سعد اللہ خاں صاحب جو صاحبقران شاہجہاں کے وزیر اعظم تھے، ان کے دو بہترین فاضل، جن میں ایک قومیت میں شیخ تھے، دوسرے افغان، نواب نجابت خاں کے مکان میں آئے اور نواب صاحب کی مجلس میں سرکار نواب کے بعض فضلاء کے ساتھ گفتگو شروع ہوئی۔ نواب صاحب نے اپنے فاضلین کی ہار سمجھ لی۔ سید اسمٰعیل مجلس میں حاضر نہ تھے۔ نواب صاحب نے ایک تیز رو قاصد کو سید صاحب کو بلانے کیلئے بھیجا، سید صاحب فوراً حاضر ہو گئے اور مجلس کے آخری حصے میں بیٹھ گئے۔ طرفین کی تقریر سنی پھر ان دونوں فاضلوں سے مخاطب ہوئے کہ ذرا اِدھر بھی توجہ دیں! دونوں نے عنان بحث سید صاحب کی طرف موڑ دی۔ سید صاحب نے نہایت شیریں بیانی اور قوی گفتگو سے انہیں مغلوب کر دیا۔ ایک فاضل نے جو افغان تھا، کج بحثی شروع کر دی، یہاں تک کہ ہاتھ تلوار کے دستے تک لے گیا۔ سید صاحب نے بھی فوراً ایک تلوار جو نواب صاحب کی مسند کے

قریب رکھی تھی، اٹھا کر نیام سے نکال لی، لوگوں نے بیچ میں پڑکر دونوں کو چھڑایا۔ نواب نجابت خاں نے سید صاحب کا علم اور شجاعت دیکھی اور مسرور ہو کر فرمایا کہ "سید ما صاحب السیف والقلم است"۔ یعنی ہمارے سید صاحب قلم اور تلوار دونوں کے دھنی ہیں۔

بعد میں سید اسمٰعیل نے ملازمت چھوڑ کر بلگرام میں گوشہ نشینی اختیار کرلی اور طلبہ کی جماعت کو افادہ کے دستر خوان پر دعوت عام دی اور زندگی کے بقیہ ایام تدریس وتصنیف کے بہترین شغل میں صرف کی۔ ۴ر شوال بروز منگل ۱۰۸۸ھ میں اس دنیا سے رخت سفر باندھا۔ "ختم اولیا" تاریخ وفات ہے، خوابگاہ بلگرام ہے۔

اب یہاں پر قلم کارخ موڑتا ہوں اور ملا عبدالسلام دیوہ کے احوال پھر ان کے اساتذہ ملا عبدالسلام لاہوری اور امیر فتح اللہ شیرازی کے حالات لکھتا ہوں۔

۴۴۔ ملا عبدالسلام ساکن دیوہ قدس سرہٗ

دیوہ مضافات اودھ (دیوہ ضلع بارہ بنکی کا ایک مشہور مقام ہے) میں ہے۔ اصناف علوم خصوصاً عربی آپ نے وطن کی سرزمین میں تحصیل کی، قسمت نے انہیں ملا عبدالسلام لاہوری تک لاہور پہنچایا۔ جو کچھ پڑھا تھا ملا کے پاس اس کی تصحیح کی اور استاذ کے قدم بقدم چلتے رہے، جس طرح دونوں کے ناموں میں یکسانیت تھی، یوں ہی فضیلت میں برابری کا رتبہ حاصل کیا۔ چند دنوں تک طلبہ کی دانش آموزی میں مشغول رہے۔ اس کے بعد صاحبقران شاہجہاں کی ملازمت کرلی اور کچھ دن قضائے عسکری پر مامور رہے، پھر بڑھاپے میں اس منصب سے استعفا دے کر دارالسلطنت لاہور میں گوشہ نشینی اختیار کرلی اور علوم کے پیاسوں کو اپنی دانش آموزی کے کوثر سے سیراب کیا۔ نیز "تفسیر بیضاوی" پر ایک حاشیہ سلک تحریر میں پرویا۔

۴۵-ملا عبدالسلام لاہوری قدس سرہٗ

آپ علوم عقلیہ ونقلیہ کی کان تھے۔ ادب، فقہ اور اصول کے فنون اچھی طرح جانتے تھے۔ تعلیم امیر فتح اللہ شیرازی وغیرہ سے حاصل کی اور قریب ۶۰/ سال تک درس وتدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، کثیر جمعیت کو فضیلت کے مرتبے تک پہنچایا اور ''تفسیر بیضاوی'' پر ایک حاشیہ تحریر کیا۔

قریب ۹۰/ سال کی عمر پائی، آپ فرماتے تھے کہ کتب متداولہ پر میرے بہت سے اعتراضات وجوابات تھے جنہیں میں نے ارباب دانش پر پیش کیا اور سب نے قبول کیا لیکن تدریس میں کثرت اشتغال کی وجہ سے تحریر کی فرصت نہیں ملی۔ اب جبکہ ضعیفی نے گھیر لیا ہے قوت حافظہ بھی کمزور پڑ گئی ہے، تمام باتیں دل سے نکل چکی ہیں۔ آپ ان تصورات ذہنیہ کے گم ہو جانے پر افسوس کرتے تھے، ۱۰۳۷ھ میں کتاب زندگی چھوڑ گئے۔

۴۶-امیر فتح اللہ شیرازی قدس سرہٗ

آپ حکمت عملیہ ونظریہ میں یکتائے زمانہ تھے اور آپ نے خواجہ جمال الدین محمود اور مولانا کمال الدین شیروانی، مولانا کرد اور میر غیاث الدین منصور شیرازی کی دانش گاہوں میں تعلیم حاصل کی، اور اساتذہ پر سبقت لے گئے۔ عادل شاہ بیجاپوری نے بہزار خواہش انہیں شیراز سے دکن بلوایا اور اپنا وکیل مطلق قرار دیا۔ ایک زمانہ اسی طور پر گزر گیا آخر ۹۹۱ھ میں اکبر بادشاہ نے انہیں طلبی کا فرمان بھیجا اور حسب طلب فتح پور سکری پہنچے۔ خانخاناں اور حکیم ابوالفتح استقبال کر کے خدمت میں لائے۔ طرح طرح کی نوازشوں سے نوازے گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہمنشینی کی دولت سے مالا مال ہوئے، امتیاز کی قامت پر

صدارت کل کی خلعت سجائی اور مظفر خاں تربتی کی صاحبزادی سے شادی کی۔ کہا جاتا ہے کہ سہ ہزاری کے عہدے تک پہنچ گئے تھے، پھر ۹۹۳ھ میں ''امین الملک'' کا خطاب پاکر عالی رتبہ ہوئے، حکم ہوا کہ راجہ ٹوڈرمل ملکی ومالی مہمات امیر سے مشورہ لے کر اسی کے مطابق کام انجام دیں، امیر صاحب نے سرکاری اخراجات اور رفاہ عامہ پر مشتمل چند فصلیں بادشاہ کو دکھائیں اور تحسین حاصل کی۔ اسی سال ''عضد الدولہ'' کے خطاب سے شہرت پائی پھر راجہ علی خاں والی خاندیس کی رہنمائی پر وزارت قبول کر لی مگر وہاں سے ناکام واپس ہوئے اور خان اعظم جو ولایت دکن اور وہاں کے باغیوں کی سرکوبی پر مامور تھا، اس سے مل گئے، جب خان اعظم نے شہاب الدین احمد خاں اور دوسرے مددگاروں کے سرداروں سے بدسلوکی کی تو راجہ علی خاں نے امراء کا نفاق دیکھ کر دکن کے لشکر کو اپنے ساتھ ملالیا اور مقابلہ پر کمر بستہ ہو گئے، ہر چند امیر صاحب نے چاہا کہ اسے راستہ پر لائیں مگر کوئی صورت نہ بن سکی۔ ناچار ہو کر گجرات خانخاناں کے پاس پہنچے کہ انہیں کمک دے کر بھیجے۔ اس نے بھی کسی وجہ سے ہاتھ نہ بڑھایا، وہاں سے بادشاہ کے دربار پہنچے۔

۹۹۷ھ میں جب بادشاہ سیر کشمیر سے واپس لوٹ رہا تھا، اس وقت جسمانی بیماری کی وجہ سے سری نگر شہر میں رہ گئے، اور جان قابض ارواح کے سپرد کر دی، اس کے بعد پہلے انہیں میر سید علی ہمدانی کے گھر چھوڑا گیا تھا پھر بادشاہ کے حکم کے مطابق وہاں سے نکال کر کوہ سلیمان کی چوٹی پر جو بڑی دلکش جگہ ہے منتقل کر دیئے گئے۔ بادشاہ امیر صاحب کے انتقال سے بے حد رنجیدہ ہوا۔ اس کی زبان سے نکلا کہ امیر ہمارا وکیل، طبیب اور منجم تھا، سوگواری کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ اگر وہ کسی فرنگی کے ہاتھ پڑ جاتا اور وہ اس کے بدلے تمام خزانہ مانگتا تو اس سودے میں بیشمار نفع ملتا اور اس گرامی گوہر کو ارزاں سمجھ کر خرید لیتا۔ شیخ فیضی کہتے ہیں۔

شہنشاہ جہاں را در وفاتش دیدہ پرنم شد
سکندر را اشک حسرت ریخت کافلاطون زعالم شد

یعنی دنیا کے بادشاہ محمد اکبر کی آنکھوں میں میر کے انتقال سے آنسو بھر آئے، جب افلاطون دنیا سے رخصت ہوا تو سکندر بادشاہ نے حسرت سے آنسو بہائے تھے۔

آپ کی مصنفات میں تکملہ برحاشیہ علامہ دوانی بر تہذیب المنطق اور حاشیہ برحاشیہ نصاب تعلیم میں شامل ہے۔ ولایت کے علمائے متاخرین جیسے محقق دوانی، میر صدرالدین، میر غیاث الدین منصور اور مرزا جان میر کی تصانیف آپ ہندوستان لائے اور نصاب درس میں شامل کیں جم غفیر نے امیر کی محفل کے حاشیہ نشینی سے استفادہ کیا اور اسی دور سے معقولات کا رواج اور زیادہ بڑھ گیا۔

۴۷-ملک بہاء الدین قدس سرہٗ

آپ محلّہ خورد پورہ کے رہنے والے ہیں اور ملک بھلّے (بائے موحدہ پرفتحہ ہائے مختفی لام مشدد پر کسرہ بعدہٗ یائے مجہول) سے مشہور ہیں، آپ انصاری الاصل ہیں، شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری قدس سرہٗ کے فرزندوں میں ہیں۔ آپ کا خاندان ملک سے مشہور ہوا، اس لقب پانے کی وجہ ملک فیض اللہ سے، جو ملک بہاء الدین کے بنی اعمام سے ہیں، پوچھی گئی تو فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کو فرامین اور سرکاری رجسٹروں میں ''ملک الامراء'' لکھا گیا ہے۔

ملک بہاء الدین بلند ذہن، دقت پسند طبیعت والے فاضل ہیں۔ شروع میں گوپا مئو جاکر ملاّ وجیہ الدین گوپامئوی کے پاس شاگردی کی۔ آخر میں مولوی قطب الدین شہید سہالوی کی خدمت میں تعلیم حاصل کی اور تمام فنون درسیہ میں بیشمار سرمایہ جمع کیا خصوصاً امام نحو وصرف تھے کیونکہ ان دونوں فنوں میں عظیم مہارت رکھتے تھے۔ وطن مالوف میں قدم جماکر ہمیشہ طلبہ کے افادہ میں مشغول رہے۔

بارہویں صدی ہجری کی پہلی دہائی میں نزہت کدۂ بقا کی جانب متوجہ ہوئے۔آپ کی قبر خواجہ عمادالدین بلگرامی قدس سرہٗ کے روضہ کے زیر بلندی جناب دروازہ ہے۔آپ کے فرزند فخر الدین احمد کا تذکرہ فصل اول میں ہو چکا ہے۔

۴۸-سید ضیاءاللہ بلگرامی قدس سرہٗ

آپ سید محمد صغریٰ قدس سرہٗ کی نسل سے ہیں اور محلہ میدان پورہ کے رہنے والے ہیں۔آپ بزرگ علماء واتقیاء سے ہیں۔آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: سید ضیاءاللہ بن سید خان محمد بن سید عبدالغفار بن سید تاج الدین جدالقبیلہ یکے از قبائل اربع محلہ سید واڑہ بن سید حسین عرف سید دولارہ بن سید حسن بن سید محمود مدہن۔اس سے اوپر کا نسب سید رفیع الدین کے بیان میں گزر چکا ہے۔

سید ضیاءاللہ کے دادا سید عبدالغفار کی شادی،سید محمد اشرف بن سید احمد عرف اچھے قبیلۂ پچ بھیا کی دختر سے ہوئی تھی۔چونکہ سید محمد اشرف کا کوئی صاحبزادہ نہیں تھا،اس لئے انہوں نے اپنے داماد سید عبدالغفار کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا۔سید عبد الغفار اسی تعلق کی بنیاد پر سید واڑہ سے منتقل ہو کر میدانپورہ میں آکر رہنے لگے۔

سید احمد کالپوی سے عقیدت

سید ضیاءاللہ نے اوائل شعور میں کلام اللہ کو تجوید کے ساتھ حفظ کیا۔کسب فضائل کو اپنی ہمت کا منظور نظر بنایا اور پورب کے قصبات میں بطور طالب علم سیاحت کی اور علمائے عصر سے فنون درسیہ حاصل کئے۔سید احمد بن سید محمد کالپوی قدس سرہٗ کی جناب میں غائبانہ عقیدت تھی اور یہ شعر اپنی نظم میں شامل کیا۔

کالپی مکہ بلگرام یمن ☆ اے تو احمد منم اویس قرن

یعنی (میرے خیال میں عظمت کے لحاظ سے) کالپی مثل مکہ ہے اور بلگرام بمنزلۂ یمن،اور آپ احمد ﷺ کے سچے نائب ہیں اور میں مثل اویس قرنی ہوں۔

آپ میر کے حضور اقدس میں حاضر رہنے لگے اور تصوف کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد بلگرام میں خدا پرستی کی اور درس و تدریس کی مسند سجا کر طلبہ کی ایک بڑی جماعت کو دلی مقاصد میں کامیابی سے ہمکنار فرمایا، حضرت سید نہایت متقی پرہیز گار تھے۔ دین متین کی نصرت اور احکام سنت کے قائم کرنے میں نہایت راسخ قدم تھے۔

شعبان کی ۲۵ ر تاریخ کو منگل کے دن ۱۱۰۴ھ میں شبستان خاک کو ضیا بخشی۔ وصیت کے مطابق خواجہ عماد الدین بلگرامی قدس سرہٗ کے مزار کے پائینتی بیرون حریم جنوبی دیوار سے متصل دفن ہوئے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے۔

۱- خورشید سپہر علم و فضل و تقویٰ آں میر ضیاء اللہ روشن سیما

۲- دامن افشاند از شبستان جہاں | تاریخ شنو بمنزل قدس ضیاء

۱۱۰۴ھ

یعنی ۱- علم و فضل و تقویٰ کے آسمان کے سورج، روشن پیشانی والے وہ میر ضیاء اللہ

۲- انہوں نے دنیا کے شبستاں سے اپنا دامن جھاڑ لیا، ان کے وصال کی تاریخ بمنزل قدس ضیا ہے

سید ضیاء اللہ مرحوم کی تاریخ انتقال ''درید بیضا'' میں ۱۱۰۳ھ ثبت تھی اور ''مآثر الکرام'' کے پہلے نسخوں میں یہی سال درج ہے۔ بعد میں تحقیق سے ثابت ہوا کہ موصوف کی تاریخ وصال ۱۱۰۴ھ ہے، رباعی اسی سال کے موافق نظم کی گئی۔ سید ضیاء اللہ اور علامہ مرحوم میر عبد الجلیل کے والد جن کا ذکر تحریر کیا جائے گا، ہمعصر تھے اور بچپن ہی سے خاص لگن اور محبت رکھتے تھے۔ سید ضیاء اللہ نے یہ خط میر احمد کے پاس لکھا:

''موزوں کرشمے جو کلام کی شکل میں تجلی برسا رہے تھے، اگرچہ نمکین تھے مگر شیریں معلوم ہوئے، اس عید پر میں قربان ہونا چاہتا تھا۔ ایام تشریق گزر چکے

تھے۔ نثار کرنے کے لئے دینار و درہم ڈھونڈ رہا تھا۔ سوائے نقد جاں کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اس حسرت سے بکھرے جواہرات تلاش کرتا تھا کہ آنکھوں سے ٹپکنے لگے اور یہ نظم تیار ہوگئی۔

۱- اول بہ کرشمہ اش سلامے — وز دیدہ بہ غمزۂ اش پیامے

۲- از نالہ بہ عشوہ اش دعائے — وز ہجر بہ وصل او ثنائے

۳- از اشک بہ پائے او سجودے — وز آہ بگوش او درودے

۴- از گریہ بخندہ اش نیازے — واز غم بہ نشاط او گدازے

۵- از دست دعا بہ دامن او — وز روح نثار بر تن او

۶- شوقے ز نیاز من نیازش — آہے ز خروش من بہ سازش

۷- چوں خط شریف دلبر آمد — از نخل امید من بر آمد

۸- لطفے کہ بنامہ اش نہاں بود — بر کشتۂ تیغ ہجر جاں بود

۹- ہجرے کہ بود مراد دلبر — از وصل ہزار بار خوشتر

۱۰- چوں جاں برضائے دوست بست است — از ہر چہ رضائے اوست مست است

۱۱- ہمت بہ مراد او کنم صرف — شد ختم سخن بذکر ایں حرف

یعنی ۱- پہلے اس کے کرشمے کو سلام، اور آنکھوں سے اس کے غمزہ کو پیام۔

۲- نالے سے اس کے ناز و انداز کو دعا، جدائی سے اس کی ملاقات کی تعریف۔

۳- اس کے پیروں پر آنسوؤں کے سجدے، آہ سے اس کے کانوں میں دعائے رحمت۔

۴- رونے سے اس کی ہنسی کو نیاز، غم سے اس کی خوشی کو گداز۔

۵- دعا کے ہاتھ اس کے دامن کے ساتھ، اور روح سے اس کے بدن پر نچھاور۔

۶- شوق میری محبت سے اس کا محتاج، آہ میرے شور سے اس کے موافق۔

۷- جب محبوب کا خط شریف آیا، میری امید کے درخت سے پھل نکلا۔

۸- وہ مہربانی جو اس کے خط میں چھپی تھی، جدائی کی تلوار کے مقتول کے لئے پیغام

زندگی تھی۔

۹-ایسی جدائی جو محبوب کی مراد ہو، وہ ملاقات سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

۱۰-جب دوست کی خوشنودی پر جان بندھی ہے، پھر جو اس کی خوشی ہو اسی میں مست ہے۔

۱۱-اس کی مراد پانے میں ہمت خرچ کروں گا، اسی بات کے بیان سے اپنی بات ختم ہوئی۔

سید احمد کے حالات

سید قادری جو سید ضیاء اللہ کے صاحبزادے ہیں جن کا ذکر فصل اول میں بیان ہو چکا، آپ کے دوسرے فرزند سید احمد بن سید ضیاء اللہ علم کا وافر حصہ کے مالک تھے، حافظ قرآن اور خوش الحان قاری تھے، خط نسخ کی تحریر سے یاقوت کو آب خجالت کا عرق بناتے تھے۔ آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا کلام اللہ اور "تفسیر مدارک" آج بھی سواد چشم کو تازہ روشنی اور بے اندازہ جلا عطا کرتا ہے۔ ۸۰/سال کی عمر میں ۲۱/ذی الحجہ ۱۱۴۳ھ میں فردوس اعلیٰ کی سیر کو چلے گئے اور آبائی قبرستان والے باغ میں مدفون ہوئے۔

سید اشرف کے حالات

آپ کے تیسرے فرزند میر سید اشرف بن سید ضیاء اللہ وقت کے بزرگ تھے، فضیلت سے بہرہ ور تھے ہمیشہ مطالعہ کتب، تلاوت قرآن اور خلاق عالم جل شانہٗ کی عبادت سے اوقات معمور رکھتے تھے۔ آخر کار بارہویں صدی کی چوتھی دہائی میں آشیانۂ قدس کو متوجہ ہوئے اور والد مرحوم کے برابر خواجہ عماد الدین قدس سرہٗ کے پائیں درگاہ میں آرام فرما ہوئے۔

سید غلام حسین کی شہادت

سید غلام حسین بن سید محمد اشرف نے کتب درسی علی الترتیب استاد المحققین میر طفیل محمد بلگرامی علیہ الرحمہ کی جناب میں تحصیل کیں صالح اور پرہیزگار جوان تھے اور کبھی منہیات کے قریب نہ جاتے تھے۔ ۳۱/سال کی عمر میں اپنے سگے

بھائی سید احمدی کے ساتھ شعبان ۱۱۴۴ھ میں وطن سے سفر پر نکلے۔''اٹاوہ'' کے قریب اثنائے راہ میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں دونوں بھائیوں نے جام شہادت نوش فرمائی۔

۴۹۔ سید عنات اللہ قدس سرہٗ

سید عنایت اللہ بن سید عبد الستار بن سید حاتم بن سید بدر الدین جد القبیلہ یکے از قبائل اربعہ محلّہ سید واڑہ۔ آپ فقیہ بے بدل، قابل طبیب، بلند طبیعت کے مالک اور عرشی خیال تھے۔ اپنے زمانے میں روایت میں بہترین ریشہ دوانی کی، مسائل فقہی کے استخراج میں بلند مرتبہ پایا، مفتیان وقت آپ کے تفوق اور بالادستی کا اقرار کرتے تھے طالبان علوم دور دراز سے آپ کی خدمت میں پہنچتے تھے۔ ابتدائے حال میں قرآن مجید حفظ کیا اور میر سید اسمٰعیل بلگرامی کے حلقۂ درس میں تربیت پائی اور تحصیل علم کے درجات ترتیب وار پار کیے، اکثر اوقات کتابوں کے مطالعے میں مستغرق رہتے۔

آپ کی وفات ۱۱۲۰ھ میں ہوئی اور اپنے لگائے ہوئے باغیچہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کی اولاد میں دولڑکے مرتبۂ فضیلت پر فائز ہوئے۔ ایک تو سید محبوب ہیں جو قابل فاضل تھے، ہمیشہ طلبہ کی تدریس میں مصروف رہتے، استاد المحققین میر طفیل محمد علیہ الرحمہ ان سے پر لطف خوش طبعی کرتے تھے، بارہویں صدی ہجری کی تیسری دہائی میں اس عالم سے رحلت کر گئے، دوسرے سید مرتضیٰ معروف بہ سید نواب انہوں نے کتب متداولہ کی تعلیم حاصل کی اور طبابت کا فن عالی اپنے والد سے سیکھا، اور شہر کے طبیبوں کے سردار ہو گئے۔ بالخصوص نبض شناسی میں دست کامل رکھتے تھے، اور مرض کو بالفور دور کر دیتے تھے۔ آپ نے اس فن میں ایک کتاب بھی تالیف کی۔ ۱۱ر ذی القعدہ ۱۱۵۸ھ میں آپ کی نبض حیات ٹھہر گئی اور اپنے اسلاف کے قبرستان میں آرام فرمایا۔ عمر ۸۰ر سال ہوئی۔

۵۰- میر سید خیر اللہ بلگرامی قدس سرہٗ

آپ سید محمود اکبر کی اولاد سے ہیں۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے: سید خیر اللہ بن سید عبد الحمید بن سید طیب بن سید عبد القادر بن سید ابو القاسم بن سید خان محمد بن سید محمود اکبر بلگرامی قدس سرہٗ۔

آپ زمانے کے فاضل اور وحید کامل تھے۔ ظریف طبع، لطیفہ سنج اور خوش اخلاق، فضائل مرضیہ و خصائل سنیہ سے وافر حصہ پائے ہوئے تھے۔ نشۂ باطن سے بھی خالی نہ تھے۔ مثنوی مولانا روم کا درس اس زمانے میں ان سے اچھا کوئی نہیں دیتا تھا۔ ہمیشہ عبادت کے بعد کتاب کے مطالعے میں منہمک رہ کر سرمایۂ آخرت جمع کرتے تھے۔ خلیفہ شاہ محمد صاحب جامع القوانین نے مثنوی مولانا روم کی سند میر ہی کی خدمت میں کی، ایک مکتوب میں جو میر صاحب کے نام ہے لکھا ہے، عنوان مکتوب یہ ہے:

مکتوب نہم، بخدمت خلاصۂ خاندان اصطفا، نقادۂ دودمان ارتضا، شرافت و نجابت دستگاہ میر سید خیر اللہ تحریر یافت بر ضمیر خورشید نظیر آں زینت افزائے محفل سخن، زینت بخش مضامین نو و کہن، نگاہ آموز چشم بینش چراغ افروز بزم آفرینش، نمک خوان اہلیت، مردمک دیدۂ قابلیت، مبدع قوانین مروت، مخترع آئین فتوت، اختر منیر برج نقابت، گوہر بینظیر درج نجابت مجمع الاخلاق منبع الاشفاق واضح ولائح باد"۔

یعنی نواں مکتوب، برگزیدہ خاندان کا خلاصہ، مرتضوی خاندان کے معیار بزرگی و شرافت کی مسند میر سید خیر اللہ کی خدمت میں لکھا گیا، ایسا دل رکھتے جس کی نظیر آفتاب ہے محفل سخن کی زینت بڑھانے والے، نئے اور پرانے مضامین کو رونق عطا کرنے والے، چشم بینا کو بصیرت دینے والے، بزم آفرینش

میں چراغ جلانے والے، اہلیت کے نمک خواں، قابلیت کی آنکھ کی پتلی، مروت کے قائدین کی ایجاد فرمانے والے، جواں مردی کے قواعد کے موجد، تعریف کی برج کے روشن ستارے، بزرگواری کے صندوقچے کے بے مثل موتی، اخلاق کا ذخیرہ، شفقتوں کا منبع یہ مکتوب ان پر واضح اور ظاہر ہے۔

سید خیر اللہ ۵ر شوال بروز چہار شنبہ ۱۱۲۴ھ میں جنت الماوی میں آرام فرما ہوئے اور بلگرام میں اپنے آبائے کرام کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

میر صاحب کا اچانک انتقال ہوا تھا۔ حدیث میں ہے:

"روی البیھقی فی شعب الایمان عن ابی اسکن الھجری قال مات خلیل الله فجأة ومات داؤد فجأة ومات سلیمان بن داؤد فجأة وھو تخفیفٌ علی المو من وتشدید علی الکافر"

یعنی امام بیہقی نے شعب ایمان میں ابوسکن ہجری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اچانک ظاہری دنیا سے تشریف لے گئے اور حضرت داؤد اچانک اس دنیا سے چلے گئے، حضرت سلیمان نے اچانک یہ دنیا چھوڑی، ایسی موت مسلمانوں پر ہلکی اور کافروں پر سخت ہے۔

عبرت ناک واقعہ

یہاں سید خیر اللہ کے واقعہ کے مطابق فقیر اپنے والد (سید محمد نوح) کا واقعہ عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے پیش کر رہا ہے۔ ۹ر محرم کو ایک شخص بلگرام میں ناگہانی طور سے انتقال کر گیا۔ والد مرحوم میت کے دفن کا کام پورا کر کے گھر واپس آگئے۔ اس حادثے نے ان کی نگاہ میں عبرت کا سرمہ لگایا اور طلسم ہستی خلا میں اڑتے گرد وغبار کی طرح نظر آنے لگا۔ میر سید محمد خلف الصدق علامہ میر عبدالجلیل سے مخاطب ہوئے کہ اس طرح کے دو واردات مشاہدے میں آئے۔ ایک سید خیر اللہ بن سید عبدالحمید کا انتقال، دوسرے سید محمود والد سید لطف اللہ کی

وفات، جن کا ذکر فصل اوّل میں سید العارفین کے ارادتمندوں کی فہرست میں تحریر ہوا۔

(والد) ۱۰ر محرم کی رات بلگرام میں چند جگہوں پر تشریف لے گئے، آخر میں اپنے محلہ یعنی میدانپورہ میں واپس آئے اور تابوت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چبوترہ پر بیٹھ گئے تھوڑی دیر بعد لفظ اللہ زبان سے ادا کیا اور جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

سبکر واں زخم آسماں برآمدہ اند ☆ زراستی چو خدنگ از کماں برآمدہ اند

یعنی تیز رفتار سچائی کے سبب سے آسمان کے جھکاؤ سے اس طرح نکل آئے ہیں جس طرح تیر کمان سے باہر آتا ہے۔

یہ حادثہ ۱۰ر محرم کی شب تیسرے پہر ۱۱۶۵ھ میں ہوا۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے روز جبکہ آفتاب ایک نیزے پر پہنچا، آپ اپنے والد سید فیروز کے پاس باغ محمود میں خلوت کدۂ خاک میں آرام فرما ہوئے۔ عمر شریف ۷۰ر سال ہوئی۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے۔

۱- میر سید نوح آں نخلِ ریاض مکرمت روز عاشورا علم افراخت در ملک بقا

۲- سائلے پر سید از آزاد سال رحلتش گفت ''حشر والد ما با شہید کربلا''

۱۱۶۵ھ

یعنی ۱- کرامت کے باغات میر سید نوح نے محرم کی ۱۰ر تاریخ کو ملک بقاء میں اپنا جھنڈا لہرایا

۲- کسی نے آزاد سے ان کی رحلت کا سال پوچھا، آزاد نے کہا میرے والد کا حشر شہید کربلا کے ساتھ ہوگا

۵۱- سید محمد فیض بلگرامی قدس سرہٗ

سید محمد فیض بن سید محمد صادق بن سید صدر جہاں بن سید حاتم بن سید

بدر الدین جد القبیلہ یکے از قبائل اربع محلّہ سید واڑہ۔

آپ نے علوم متداولہ میر سید محمد اسمٰعیل بلگرامی سے حاصل کئے۔ علم حدیث قطب المحد ثین میر سید مبارک بلگرامی کی خدمت میں پڑھا اور علامہ مرحوم میر عبد الجلیل بلگرامی کی خدمت سے بطور خاص منسلک ہوئے اور بے شمار اصول علمیہ اخذ کئے۔ آپ نے شمائل النبی ابو عیسیٰ ترمذی اور حصن حصین کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا۔ ترجمہ کے افتتاح کی تاریخ ''ترجمہ شمائل نبی'' بغیر الف لام، اور ختم اختتام کی تاریخ جو ۱۰۹۶ھ میں ہوا۔ سید ضیاء اللہ بلگرامی نے اس قطعہ میں نظم کیا ہے۔

۱- چو سید فیض منطوق فضائل   مترجم ساخت از جہد کماہی

۲- سزد گر چرخ ذکر سعی خیرش   علم گرداند از مہ تا بہ ماہی

۳- بحمد للہ کہ شد ایں گنج معنیٰ   نصیب عہد عالمگیر شاہی

۴- زیمن صحبت سید مبارک   خدا کردش بایں دولت مباہی

۵- خرد تاریخ ترتیبش رقم زد   زہے گنجینۂ ''فیض الٰہی''

یعنی ۱- جب سید محمد فیض جو فضیلتوں کا اظہار یہ ہیں، انہوں نے اپنی پوری کوشش کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔

۲- اگر آسمان ان کی بہتر کوشش کے بیان کو پوری دنیا میں بلند کرے تو زیب دیتا ہے۔

۳- اللہ کی تعریف کے ساتھ یہ مراد کا خزانہ بادشاہ عالمگیر کے زمانے کو نصیب ہوا۔

۴- حضرت سید مبارک محدث کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دولت سے افتخار بخشا۔

۵- خرد نے اس کی ترتیب کی یہ تاریخ لکھی، الٰہی! فیض کا یہ خزانہ کتنا عمدہ ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ بلگرام کی زمینداری قبائل اربعہ محلّہ سید واڑہ سے متعلق ہے۔ سید محمد فیض نے اپنے زمانے میں اس منصب کو نہایت اہتمام سے انجام دیا اور دبدبہ وشوکت کا جھنڈا لہرایا۔ اتفاقاً خان عالم حاکم شہر سے ان کا جھگڑا ہو گیا،

۲۹ ررمضان ۱۱۰۳ھ میں جدال وقتال ہوا، خان عالم غالب آیا اور سید محمد فیض کے گھر کا تمام سرمایہ تاراج کر ڈالا اسی ہنگامے میں مذکورہ ترجمہ بھی غائب ہو گیا۔ سید محمد فیض نے اس کے تدارک پر کمر کسی اور بلگرام سے عالمگیر خلد مکان کے لشکر گاہ دکن کا قصد کیا، علامہ مرحوم میر عبدالجلیل بلگرامی نے پرانے تعلقات کی بنیاد پر اس سفر میں سید محمد فیض کا ساتھ دیا اور ایسے وقت میں جبکہ آشنا بھی بیگانے ہو جاتے ہیں۔ دوستی کے حقوق کو نبھایا۔ سید محمد فیض عالمگیری لشکر میں پہنچ کر ماجرا خلافت کے کانوں میں پہنچایا، اور خان عالم کو بلگرام کی حکومت سے معزول کرا دیا۔ اس کے بعد وطن لوٹے اور ترجمہ تلاش کیا، درمیان کتاب سے چند ٹکڑے ہاتھ آئے، پھر دوسری بار ترجمہ فرمایا اور ۱۲رذی الحجہ ۱۱۱۲ھ میں مکمل کرلیا۔ ختم ثانی کی تاریخ میں یہ فقرہ نکلا "قدتم بعون اللہ الاحد و رسولہ احمد" استاذ المحققین میر سید محمد طفیل نور اللہ مرقدہ سید محمد فیض کے مکان میں مدت تک مقیم رہے۔ موصوف نے کماحقہ خدمت کی۔

آپ کی وفات ۱۱۳۰ھ میں ہوئی۔ قبر مبارک بلگرام میں اس چبوترے پر ہے، جسے اپنی زندگی میں اپنے دفن کے لئے بنوایا تھا، عمر تقریباً ۶۰رسال ہوئی۔

۵۲-سید محمد باقر بلگرامی قدس سرہٗ

آپ سید محمد صغریٰ کی نسل میں سادات پچ بھیا ساکن محلہ میدان پورہ سے ہیں۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے: سید محمد باقر بن سید داور بخش بن سید ابوالفتح بن سید عبدالباقی بن سید کمال الدین بن سید حسین بن سید فضل اللہ۔ باقی نسب فصل اول بیان سید اجمل میں مذکور ہوا۔

سید محمد باقر فاضل جید اور صاحب طبع تھے، عربی لغت کے فن میں بے انتہا درک رکھتے تھے، اکتساب کمال سید فرید الدین معروف بہ سید بدلے بلگرامی

کی خدمت میں کیا۔ اس کے بعد سید العارفین میر سید لطف اللہ قدس سرہٗ کے حقیقی بھائی سید نور اللہ کی خدمت میں تلمذ کیا دونوں اساتذہ کا بلند ذکر پہلی فصل میں گزر چکا۔ آخر میں علامہٗ نامی میر عبد الجلیل بلگرامی کی صحبت سے فوائد کی تحصیل کی اور ہر فن میں کمال حاصل کر لیا، خط شیریں میں لکھنا سیکھا اور علامہ مرحوم کا طرز تحریر اختیار کیا۔

۱۱۳۱ھ میں سامان سفر خاکدان فانی سے ریاض جاودانی کی طرف باندھا۔ آپ کی عمر قریب ۶۰ رسال ہوئی۔ خواب گاہ بلگرام میں ہے۔

۵۳- سید عبد اللہ قدس سرہٗ

آپ سادات بلگرام ساکن محلّہ میدانپورہ میں سے ہیں۔ عربی فارسی اور ہندی کے علوم میں اچھی استعداد رکھتے تھے۔ فنون درسیہ میں قاضی علیم اللہ کچندوی کے شاگرد تھے، ہفت قلم کے خطوط لکھتے تھے۔ نیز سپہ گری کے فنون اسلحہ وآلات حرب کے استعمال اور اہل حرب کی اکثر صنعتوں سے واقف تھے۔ کاغذ کی کٹنگ سے پھولوں کو نادر ڈھنگ سے بناتے تھے، ہمیشہ صاحب اعتبار ہو کر زندگی بسر فرمائی۔ زیادہ تر اوقات نواب مبارز الملک سر بلند خاں کی رفاقت میں گزارے اور عدالت عسکری کی خدمت پر مامور ہوئے۔

شیخ قوام الدین احمد آبادی نے فقیر کو بتایا کہ جب سر بلند خاں تونی پہلی بار ۱۱۲۴ھ میں صوبہ احمد آباد کا ناظم ہوا تو سید عبد اللہ کو احمد آباد کا منصب صدارت تفویض کیا۔ سید صاحب نے وظیفہ خواروں اور تنخواہ داروں کے ساتھ بہترین سلوک کیا۔ غریبوں اور ضعیفوں کو بے شمار انعامات سے نوازا۔

سید صاحب کی قابلیت بلند تھی۔ شاہ اسد اللہ نے جو شاہ وجیہ اللہ علوی گجراتی قدس سرہٗ کے پوتے اور صاحب سجادہ تھے، شرح مواقف سید صاحب کی خدمت

میں پڑھی اور میں نے ''ہدایہ'' کی تحصیل کی نیز مولانا نورالدین اور سید صاحب کے مابین میل ملاپ کا واسطہ میں ہی بنا۔ مولانا کی خدمت میں میں نے عرض کی کہ محمد اعظم شاہ کی حکومت کے زمانے میں آپ نے فلاں فاضل کو ضیافت کی تقریب میں بلایا تھا اور علمی مباحثہ چھیڑ کر تعلقات میں رنجش پیدا کر لی تھی، اب ایسا نہ کریں۔ اسی مطلب کو سید صاحب کی خدمت میں بھی ظاہر کیا۔ سید صاحب نے کہا کہ کیوں اس طرح کی باتیں کرتے ہو علمی مباحثے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ یہ افادہ واستفادہ کا سبب ہے۔ سید صاحب مولانا کے گھر تشریف لائے اور علمی مباحثے چھڑ گئے۔ سید صاحب نے پوری لیاقت سے گفتگو کی، اس طرح کہ مولانا اور مجلس کے تمام طلبہ محظوظ ہوئے اور تحسین وآفریں کے لئے زبان کھولی۔

آخر کار انہیں دارالخلافہ شاہجہان آباد میں استسقا کی بیماری نے آلیا۔ اسی حالت میں بلگرام آئے اور تھوڑی ہی مدت میں جان جان آفریں کو سونپ دی، اور باغ محمود کے غربی جانب اپنے قبیلے والے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ آپ کا انتقال ۱۱۳۲ھ میں ہوا۔

نوٹ:- قاضی علیم اللہ کچندوی کا نام فصل اول میں چند جگہوں پر گزرا، اس فصل میں یہاں بھی سید عبداللہ کے تلمذ کے ضمن میں مذکور ہوا، چونکہ یہ فصل جماعت فضلا کی انجمن ہے اس لئے قلم قاضی صاحب کا تذکرہ لوگوں کے گوش گزار کرتا ہے۔

۵۴-قاضی علیم اللہ کچندوی قدس سرہٗ

کچندو کاف عربی، جیم فارسی (چ) پر فتحہ، اس کے بعد نون ساکن، دال مہملہ۔ دریائے گنگا کے کنارے بلگرام سے چار کوس (تقریباً ۱۳ کلومیٹر) پر ایک قصبہ ہے۔

قاضی صاحب اخی جمشید راجگیری کی اولاد سے ہیں اور اس دیار کے مشہور

علماء میں ہیں۔ایک زمانے تک قاضی حبیب اللہ سنڈیلوی کے پاس پڑھتے رہے، اس کے بعد فراغت ملاّ لطف اللہ کوڑوی کی خدمت میں حاصل کی، پھر کچندوی میں موروثی مسند قضا پر متمکن ہوئے اور طلبہ کو تعلیم دیتے رہے، چند دنوں بعد عہدۂ قضا سے اعتزال عمل میں آیا۔قاضی صاحب نے دکن جا کر خلد مکان کی ملازمت کر لی۔ چونکہ سادہ لباس اور تمام فنون عصر میں ماہر تھے، نیز اوصاف واخلاق میں صحابہ کرام کی یادتازہ کرتے تھے ،لہٰذا بادشاہ کو آپ سے کافی عقیدت ہوگئی۔ منصب قضا بدستور سابق مرحمت فرمایا، نیز ایک گاؤں مضافات بانگرمئو سے بطور مدد معاش اور چلتے وقت ۱۰۰ روپئے دکن میں چلنے والے سکّے نذر کئے۔قاضی صاحب وطن لوٹ آئے اور زندگی کے آخری ایام علوم ربانیہ کے افادے میں صرف کئے۔

۱۱۱۵ھ میں روحانیوں سے جا ملے۔آپ کی نعش کچندوی سے راجگیر لے جا کر اخی جمشید قدس سرہٗ کے مرقد منور کے جوار میں دفن کی گئی۔

مولوی لطف اللہ کے فضائل

رہے قاضی علیم اللہ کے استاذ مولوی لطف اللہ کا کوروی تو وہ بہترین علمائے زمانہ سے تھے۔ بہت سے دانشوروں نے آپ کی درسگاہ سے نشو ونما پائی، انہیں میں مولوی علی اصغر قنوجی نور اللہ ضریحہ بن شیخ عبد الصمد بھی ہیں جو عالم سر بلند اور عامل کامل تھے ،آپ کا نسب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے، آپ کے اجداد زمانے کی گردش سے مدینہ منورہ علی صاحب الصلوٰۃ والتحیہ سے کرمان آئے اور وہاں سکونت اختیار فرمائی۔آپ کے اسلاف میں مولانا عماد الدین کرمانی صاحب فتاویٰ عمادیہ ہیں ،مولانا عماد الدین کے فرزند شیخ مبارک کرمان سے ہندوستان آئے اور شہر قنوج میں اقامت اختیار فرمائی۔اسی وقت سے آپ کے پس ماندگان اس شہر فاخرہ میں سکونت رکھتے ہیں۔

مولوی علی اصغر کے حالات

مولوی علی اصغر کو سن شباب میں علم کا شوق پیدا ہوا۔ مختصرات و متوسطات مختلف جگہوں سے تحصیل کی اور مطوالات مولوی لطف اللہ کاکوروی سے حاصل کی۔ شیخ احمد ملاجیون امیٹھوی کہ جن کا ذکر گزر چکا، اور مولوی علی اصغر دونوں نے ساتھ ساتھ مولوی لطف اللہ کے پاس فاتحہ فراغت پڑھی اس کے بعد مولوی علی اصغر لکھنؤ چلے گئے، اور شیخ پیر محمد لکھنوی قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے، چلّے کئے، پھر ارشاد کی اجازت لے کر قنوج واپس آگئے اور تادم واپسی گوشہ نشینی میں پاؤں جمائے ۶۰ رسال تک درس دیتے رہے، خلقت کثیر نے آپ کے حلقۂ درس سے فضیلت کا کمال حاصل کیا۔ آخر عمر میں کلام اللہ کی ایک تفسیر مسمّیٰ بہ ثواقب التنزیل لکھی۔ فقیر نے مولوی صاحب کی دو تین صحبتیں پائی ہیں۔ ذات مقدس و معلّیٰ تھی۔

وصال و مزار

۱۱۴۰ھ میں دارالبقاء کی طرف روانہ ہوئے۔ اپنی مسجد کے سامنے سائبان کے نیچے مدفون ہوئے۔ راقم الحروف نے یہ مصرعہ تاریخ پایا -ع ''شد نہاں آفتاب صبح علوم'' ۱۱۴۰ھ یعنی علوم کا سورج ڈوب گیا۔

۵۵-میر عبدالہادی قدس سرہٗ

میر عبدالہادی بن میر عبدالواحد اصغر بن میر سید طیب بن میر عبدالواحد بلگرامی قدس اللہ اسرارہم۔ سید عالی ظرف اور بلند دانشور ہیں۔ معقول و منقول کے جامع فروع واصول کے لوح محفوظ ہیں، آپ کا حسن سیرت انک لعلی خلق عظیم کی تفسیر ہے اور حسن صورت ماھذا بشر ان ھذا الاملک کریم کی توضیح ہے۔

آپ نے شعور کے آغاز میں انسانی کمالات اکٹھا کرنے کی غرض سے کمر

کسی، اور ابتدائی کتب میر سید محمد اسمٰعیل بلگرامی کے پاس پڑھی۔ میر صاحب کے انتقال کے بعد خود کو مولوی سید قطب الدین شمس آبادی کے حلقۂ درس میں پہنچایا، متوسطات کی کتابیں مولوی صاحب کی خدمت میں پڑھیں، وہاں سے پھر ملاّ قطب الدین شہید سہالوی کے حلقۂ درس میں پہنچ کر بقیہ کتابوں کی تکمیل کی اور فاتحہ فراغ پڑھی۔ حضرت ملاّ کے تلامذہ میں امتیاز کا پرچم لہرایا، پھر وطن اصلی لوٹ آئے اور تدریس میں مصروف ہوئے۔ اکثر طلبائے زمانہ نے جناب سید سے اکتساب کمال کیا اور مولویت کی سند حاصل کی۔ چند دنوں کے بعد گردش فلکی کی وجہ سے خلد مکان کے لشکرگاہ کی طرف چل پڑے۔ ایک عہدہ اور صوبہ الہ آباد نیز موضع نید کی صوبہ مذکور کی بعض خدمات حاصل کرکے امتیازی شان پائی۔

بعد میں ان سب سے ہاتھ اٹھا کر وطن مالوف چلے آئے اور مرکزیت کا قدم بچھا کر اپنا حلقۂ درس سجایا اور بقیہ عمر تدریس علوم اور اہل کمال کی صحبت خوش باش رہے۔ ۲۰؍ربیع الاول ۱۱۳۳ھ میں عالم قدس میں جا بسے۔

۵۶- شیخ جمال اللہ قدس سرہٗ

آپ بلگرام کے شیوخ فرشوری ساکن محلہ میدانپورہ اور قاضی الہداد کی اولاد سے ہیں۔ جن کا بیان اوپر گزرا۔ آپ مردِ دردمند، بہت خلیق و متواضع تھے۔ فضیلت سے کافی بہرہ رکھتے تھے، ہمیشہ کتاب کے مطالعے اور طلبہ کی تعلیم میں مشغول رہتے۔

ایک روز ایک صحبت میں فقیر سے فرمایا کہ نہر الفائق اور دوسری کتب فقہ میں نماز کی امامت کے بیان میں لکھتے ہیں "المتیمم عن الجنابۃ اولیٰ بالامامۃ من المتیمم عن الحدث" اگرچہ قول مجتہد ہمارے لئے سند ہے اور سبب بھی رکھتا ہے، مگر دل چاہتا ہے کہ علم بالوجہ حاصل ہو۔ میں نے کہا کہ اسی

وقت ایک توجیہ دل میں آئی ہے کہ تیمم جنب بمنزلہ غسل ہے اور تیمم محدث بہ منزلہ وضو۔ طہارت کبریٰ والا امامت کا زیادہ حقدار ہے طہارت صغریٰ والے سے، کیوں کہ یہ احتمال موجود ہے کہ جنب و محدث دونوں کو اس سے پہلے جنابت بغیر ان کے شعور کے لاحق ہوئی ہو۔ پس طہارت کبریٰ والا سابق و حال کے نجاست حکمیہ سے پاک ہو گیا اور شبہ اس کے اندر سے اٹھ گیا اور طہارت صغریٰ والا اس احتمال سے خالی نہیں ہے مگر اس صورت میں جبکہ مغتسل جنابت اور متوضی حدث جمع ہوں تو نجاست حقیقیہ کا احتمال بھی مغتسل سے اٹھ جائے گا۔

آپ آخری عمر میں گجرات احمد آباد چلے گئے تھے اور شہر بڑودہ میں جو گجرات سے چالیس کوس پر ہے بیمار ہو گئے، ۱۱۳۷ھ میں سفر آخرت فرمائی، اور وہیں مدفون ہوئے عمر آپ کی لگ بھگ ۵۵ رسال ہوئی۔

۵۷- میر احمد قدس سرہٗ

میر احمد بن سید عبد اللہ بن سید محمود اصغر بلگرامی قدس سرہٗ، میر صاحب کے والد دراصل سید عبد اللطیف برادر حقیقی سید عبد اللہ ہیں مگر چونکہ سید عبد اللہ کے کوئی لڑکا نہ تھا، اس لئے میر احمد کو اپنی فرزندی میں لے لیا تھا اور انہوں نے بھی اپنا نفس نگیں احمد بن عبد اللہ بنا لیا تھا، اس لئے اسی نسبت سے بین الجمہور شہرت رکھتے ہیں۔ فضائل و خصائل کی خوبیوں کے مالک تھے، اہل زمانہ کے مابین وجاہت کی زیادتی و عمدگی میں ممتاز تھے۔ آپ کے بھائی سید معین الدین کا ذکر سید جان محمد کے بیان کے ضمن میں اس کے بعد آئے گا۔

سید احمد کو عرف میں ''مدا'' اور سید معین الدین کو ''موناں'' کہا جاتا تھا۔ چونکہ دونوں بھائی تمام عمر ثروت اور دلجمعی کے ساتھ بسر کرتے رہے، اس لئے اہل شہر میں ضرب المثل بن گئے تھے کہ ''مدا موناں سدا سوناں'' سید احمد خط نستعلیق

اور خط شکستہ نہایت عمدہ اور سرعت سے لکھتے تھے۔آپ کا طریقہ یہ تھا کہ ہر روز بلا ناغہ صبح کی نماز ادا کر کے دو ورق کتابت کرتے ،اس التزام سے بہت سی کتابیں آپ کے قلم جواہر رقم سے مرقوم ہوئیں اور آج بھی موجود ہیں۔میر صاحب سخی اور بینظیر بہادر تھے۔نواب مکرم خاں بن نواب شیخ میر عالمگیری کی طرف سے موضع ''پھاسو'' پھر موضع ''داستہ'' وغیرہ توابع دہلی کی حکومت میں مصروف رہے اور دیانت کا ڈنکا بجاتے رہے۔حکومت میں مشغول رہنے کے باوجود اوقات گرامی عبادت الٰہی سے معمور رکھتے تھے۔۴ر جمادی الاولیٰ ۱۰۹۶ھ میں ریاض فردوس چلے گئے۔

آپ کا انتقال مراد آباد شہر میں جو شہر سنبھل کے قریب ہے، واقع ہوا۔اپنے بھائی سید معین الدین کو وصیت کی تھی کہ ان کی نعش وطن پہنچادی جائے۔آپ کا جسد مبارک پہلے مراد آباد میں بطور امانت سپرد خاک کیا گیا پھر ۶ر ماہ بعد بلگرام میں لاکر باغ محمود میں دفن کیا گیا، کاتب الحروف نے آیۃ کریمہ "وتحیتھم فیھا سلام" سے تاریخ نکالی ہے۔

میر صاحب نے اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں مطابق ۱۰۹۲ھ باغ محمود کے کنارے ایک کنواں کھدوایا جو کوثر سے ہم چشمی کرتا ہے۔اسی وقت سے تمام محلہ میدانپورہ اور اردگرد کے بسنے والے پانی اسی کنویں سے پیتے ہیں۔مولف کتاب نے اس کی تاریخ اس قطعہ میں ضبط کی ہے۔

۱- محیط جود واحساں میر احمد ۔۔۔ کہ فیضش در جہاں گردید ساری
۲- عمارت کرد چاہ خیر بنیاد ۔۔۔ کہ دارد تا قیامت استواری
۳- ز آب حوض کوثر جام سرشار ۔۔۔ جزائے ایں عمل باید زیاری
۴- بکام تشنگاں تاریخ سالش ۔۔۔ رقم کردم ''زلال خیر جاری''

۱۰۹۲ھ

یعنی ۱-بخشش اور احسان کے سمندر میر احمد، جن کا فیض دنیا میں جاری ہوا۔
۲-اچھی بنیاد والا ایک کنواں بنایا، جو قیامت تک صحیح حالت پر رہے گا۔
۳-حوض کوثر کے پانی سے سرشار جام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کام کا بدلہ ہوگا۔
۴-پیاسوں کی مقصد برآری کے ساتھ اس کے سال کی یہ تاریخ میں نے لکھی زلال خیر جاری (ہمیشہ بھلائی جاری رکھنے والا میٹھا پانی ہے)

میر صاحب سید ضیاء اللہ مرقوم الصدر کے دوست ہیں۔آپ کے بیان کا مقام مقدم تھا مگر آپ کے ذکر کو علامہ مرحوم میر عبدالجلیل کے تذکرے سے متصل رکھنے کے لئے اس جگہ لکھا گیا ہے۔یہ پہلے گزر چکا کہ میر احمد و سید ضیاء اللہ آپس میں روحانی تعلقات رکھتے تھے۔اس مقام پر جانبین کے خطوں میں سے دو خط پیش کرتا ہوں۔

سید ضیاء اللہ کا خط میر احمد کے نام

"در خرمن کائنات کردیم نگاه ☆ یک دانہ محبت است و باقی همہ کاه

سبحان اللہ! زہے آں یک دانہ در جب قیمت آں گوہر یک دانہ کم از دانۂ خشخاش است۔ابوت نبوت پناہ آدم صفی اللہ علیہ السلام در طلب ایں دانہ از فقدان نعمت بہشت نیندیشید و ہر تعبے و شدتے کہ فرا پیش آمد بہ اختیار بر کشید۔ یعقوب علیہ السلام از شوق ایں دانہ بہ حدے دانہائے اشک ریخت کہ وابیضت عیناه من الحزن مفسر آں شد، صدر نشین محفل رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بعد از آنے کہ استغنا بہ آں دانہ بہم رساند چنداں غنا حاصل کرد کہ ہر چند کوہہائے مکہ را طلا ساختہ بحضرت حضور پیدا آوردند بگوشۂ چشم نہ گریست۔ورفعنا لك ذكرك مبین ایں ہمت است بالجملۂ ہیچ متنفسے دریں عالم نیست و نبوده و نخواہد بود کہ اثرے ازیں خیال از سر نداشتہ باشد مجنوں بیچارہ سرگشتہ ہمیں طلب از جہاں رفت فرہاد مسکین نیز دریں ذوق جاں داد، زلیخا بہ قوت ہمیں دانہ پسر را از کنار پدر جدا

ساخت۔ وائے بردانائے کہ از طلب ایں دانہ ناداں نہ گزشت، آمدیم برسر مدعا۔
بندہ ہر چند بامذاق طیبۂ محباں وحوصلۂ ایشاں آشنائے ندارد لیکن بہر حال یک گونہ
لذت سماع پیدا کرد کہ باستناد آں می زید واز اینجا است کہ خود را خاک پائے اہل
محبت می شناسد اما ہیچ معلوم نشد کہ آں عزیز دانۂ خود را کہ مقسوم ازل است مگر پیش
طائرے انداختند کہ چیدہ پرواز کرد یا براتب توسن سفر برآمیختند کہ بہ گلو فرو کشید۔
کیفیت بے توجہی رانوعے کہ واقعی است پیدا برنگارند کہ رافع خدشات باطن گرد،
بر تقدیرے کہ مخلص را از رعایت حقوق دوستانہ مقصر دانستہ عوض نمودہ باشند، جائے
آں دارد۔ اما چوں عوض بدی بہ بدی در مذہب دوستی نامحمود است بایستے کہ نظر بر
تقاعد وتکاسل ایں طرف نیند اختند۔ بہ ادائے احسان از خود می شدند و بہ ابنائے
احوال بہمت اشتمال مرہون منت می ساختند مگر عہودحمی وحقوق صبا از یاد رفت۔

اے عجب آں عہد وآں سوگند کو☆ وعدہائے آں لبے چوں قند کو
گر فراق بندہ از بد بندگی است☆ چوں تو باید بدکنی لیں فرق چیست"

ترجمہ

دنیا کے کھلیان میں ہم نے دیکھا محبت کے ایک دانے کے سوا تمام گھاس ہے۔
سبحان اللہ! وہ ایک دانہ کیا ہی اچھا ہے کہ اس ایک دانہ موتی کی قیمت کے
پہلو میں جو خشخاش کے دانے سے کم ہے، ابوت ونبوت پناہ آدم صفی اللہ علیہ السلام
نے اس دانے کی طلب میں بہشت کی نعمتوں کے چھوٹ جانے کا خیال نہیں فرمایا
اور جو مشقت اور سختی پیش آئی اسے قبول فرمایا، اسی دانے کے شوق سے حضرت
یعقوب علیہ السلام نے اس حد تک آنسو کے دانے بہائے کہ اس کی تفسیر
وابیضت عیناہ من الحزن سے بیان کی گئی، محفل رسالت کے صدر نشیں
حضور ﷺ نے باوجودیکہ اس دانے سے بے فکری ظاہر فرمائی، اور اس قدر بیزار
ہوئے کہ ہر چند مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرنے کی

درخواست کی لیکن آپ نے اس کو کنکیوں تک سے نہیں دیکھا، آپ کی اس عالی ہمتی کا بیان قرآن پاک نے ورفعنا لك ذكرك سے بیان فرمایا، بالجملہ یہ کہ اس دنیا میں کوئی جاندار نہیں ہے، نہ ہوا اور نہ ہوگا کہ اس دانے کے خیال کا کوئی اثر دماغ میں نہ رکھتا ہو، بیچارہ مجنوں اسی طلب میں پریشان دنیا سے گیا، فرہاد مسکین نے بھی اسی ذوق میں جان دی، زلیخا نے اسی دانے کی قوت سے لڑکے کو باپ کی بغل سے جدا کیا، افسوس! اس عقلمند پر جو اس دانے کی طلب سے ناداں نہ رہا۔

اب میں اصل مقصد پر آیا، ہر چند دوستوں کے مذاق طیبہ اور ان کے حوصلے سے آشنا نہیں، لیکن بہر حال ایک قسم کی لذت سماع پیدا کر لی کہ اس کے سہارے زندگی گذار رہا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اپنے آپ کو اہل محبت کے پیروں کی مٹی تصور کرتا ہے، لیکن یہ بات معلوم نہ ہوسکی کہ آنجناب نے اس دانے کو جو ازل سے قسمت میں لکھا تھا، کسی پرندے کے سامنے ڈال دیا جو اسے کھا کر اڑ گیا یا سفری گھوڑے کی خوراک میں شامل کر دیا جو حلق سے نیچے اتار گیا۔ بے توجہی کی کیفیت کو واقعی انداز میں بیان فرمائیں جس سے باطن کے سارے خدشات دور ہو جائیں۔ اس صورت حال کی بنا پر کہ مخلص کو دوستانہ حقوق کی سزاواری میں کوتاہ جان کر اس کا بدلہ دیا ہو، جس کا وہ اہل ہے تو گذارش ہے کہ برائی کا بدلہ برائی سے دینا دوستی کے مذہب میں نا قابل تعریف ہے۔ مناسب ہے کہ اس سستی و کاہلی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی جانب سے احسان کی ادائیگی میں مشغول ہوں اور حالات کی اطلاع ہمت کے ساتھ دے کر احسان کا گرویدہ بنائیں، شاید گزرے زمانے کی شادابی اور بچپن کے حقوق آپ نے فراموش کر دیئے۔

یہ بات قابل تعجب ہے کہ وہ وعدے اور وہ قسمیں جو ان ہونٹوں سے کئے گئے تھے جو قند کی مانند ہیں، فراموش ہو گئے۔

اگر بندے سے علیحدگی بندگی میں کمی کی وجہ سے ہے تو جب تم برے کے

ساتھ برائی کر رہے ہو تو پھر فرق کیا ہے؟

سید ضیاء اللہ کو میر احمد کا جواب

''نامۂ عنبریں شمامہ مشام یگانگی را عطر آمود ساخت و خاطر پراگندہ را بہ جمعیت فراہم آورد۔ ملازماً گرانباری کوہہائے محبت بہ حکم انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض معلوم است کہ ہیاکل افلاک باچناں رفعت وسائر مکونات باآنہمہ عظمت در تحمل ایں بار چہ پیچ وتاب خوردند و پشت خم گشتہ سر انکار باز زدند و سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم بچہ آسانی برگرفت و اولیائے امت قدس اللہ اسرارہم بہ طفیل متابعت آں راز دانہ خشخاش ہم کمتر انگاشتند و بدوش نیز برگرفتہ نعرۂ ھل من مزید زدند لکن ما حیوان صفتان ازاں دانہ ہمیں دانہ پنداشتیم کہ ثمرۂ اش سہو و نسیان و برگش غفلت و عطلت است الحمد للہ والمنہ کہ فریاد انا ظلمنا عذر خواہ است و اشک ندامت شویندۂ داغ گناہ۔

بغیر از عذر تقصیر اندریں راہ ☆ ندارد چارۂ بیچارہ درویش

بارے باستمداد ہمت عزیزاں و برکت انفاس ایشاں امید ہست کہ پردۂ غفلت و نسیان از پیش ایں خیر اندیش برانداختہ شود و ذرۂ از عالم محبت نصیب گردد۔

کوتاہ کنم سخن کزیں پس ☆ وصل است جواب نامہ وبس''

ترجمہ

عنبریں خوشبو والے خط نے یکتائی کے دماغ کو معطر بنایا اور دل کی پریشانی کو دل جمعی عطا۔ کی محبت کے پہاڑوں کی گراں باری انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت والارض کے حکم سے معلوم ہے کہ آسمان کی بلندیاں باوجود اتنی رفعت اور ساری مخلوقات باوجود ساری عظمت کے اس بوجھ کے اٹھانے میں پیچ وتاب کھا گئی اور کمر جھکا کر انکار کر دیا مگر سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے کس آسانی سے اٹھالیا اور آپ کی محبت کی تابعداری کے طفیل میں اولیائے امت اس خشخاص کے

دانے سے بھی بہت کم خیال کرتے ہیں اور نیاز کے کاندھوں پر اٹھا کر ھل من مزید کا نعرہ لگاتے ہیں لیکن ہم حیوان صفتوں نے اس دانے کو وہ دانہ سمجھا جس کا پھل سہو ونسیان ہے اور جس کے پتے غفلت اور بیکاری ہیں، الحمدلله والمنه انا ظلمنا کی فریاد خطاؤں کی معذرت چاہنے والی اور شرمندگی کے آنسو گناہوں کے داغ دھونے والے ہیں۔

اس راستے میں اپنے گناہوں کی معذرت کے بغیر، بیچارے درویش کے پاس کوئی چارہ نہیں۔

مگر عزیزوں کی ہمت کے سہارے اور ان کی شخصیات کی برکت کے طفیل امید ہے کہ نہ غفلت ونسیان پر وہ اس خیر اندیش کے سامنے اٹھایا جائے اور عالم محبت کا ایک ذرّہ عطا فرمایا جائے۔

میں اپنی بات مختصر کر رہا ہوں اسی سے خط کا جواب متصل ہے، اور بس۔

۵۸-میر عبدالجلیل نور اللہ ضریحہٗ

تعارف واوصاف

آپ میر احمد مذکور کے صاحبزادہ ہیں۔ آپ جمہور کی متفقہ رائے کے مطابق خاص متقیوں اور بزرگ عالی مرتبت علما میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ تزکیۂ قلب و تصفیۂ باطن، تقدس ذات وعمدہ صفات میں یگانۂ روزگار تھے ہمیشہ دل سلطان حقیقی کی یاد میں لگائے رہتے اور سلطان مجازی کی خدمت میں کمربستہ رہتے۔

مرد حق درعین دنیاداری از دنیا بری ست
ملک دردست سلیمان نیست در انگشتری ست

اللہ والا انسان پوری دنیا میں مصروفیت کے باوجود دنیا سے علیحدہ ہے، بادشاہت حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ میں نہیں ہے، انگوٹھی میں ہے۔

خواب اور بیعت

آپ کی بڑی فضیلت یہ ہے کہ اپنے بیدار مقدر کی برکت سے شاہ ولایت (علی مرتضیٰ) کرم اللہ وجہہٗ کو خواب میں دیکھتے ہیں اور دست بیعت دیتے ہیں، آپ اس عطیۂ کبریٰ کے شکریہ کی ادائیگی میں ایک قصیدہ گنگناتے ہیں۔

۱- دیں پناہا تفضّل آگاہا — دل پاک تو شمع عرفاں است
۲- کردہ ام بیعت تو در رؤیا — ایں سعادت ز فضل رحمٰن است
۳- دستم آخر گرفتۂ بہ کرم — می شناسم کہ ایں چہ احسان است
۴- من و ایں رتبہ از کجا لیکن — مور پروردۂ سلیمان است

یعنی ۱-اے دین کو پناہ دینے والے، اے فضائل سے باخبر آپ کا پاک دل معرفت کی شمع ہے۔
۲-میں نے خواب میں آپ کی بیعت کی، یہ سعادت اللہ کے فضل سے ہے۔
۳-آپ نے اپنے کرم سے میرا ہاتھ پکڑا، میں پہچانتا ہوں کہ یہ کتنا بڑا احسان ہے۔
۴-کہاں میں اور کہاں یہ مرتبہ لیکن چیونٹی سلیمان علیہ السلام کی پروردہ ہے۔

آپ عالم بیداری میں سید یٰسین حموی صاحب سجادہ غوث صمدانی شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اویسی رابطہ رکھتے تھے اور غائبانہ بیعت حاصل کی تھی۔ آپ نے ابتدائی کتابیں استاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی قدس سرہٗ کی مشارکت میں میر سید سعد اللہ بلگرامی کی خدمت میں پڑھیں، اس کے بعد پورب کے قصبات میں گھومتے رہے، کتب متوسطات مختلف مقاموں سے تحصیل کیں، آخر میں شیخ غلام نقشبند لکھنوی کے حلقۂ درس میں سر رشتۂ تعلیم کو انتہا تک پہنچایا۔ علم حدیث قطب المحدثین میر سید مبارک بلگرامی علیہ الرحمہ سے پڑھی اور تمام علوم عقلیہ ونقلیہ خصوصاً حدیث، تفسیر، فقہ ولغت، فنون عربیت، تاریخ، موسیقی وغیرہ میں عظیم کمال حاصل کیا۔ حافظہ شریف اس

ضبط کا تھا کہ قاموس اللغۃ اوّل تا آخر یاد تھی۔ احادیث نبوی، اسماء الرجال، اشعار وامثال، اخبار وتاریخ کے فنون اس قدر مستحضر تھے کہ فکر کا محاسب اس کی بلندی تک قدم نہیں پہنچا سکتا۔ زمانے کی نگاہوں نے اس جامعیت کے صاحب کمال بہت کم ہی دیکھے ہوں گے۔ بلگرام کا نام وجود فائض الجود کی برکتوں سے شہرہ آفاق ہوگیا۔ آپ کی ملاقات سید علی معصوم مدنی مصنف ''سلافۃ العصر'' سے اورنگ آباد دکن میں ہوئی۔ سید علی کہتے تھے کہ میں نے اپنی عمر میں میر عبدالجلیل جیسا جامع العلوم نہیں دیکھا۔ سید علی معصوم کا ذکر دفتر ثانی (سرو آزاد) میں مذکور ہوگا۔ شیخ غلام نقشبند قدس سرہٗ ہمیشہ تعریف وتوصیف کر تے رہتے۔ شیخ غلام نقشبند نے ایک تاریخی دائرہ اپنے نتیجہ وفکر سے (کھینچ کر) علامہ مرحوم کو بھیجا اور دائرے کی وضع کا طریقہ نہیں لکھا، آپ نے قوت فکر یہ کی مدد سے دائرہ کی حقیقت معلوم کر کے دوسرا دائرہ نہایت باریکی سے خود بنا کر شیخ کی بارگاہ میں بھیجا۔ حضرت شیخ نے خط خاص سے ایک مکتوب تحریر فرمایا جس کا متن یہ ہے:

''میروالا مدارج انسانی مجمع فیوضات ربّانی سلامت، گرامی نامۂ خلت شمامہ مشتمل بر رسیدن بلگرام وتفویض خدمت بخشی گری ووقائع نگاری گجرات رسید، مسرت فراواں بخشید، الحمدللہ کہ بروفق خواہش دوستاں با جمعیت ایں طرف تشریف آوردند فقیر را مخلص صمیم دانستہ از یاد ودعا غافل ندانند حق سبحانہٗ ہمیشہ در ترقی جمعیت نشأتین دارد، دیگر رسالہ اعجاز طراز ودائرہ رسید، زبان از مدحت آں قاصر است حقا کہ ذات سامی آیات دریں زمانہ بے عدیل است۔ اللہ تعالیٰ ایں افادہ مستدام دارد۔ زہے فطرت صائب وذہن ثاقب کہ سرش معلوم نمودہ دائرہ از خود وضع نمودند غرض کہ کمال سامی از تحریر بیروں است۔ دیگر از اشتیاق گرامی صحبت چہ برگذرد اللہ تعالیٰ بوجہ احسن میسر آرد، والسلام'' انتہی۔

ترجمہ

بلند رتبہ اور فیوض ربانی کے مجمع میر صاحب! سلامت، آپ کا گرامی نامہ خوشبو گلدستہ گجرات کی وقائع نگاری اور بخشی گری کی خدمت کی سپردگی اور بلگرام پہنچنے کی اطلاع پر مشتمل موصول ہوا۔ جس نے بہت زیادہ خوشی بخشی الحمدللہ! دوستوں کی خواہش کے مطابق اطمینان کے ساتھ یہاں تشریف لائیں۔ فقیر کو دل کی گہرائی سے مخلص جان کر یاد اور دعا سے غافل نہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ سبحانہ ہمیشہ آپ کو دنیا و آخرت کی ترقی سے نوازے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کا اعجاز نما خط دائرہ پہنچا، زبان اس کی تعریف سے عاجز ہے۔ یہ بات سچ ہے کہ بلند نشانیوں والی آپ کی ذات اس زمانہ میں بے مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ اس افادہ کو ہمیشہ قائم رکھے، آپ کی اچھی درست فطرت اور روشن ذہن کتنا عمدہ ہے جس نے دائرے کا بھید معلوم کر کے از خود دوسرا دائرہ وضع فرمایا۔ غرض کہ آپ کی بلندیوں کی انتہا تحریر سے باہر ہے اور بزرگ صحبت کے اشتیاق سے کیا عرض کروں۔ اللہ تعالیٰ بہتر طریقے سے ملاقات میسّر فرمائے والسلام۔

دائرے مذکورہ ہی کے طرز پر محرر سطور (آزاد) نے بھی علامہ مرحوم کے وصال کی تاریخ کے ایک دائرے کی طرح بنائی جو دوسری جلد میں ہے۔

آپ عنایات سرمدی کی وجہ سے دونوں جہان کی دولتوں سے مالا مال اور آئینہ فیض پیرایہ و اٰتینٰہ فی الدنیا حسنۃ وانہٗ فی الاٰخرۃ لمن الصٰلحین، کے مطابق ظاہری و باطنی خوبیوں کے مالک تھے۔ ابتدائے حال میں استاذ المحققین میر طفیل محمد علیہ الرحمہ کے ساتھ تحصیل علم کے ارادے سے دارالخلافہ آگرہ کا قصد کیا اور نواب فضائل خاں سے جو خلد مکاں کے میر منشی تھے، اور ان دنوں بادشاہ کی نوکری سے تھک کر اسی شہر میں گوشہ نشین ہو گئے تھے، ملاقات کی اور ان کی اعانت سے چند ایام تک وہاں رہے، یہاں تک کہ جب شاہ

حسین خلد مکاں (عالمگیر) کے دربار سے سرکار لکھنؤ کی دیوانی پر مامور ہو کر دکن سے اکبر آباد پہنچے تو آپ بھی شاہ حسین خاں کی رفاقت میں اکبر آباد سے لکھنؤ آ گئے اور پانچ سال تک وہاں رہے اور خان مذکور کی کافی عنایتیں مشاہدہ کیں۔ ظاہری ترقی کی ابتدا یہیں سے ہوئی، نیز شیخ غلام نقشبند لکھنوی کی خدمت میں انہیں دنوں تلمذ کا شرف پایا۔ جب شاہ حسین خاں لکھنؤ کی دیوانی سے معزول ہو کر صوبہ پٹنہ کی دیوانی پر مامور ہوئے تو ان کی رفاقت میں شہر پٹنہ تشریف لے گئے۔ تھوڑا عرصہ اس علاقے میں اطمینان سے رہے پھر ایک تقریب میں بلگرام آنے کا اتفاق ہوا۔ انہیں دنوں سید محمد فیض زمیندار بلگرام اور خان عالم کے مابین والے حادثے کی وجہ سے، جیسا کہ ان کے بیان میں گزرا، بارگاہ خلد مکاں (عالمگیر) کا ارادہ کر کے دکن چلے گئے، علامہ مرحوم اس تعلق کی وجہ سے جو انہیں سید محمد فیض کے ساتھ تھا، رفیق سفر ہو گئے اور ان کے ساتھ عالمگیر کے لشکر میں پہنچے۔ آپ کی ملاقات ناصر علی کے ساتھ اورنگ آباد میں اسی سفر میں ہوئی، تھوڑے ہی عرصہ بعد پھر بلگرام لوٹنا ہوا۔ انہیں دنوں خبر پہونچی کہ شاہ حسین خان کا بنگال کے دارالسلطنت مرشد آباد میں انتقال ہو گیا۔ آپ ان کی تاریخ وصال میں فرماتے ہیں ؎

۱- خان خورشید نسب شاہ حسین	ذات او مظہر آیات جلی
۲- آں امیرے کہ در انواع شکوہ	داشتہ مرتبۂ بے بدلی
۳- گوہر فکر وزیران جہاں	پہلوئے رائے منیرش عملی
۴- در ہزار و صد و ہشت از ہجرت	کرد نہضت بہ ریاض ازلی
۵- سال تاریخ خرد گفت چنیں	"باد حشرش بہ حسین ابن علی"

۱۱۰۸ھ

یعنی ۱- خورشید نسب شاہ حسین جن کی ذات کھلی ہوئی نشانیوں کی مظہر ہے۔

۲- وہ امیر کہ دبدبہ کے اقسام میں بے مثالی کا درجہ رکھتے ہیں۔

۳-دنیا کے وزیروں کی فکر کے موتی اس کی روشن رائے کا عملی پہلو ہیں۔
۴-ایک ہزار ایک سو آٹھ ہجری میں وہ ازل کے باغات کی طرف چلے گئے۔
۵-خرد نے ان کے انتقال کے سال کو اس طرح کہا ان کا حشر حسین بن علی کے ساتھ ہوگا۔

میر محمد رضا کا بلگرام میں قیام

شاہ حسین خاں کی وفات کے بعد ان کے فرزند میر محمد رضا ہمزلف شاہزادہ عظیم الشان بن شاہ عالم نے بنگالہ سے خلد مکان (عالمگیر) کے دربار کا قصد کیا اور بلگرام میں وارد ہوئے۔ علامہ مرحوم کے دیوانخانے میں چند روز آرام کیا پھر وہ اور علامہ مرحوم ساتھ ساتھ ۱۱۱۱ھ میں دکن کو روانہ ہوئے۔ مرحلے، منزلیں طے کرتے ہوئے اسلام پور توابع بیجاپور میں عالمگیری خیمے میں پہنچ گئے۔ ایک روز علامہ مرحوم مرزا یار علی بیگ سوانح نگار دربار معلیٰ کی مجلس میں وارد ہوئے۔ مرزا کی عادت تھی کہ ہمیشہ کتاب قاموس کی تصحیح ومقابلہ کرتے اور اوقات اسی میں مصروف رکھتے۔ آپ نے قاموس کے چند اشکالات مستعدان محفل پر پیش کئے مگر کسی کا ناخن اندیشہ اس کی گرہ کشائی نہ کرسکا۔ آخر آپ نے خود ہی حل مقامات کا افادہ کیا اور حاضرین نے تعریف میں لب کشائی کی، مرزا یار علی بیگ لوازم قدر شناسی کما حقہٗ بجالائے، اور آپ کے ظاہری وباطنی کمالات کا تذکرہ کر کے بادشاہ کے دل کو متوجہ کیا، بادشاہ نے مناسب عہدہ اور بلگرام کے قریب ''سائی پور'' کی چند جگہیں جاگیر میں نیز بخشی گری ووقائع نگاری گجرات شاہ دولہ دے کر امتیاز کا درجہ عطا کیا، آپ نے خدمت کی تاریخ یوں انشا کی ہے۔

۱- مرا از جناب خلافت عطا شد — زروئے کرم خدمت عیش افزا
۲- خرد گفت تاریخ تفویض خدمت — وقایع نگاری گجرات زیبا''

۱۱۱۲ھ

یعنی ا- مجھے دربار خلافت سے انعام کے طور پر عیش افزا خدمت ملی۔
۲- خرد نے خدمت ملنے کی تاریخ اس طرح کہی گجرات کی وقائع نگاری اچھی ہے۔

حضرت پہلے دکن سے وطن آئے اور ذی الحجہ سن مذکور میں بلگرام پہنچ کر مسرت جمع کی۔ محرم ۱۱۱۳ھ میں بلگرام سے گجرات کی طرف متوجہ ہوئے۔ ارربیع الاول کو اسی سال گجرات تشریف لے گئے اور قریب چار سال دونوں خدمتوں کو پورے استقلال سے انجام دیتے رہے۔ ۱۱۱۶ھ میں برخاستگی سامنے آگئی، حضرت وطن کی جانب متوجہ ہوئے، جمادی الاولیٰ میں بلگرام کو اپنی آمد کے پرتو سے منور کیا۔ اس وقت مولف اوراق کی ولادت کو ۳رماہ گزرے تھے۔ مرزا یار علی نے چونکہ غائبانہ قدردانی کا نقش بٹھالیا تھا۔ اس لئے اسی سال سرکار ''بھکر'' اور سرکار ''سیوستان'' کی بخشی گری و وقائع نگاری اور سوانح نویسی کی خدمت خلد مکان (عالمگیر) کی بارگاہ سے دلادی اور اس کی سند درست کر کے اجرتی قاصد کو دے کر بلگرام روانہ کیا اور لکھا کہ دو خدمت کے بدلے کئی خدمتیں تفویض ہوئیں، تو آپ سفر دکن کی مشقت نہ اٹھائیں بلکہ وطن سے مقام خدمت کو روانہ ہو جائیں اور ایک دوسرے قاصد کو سند کی نقل دے کر بھکر وسیوستان کی طرف بھیجا اور وہاں کے لوگوں کو علامہ مرحوم کی خدمات کی تقرری سے اطلاع دی۔ قضا سے جس قاصد کو بلگرام آنے کا حکم ملا تھا، اثنائے راہ میں ہلاک ہو گیا۔ جب قاصد کی میعاد سے زیادہ وقت گزر گیا تو قدرشناس مرزا نے دوسری سند بادشاہی دفتر سے درست کر کے ایک دوسرے قاصد کو دے کر بلگرام روانہ کیا۔ حضرت نے اس خوشخبری کو پا کر جمادی الاولیٰ ۱۱۱۷ھ میں بلگرام سے ملک سندھ کے سفر کا عزم کیا۔ ۲۴ر رجب المرجب کو شہر بھکر کو اپنے وجود سے روشن کیا اور اپنی عالی نشست سے مسند خدمت کو زینت بخشی۔ چونکہ حضرت کی قدر و منزلت شاہزادوں اور تمام ارکان سلطنت کے دلوں پر نقش ہو چکی تھی، اس لئے خلد مکان (عالمگیر) کی رحلت کے بعد بھی

ملحقہ عہدے بغیر اس کے کہ بھکر سے حرکت کرتے، سر پر خلافت کے وزراء ہر زمانے میں استقلال خدمات کی سند بھیجتے رہتے تھے، یہاں تک کہ محمد فرخ سیر بادشاہ کے عہد میں قدرت الٰہی کی نیرنگی سے پرگنہ جتوئی توابع سرکار بھکر میں مصری کے ریزے برف کی طرح بادلوں سے برسے۔ اس غیبی مصری کے نازل ہونے سے دنیا والوں کے منہ اور تالو شیریں ہوئے۔ آپ نے اس واقعہ عجیبہ کو رباعی میں نظم کر کے وقائع کی فرد میں بارگاہ خلافت میں بھیجا۔

۱- فرخ سیر آں شہنشہ بابرکات چرخ از ادب او شدہ شیریں حرکات

۲- در سندھ زیمن عہد عشرت مہدش بارید سحاب ریزۂ قند و نبات

یعنی ۱- بابرکت بادشاہ فرخ سیر جن کے ادب سے آسمان نے میٹھی حرکتیں اپنائیں
۲- اس کے گہوارۂ عزت کے مبارک زمانے میں بادل نے سندھ میں قند و نبات کے ریزے برسائے۔

میر جملہ سمرقندی نے جو اس زمانے میں مہمات سلطنت کے صاحب حل و عقد تھے اور بارگاہ معلیٰ کی سوانح نگاری انہیں سے متعلق تھی، وہ بعد میں صدر الصدور بھی ہو گئے۔ صرف وقائع کی فرد دیکھ کر ہی بغیر اس کے کہ تحقیق کراتے، خلاف واقعہ ہونے پر حمل کر کے ۱۱۲۶ھ میں معزول کر دیا۔ حضرت اسی سال بھکر سے دار الخلافہ شاہجہاں آباد روانہ ہو گئے اور جس مجلس میں نواب قطب الملک سید عبد اللہ خاں وزیر اعظم اور امیر الامراء سید حسین علی خاں اکٹھا تھے، وہاں اس کیفیت کا اظہار کیا اور رباعی مذکور کو گوش گزار کیا۔ امیر الامراء نے اسی مجلس میں خدمت کی بحالی کا حکم صادر فرمایا، حضرت نے سند حاصل کر کے شہر بھکر بھیج دیا اور شیخ محمد رضا بھکری کو غائبانہ نائب بنایا، پھر ۱۱۳۰ھ میں خود مستعفی ہو کر خدمات کو فرزند ارجمند میر سید محمد مدظلہ کے نام حاصل کیا۔ ۱۱۳۲ھ میں ۱۶ر سال بعد بلگرام کو ورود مسعود سے شرف بخشا، اور ایک سال رہ کر دار الخلافہ شاہجہاں آباد چلے گئے۔

کاتب الحروف حضور کے وطن میں تشریف رکھنے کے وقت ۱۷ سال کا تھا اور یہ پہلا دیدار تھا جو فقیر کے سن شعور میں نصیب ہوا۔ بندہ اور میر محمد یوسف کہ ہم دونوں حضور کے حقیقی نواسے ہیں، شرف تلمذ سے سعادت اندوز ہوئے اور ہم دونوں نے سند حدیث مسلسل بالا دلۃ اور حدیث الاسودین اور اکثر کتب احادیث کی اجازت حاصل کیں، اس کے بعد ۱۱۳۴ھ میں ہم دونوں بھائی دار الخلافہ شاہجہاں آباد گئے وہاں قریب ۳ر سال صحبت عالی میں رہے۔ بعض کتب احادیث اور کتاب قاموس کے کچھ حصے کا حضرت اقدس سے اکتساب کیا۔ عالمگیر کے عہد سے محمد شاہ کے زمانے تک تمام بڑے بڑے امراء جناب اقدس کا اعزاز و اکرام کرتے تھے اور صحبت والا کے شائق رہتے۔ حضرت کا طریقہ صدق وصفا، اللہ کی فرماں برداری اور ہمیشہ باخبر رہنا تھا۔ نہایت تمکین ووقار سے رہتے اور باوجود خدمات بادشاہی اختیار کرنے کے دیانت و امانت کی باریکیوں سے فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔

سید حسین امتیاز خاں متخلص بہ خالص ہندوستان سے ولایت روانہ ہوئے۔ جب سیوستان پہنچے تو خدایار خاں حاکم سندھ نے ۱۱۲۲ھ میں سید حسین کو قتل کر دیا اور لاکھوں کے اموال پر قبضہ جمالیا۔ اس کے بعد علامہ مرحوم کے پاس پیغام بھیجا کہ اس خبر کو بادشاہی سوانح میں حقیقی روپ نہ دیں تو دو ہزار اشرفی طلا جو چودہ ہزار روپے کے برابر ہے ادا کیجائے گی۔ علامہ مرحوم نے دروازے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ عنایت الٰہی سے ثروت رکھتا ہوں محتاج نہیں ہوں۔ آج اگر خبر واقعی کو سپرد قلم نہ کروں تو کل رب العزت کے حضور میں کیا جواب دوں گا۔ البتہ آپ خصوصی مستحقین کی خبروں کو چھپا کر لکھتے تھے اور مضمون فیض مشحون "ان تخفوھا و تؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم" کے مطابق عمل کرتے تھے، ادائے فرائض وسنن کے بعد سب سے بڑا شغل مطالعہ کتب تھا، جمعہ کے روز فجر

کی نماز کے بعد دوپہر سے پہلے تک دلائل الخیرات ختم فرماتے تھے اور بیچ میں بات نہ کرتے۔ نسخہ دلائل الخیرات کو جو آپ کا خاص وظیفہ تھا، اپنے مبارک ہاتھوں سے تحریر فرمایا۔ آج بھی یہ نسخہ موجود ہے پھر دوپہر کے قریب جمعہ کا غسل کر کے مسجد چلے جاتے تھے، رمضان المبارک کے مہینے میں روزانہ بیت الخلا نہیں جاتے تھے، سفر وحضر میں تراویح کی نماز ترک نہ ہوئی۔ آپ کی ایک بہترین خوبی یہ تھی کہ جب کتابت کا ارادہ کرتے تو پہلے تسمیہ اور حمد وصلوٰۃ کسی خاص کاغذ پر لکھتے، اس کے بعد مقصود کتابت کرتے تھے، آخری عمر تک یہ عمل ترک نہ ہوا۔ ایک عظیم کتب خانہ باقیات صالحات کے زمرے میں چھوڑا ہے۔ اکثر ان کتابوں کو اپنے مبارک ہاتھوں سے اصلاح ومقابلہ کرتے رہتے۔ بہت سے نسخے خط خاص سے لکھے ہیں، شروع میں خط نستعلیق نہایت شیریں لکھتے تھے پھر بعد میں نستعلیق سے ایک خط طبعی نہایت شیریں و دلنشیں ایجاد کر لیا کہ ناظرین کی آنکھوں کی روشنی بڑھاتا تھا۔ ذوق کتابت اس بلا کا تھا کہ بھکر میں اقامت کے آخری دنوں میں کتاب مبارک ''صحیح بخاری'' کی کتابت کر ڈالی اور تصحیح ومقابلہ کر ہی رہے تھے کہ معزولی پیش آ گئی وہاں سے حضرت شاہجہاں آباد کے ارادے سے موضع نوشہرہ جو بھکر کے علاقے میں ہے، خیمہ لگوایا اور محض صحیح بخاری کے مقابلے کے لئے وہاں ۶/ مہینے رہے۔ چونکہ اور بہت سی ضرورتیں اور متعلقات آپ کی رکاب میں تھیں، اس لئے ہزاروں روپے صرف ہوئے، آج بھی وہ نسخۂ متبرکہ کتب خانۂ والا میں موجود ہے۔ تاریخ ولادت باسعادت جو خط خاص سے مشاہدہ ہوئی ۱۳/ شوال ۱۰۷۱ھ ہے، مولد ومنشا بلگرام ہے، وصال اقدس ہفتہ کی رات ۲۳/ ربیع الآخر ۱۱۳۸ھ دارالخلافہ شاہجہاں آباد (دہلی) میں ہوا۔ نعش مبارک حسب وصیت دارالسلام بلگرام منتقل کر کے جمعہ کے دن اوّل وقت عصر ۶/ جمادی الاولیٰ سال مذکور پدر بزرگوار میر احمد مرحوم کے قدموں میں دفن کی گئی۔ عمر شریف ۶۶/ سال

۶ر مہینے ۱۰ر دن ہوئی۔ نتائج طبع والا سے ایک مثنوی مسمّٰی "امواج الخیال" بلگرام کی تعریف میں ہے، جس کا مطلع یہ ہے۔

آب و گل من کہ فیض عام است ☆ از خطۂ پاک بلگرام است

گویا اس مطلع میں یہ بتایا گیا ہے کہ عنصر لطیف مسقط الراس (جائے ولادت) کی طرف لوٹتا ہے اور فرع اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔

آپ کے جملہ آثار کرامت میں یہ ہے کہ جسم مبارک باوجود آفتاب کی حرارت اور امتداد وقت کے ۱۴ر روز کی مدت میں تابوت شاہجہاں آباد سے وطن پہنچا، صحیح و سالم نکلا اور کسی عضو میں اصلاً کوئی تغیر رونما نہیں ہوا۔ جسد مطہر کو تابوت سے نکال کر چارپائی پر رکھا گیا۔ اس انداز سے جیسے تازہ میت کو لیتے ہیں، چارپائی قبر تک لائی گئی پھر جسد مبارک زیر کمر چادر ڈال کر لحد میں اتارا گیا۔ استاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی علیہ الرحمہ نے قبر میں اتر کر سپرد خاک کیا۔ راقم الحروف نے آیت کریمہ اولٰئك لهم عقبى الدار جنات عدن سے تاریخ نکالی نیز آیت کریمہ للذين احسنوا الحسنىٰ وزيادة سے بھی، تفسیر بیضاوی میں ہے الجنة والزيادة هو اللقاء۔ حسنیٰ سے جنت اور زیادۃ سے اللہ تعالیٰ کی ملاقات مراد ہے، طرفہ یہ کہ آیت کریمہ للذين احسنوا الحسنىٰ وزيادة اکثر زبان مبارک پر جاری رہتی نیز آپ کی بزرگ تحریرات میں بھی مذکور ہوئی تھی، آپ کے خلف الصدق میر سید محمد سلمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تحریرات عالیہ جمع کی ہیں۔ ایک بار سید اسمٰعیل بلگرامی خلیفۂ شاہ عبدالرزاق بانسہ قدس اللہ اسرارہما نے علامہ مرحوم کے پاس ایک خط لکھا، جس کا نسخہ یہ ہے:

"میر صاحب مشفق مہربان فیض رساں سلامت

حقیقت نوم و یقظہ بر ارباب معانی منکشف و ہویدا است۔ بعضے نوم را بر یقظہ ترجیح دادہ اند و بعضے یقظہ را بر نوم۔ ایں معنیٰ را مشروحاً تحریر فرمایند والسلام

علیکم و علیٰ من لدیکم"

یعنی مہربان مشفق فیض رساں میر صاحب، سلامت۔ صوفیائے کرام پر نوم ویقظہ (سونا، جاگنا) کی حقیقت کھلی اور ظاہر ہے۔ بعض حضرات سونے کو جاگنے پر اور بعض حضرات جاگنے پر سونے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس حقیقت کو تفصیل سے کھول کر بیان فرمائیں، آپ پر اور جو حضرات آپ کے پاس ہوں سبھی پر سلامتی نازل ہو۔

علامہ مرحوم نے اس کا جواب تحریر فرمایا جس کا نسخہ یہ ہے:

بیدار دل خوابیدہ ہوا، ثابت مقام تسلیم ورضا، سلامت، از معارضۂ قوم در تفصیل نوم ویقظہ نگارش رفتہ۔ رمزاً گاہاً اگرچہ منطوق کلام" الناس نیام فاذا ماتوا انتبھوا" وحدیث اختصام ملاء اعلیٰ در تصعید عمل متیقظ بہ بالا روبہ انحطاط درجۂ خواب دارد۔ ع

چشم تو نہ بخت ماست پر خواب چراست

اما مضمون کریمہ "وتحسبھم ایقاظا وھم رقود و نقلبھم ذات الیمین و ذات الشمال" باعتبار کفالہ تقلیب کہ مشتمل است بر اسرار عجیب دلالت بر رفعت شان از خود خوابیدگان دارد۔ ع

زہے مراتب خوابے کہ بہ ز بیداری ست

واگرچہ ظاہر خطاب قم یا نومان ناظر بہ تذمیم است۔ اما تغطیہ بہ فضل عبا مشعر بہ غایت تعظیم وہمچنیں مضمون ایں منظومۂ ہندی۔

یار آیو تب گا توں سوی کیسین بھگت پرایت ہوی

اگرچہ ایمائے بہ تنقیص نوم دارد اما فحوائے دوہرہ

سپنیں دیکھو پیہ میں کھل گئی آنکھ ابھاگ
اور گنواوت سوی سب ہوں تو گنوایو جاگ

از غایت نزاکت کارے منی است بہ تفصیل نوم بر بیداری۔ خشا خجالت آں عاشقی کہ در شب ہجرت بہ خوابش آئی واو شر مسار بر خیزد۔ تحقیق مقام آں کہ تا سری بہ خیال او داری اگر بیداری است بہ از نوم واگر نوم است بہ از بیداری ست۔ نمک ریزی شبلی در چشم ومژہ برائے رفع خواب وخوابیدن عبود ہفت سال واول در آمدن او بہ بہشت ہر دو صواب است، ایں است ماحضر فکر سقیم" و فــوق کــل ذی علم علیم"

ترجمہ

بیدار دل سوئی خواہشات والے، تسلیم ورضا کے مقامات میں ثابت قدم، اللہ آپ کو صحیح سالم رکھے، سونے اور جاگنے کے بارے میں اہل اللہ کا اختلاف تحریر میں آیا اشاروں کو سمجھنے والے اگرچہ کلام کا مقتضی ہو کہ لوگ نیند میں ہیں جب وہ مر جاتے ہیں تو جاگ جاتے ہیں اور حدیث پاک جس کا مفہوم یہ ہے کہ مقرب فرشتے جاگنے والے کے عمل کو لے کر چڑھنے میں جھگڑا کر رہے ہیں، خواب کے درجے کے کم ہونے کی طرف توجہ دلا رہا ہے۔ ع

تیری آنکھ ہماری قسمت تو نہیں پھر یہ نیند سے بھری کیوں ہے

لیکن آیت کریمہ کا مضمون تو انہیں جاگتا گمان کرے گا، حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں، انہیں سیدھی اور الٹی طرف کروٹیں دلاتے ہیں، اس میں تقلیب کی کفالت کے اعتبار سے جو انوکھے اسرار پر مشتمل ہے، ان حضرات کی شان کی بلندی پر دلالت ہے جو اپنے آپ سوئے ہوئے ہیں۔ ع

نیند کے مرتبے کتنے اچھے ہیں جو جاگنے سے بہتر ہیں

اگرچہ قم یا نومان کا ظاہری خطاب مذمت کا پہلو لئے ہوئے ہے لیکن عبا کے زائد حصے سے اڑھانا انتہائی تعظیم کا اشارہ ہے۔ اسی طرح اس ہندی شعر کا مضمون ہے۔ ع

جب محبوب آیا تب تو سو گیا تجھے محبوب خدا ﷺ کا دیدار کیسے ہوگا
اگرچہ سونے کے درجے کے کم ہونے کی طرف اشارہ ہے لیکن اس دوہے کا مضمون اس کے خلاف ہے۔
خواب میں پیا کو دیکھ کر قسمت کی آنکھ کھل گئی لوگ سو کر اپنا سب کچھ گنواتے ہیں تو نے جاگ کر گنوایا۔

انتہا درجے میں کام کی نزاکت جاگنے پر سونے کو فضیلت دینے پر مبنی ہے۔ کیسی اچھی ہے اس عاشق کی شرمندگی جو ہجرت کی رات میں اس کے خواب میں آیا اور وہ شرمندہ ہو کر اٹھ بیٹھا۔ اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ جب تک فکر اس کے خیال میں رہے اگر وہ جاگنے کی حالت ہے تو سونے سے بہتر ہے اور اگر سونا ہے تو جاگنے سے بہتر ہے۔ شبلی کا اپنی آنکھ اور پلک میں نیند کو بھگانے کیلئے نمک بھر لینا اور عبود کا ۷ سال تک سونا اور بہشت میں پہلے داخل ہونا، دونوں اپنی اپنی جگہوں پر درست ہیں۔ یہ وہ تحقیق ہے جو میری ناقص فکر میں آئی وفوق کل ذی علم علیم

حواشی رقعه

قولہ: اختصام ملاء اعلیٰ = حدیث شریف میں آیا ہے کہ تین محمل اٹھانے میں ملائکہ آپس میں جھگڑتے ہیں یعنی کھانا کھلانا، نرم کلام کرنا اور نماز پڑھنا جب کہ لوگ سوئے ہوں۔ پوری حدیث مشکوٰۃ فصل ثالث باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ میں مرقوم ہے۔

قولہ :- باعتبار کفالہ تقلیب = یعنی نقلبہم کا صیغہ متکلم دلالت کرتا ہے کہ حق تعالیٰ نے خود اصحاب کہف کی تقلیب (کروٹ دلانے) کی کفالت کی۔

قولہ : قم یا نومان = غزوۂ خندق میں کفار کے فرار کی رات سخت بدلی، سردی اور تیز آندھی تھی۔ حضرت ﷺ نے حذیفۃ الیمان کو لشکر کفار کی خبر لانے کے لئے

بھیجا اور دعا فرمائی جس سے ان کی سردی اور بھوک ختم ہوگئی پھر جونہی واپس ہوئے پھر ٹھنڈک لگنے لگی۔ حضورﷺ نے فضل عبا یعنی دوش مبارک پر جو چادر پڑی تھی، اس کا بڑھا ہوا حصہ اوڑھا دیا اور اپنا مبارک پاؤں ان کے سینے پر رکھا، یہاں تک کہ انہیں سکون مل گیا اور سو گئے جب صبح کی نماز کا وقت ہوا تو فرمایا: قم یا نومان یعنی اٹھ اے زیادہ سونے والے!۔

قولـہ:- عبـود= عین مہملہ پر فتحہ بائے موحدہ پر تشدید ضمہ کے ساتھ نام ہے ایک سیاہ فام غلام کا جو سات سال سوتا رہا اور سب سے پہلے جنت میں جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے کے پیغمبر کو امت نے ایک کنویں میں قید کر دیا اور عبود ایمان لے آیا اور قوم سے چھپ کر خبر حاصل کی تفصیل وار قصہ قاموس میں مادّہ عبد میں مذکور ہے۔

چونکہ اس کتاب میں سادات بلگرام کا نسب لازماً ذکر کیا گیا ہے، اس لئے آپ نے جو قصیدہ خود اپنے نسب کے بیان میں نظم کیا ہے، اس کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے اور یہ اطناب اپنے مقام میں ہونے کی وجہ سے کوئی مضائقہ نہیں رکھتا ہے، قصیدہ یہ ہے ۔

قصیدہ

۱- مائیم نخل سبز ریاض پیمبری	احسان ماست برہمہ از سایہ گستری
۲- نخلے کہ اصل ثابت او ختم انبیاست	فرعش گزشت از سرایں چرخ چنبری
۳- آں ختم انبیاء کہ بتول است دخترش	آرائش منصۂ پاکیزہ گوہری
۴- آں دختر نبی کہ بود شوہرش علی	دریائے فیض ساقی صہبائے کوثری
۵- فرزند اوست خاص آل عبا حسین	فرمود در محیط شہادت شناوری
۶- سجاد آنکہ آدم آل حسین بود	ایزد نصیب دشمن او کرد ابتری
۷- زید شہید مصحف اسرار اہلبیت	پیدا است از مناقب او شان حیدری

۸- عیسیٰ کہ شد بموتم اشبال مشتہر	کردے شکار شیر زروئے دلاوری
۹- سید محمد آنکہ جہاں راز خلق او	پیچید در دماغ نسیم معطری
۱۰- سید علی کہ بر در عالم پناہ او	کیواں ستادہ است بہ عنوان قنبری
۱۱- سید حسین شمسۂ ایوان مکرمت	روح الامیں کند بہ رواقش کبوتری
۱۲- سید علی عراقی کز فیض مقدمش	خاک عراق یافتہ از عرش برتری
۱۳- سید حسن کہ اختر اوج سیادت است	کسب سعادت از نظرش کرد مشتری
۱۴- سید علی کہ دشمن شوریدہ بخت را	سازد کباب آتش خورشید محشری
۱۵- شادابی بہار گلستان خلق زید	می کرد در تحفظ دلہا صنوبری
۱۶- سید عمر کہ سرور عالی مقام بود	در بزم او ہمیشہ فلک گرم مجمری
۱۷- زید سوم کہ خسرو اقلیم فقر بود	کردی زروئے آئینۂ دل سکندری
۱۸- یحییٰ کہ در ریاض صفات کمال او	یک شہر چشم حیرتیاں کرد عبہری
۱۹- سید حسین منتخب دودۂ شرف	باشد چراغ انجمن افروز مہتری
۲۰- داؤد آنکہ دشمن فولاد جسم را	چوں موم نرم ساخت ز دست بہادری
۲۱- والا گہر ابوالفرح واسطی کہ شست	از آب ذوالفقار بسے نقش کافری
۲۲- سید ابوالفراس کہ ہنگام کارزار	آمد ز دست او ہمہ کار غضنفری
۲۳- ثانی ابوالفرح کہ بہ آئین جد خویش	روز نبرد شیر نیستان صفدری
۲۴- سید حسین صاحب شمشیر خونچکاں	با قلب دشمناں نگہش کرد خنجری
۲۵- سید علی کہ صارم خارا شگاف او	چوں ذوالفقار دم زدہ از فتح خیبری
۲۶- جد کلاں محمد صغریٰ کہ تیغ او	بر بلگرام یافتہ فتح و مظفری
۲۷- مفتوح گشت در زمن شاہ التمش	تاریخ آں ز لفظ "خداداد" بشمری
۲۸- در سال شش صد و چہل و پنج فوت کرد	آسود بر بساط معلائے عبقری
۲۹- شعبان و روز چاردہم ضحوۂ ثنین	کرد از جہاں بہ ملک مقدس مسافری

۳۰- باشد بہ بلگرام مزار مبارکش	بر مرقدش کنند ملائک مجاوری
۳۱- سید عمر فروغ جبین محمدی	اوراست بر سپہر شرف شان اختری
۳۲- سید حسین از نظر التفات او	میناز مردی کند وسنگ گوہری
۳۳- سید نصیر آنکہ بہ مصداق نام خود	باز مرۂ ستمزدگاں کرد یاوری
۳۴- سید حسین کان سخا معدن صفا	از گوہرش جمال شرف یافت زیوری
۳۵- سالار از فروغ ضمیر منیر او	دریوزۂ شعاع کند مہر خاوری
۳۶- لطف اللہ آنکہ قطب سپہر ولایت است	مردان راہ را بخدا کرد رہبری
۳۷- دادن کہ نام اوست خداداد از پدر	صاحب کرامتے ست ز تعریف مادری
۳۸- جد القبیلہ حضرت محمود دیں پناہ	کردند جن وانس بہ حکمش مسخری
۳۹- عالیجناب سید نوح آنکہ عرف او	باشد پیارہ سرو گلستان سروری
۴۰- سید حسین خلق مجسم کہ ذات او	خورشید ساں مثل شدہ در ذرہ پروری
۴۱- محمود در فضائل کسبی وموہبی	ہمتائے او نزادہ ز ارحام عنصری
۴۲- عبد اللطیف آنکہ ز ابنائے روزگار	ممتاز بودہ در عمل فیض گستری
۴۳- احمد کہ صاحب قلم وسیف قاطع است	بہرام وتیر بردر او کردہ چاکری
۴۴- عبد اللہ آں برادر عبد اللطیف کو	احمد پسر گرفت ز لطف برادری
۴۵- عبد الجلیل از پس احمد منم کہ ہست	وصفے ز من فصاحت سحبان وانوری
۴۶- آنجا کہ نغمۂ نئے کلکم شود بلند	آرند سر فرو متنبّی و بحتری
۴۷- مقصود من تفنن طبع ست از سخن	ورنہ سزائے رتبۂ من نیست شاعری
۴۸- دریائے موج خیز علومم کہ می کند	با من خطاب جوہر اول زمخشری
۴۹- ایزد مرا بہ علم وعمل امتیاز داد	شانم بلند کرد دگر از توانگری
۵۰- باوصف ایں فضائل صوری ومعنوی	گویم بہ نفس خویش کہ از جملہ کمتری
۵۱- دریک ہزار ویکصد ویک کلک واسطی	افشاند ایں لالئ ز بحر سخنوری

ترجمہ:

۱- ہم گلشن پیغمبر کے ہرے بھرے درخت ہیں، ہمارے احسان کا سایہ سبھی پر ہے۔

۲- ہم ایسا درخت ہیں جس کی اصل ثابت خاتم النبیین ﷺ کی ذات گرامی ہے، اس کی شاخیں چرخ آسمان سے بلند ہیں۔

۳- وہ خاتم الانبیا ﷺ جن کی شہزادی حضرت سیدہ فاطمہ بتول ہیں، جو پاکیزہ گوہری کی زیب وزینت روشن کرنے والی ہیں۔

۴- وہ نبی ﷺ کی صاحبزادی جن کے شوہر حضرت علی ہیں جو فیض کا دریا اور شراب کوثری کے ساقی ہیں۔

۵- ان کے شہزادے، آل عبا کے پانچویں حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے شہادت کے سمندر میں تیراکی فرمائی۔

۶- حضرت سجاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں حضرت آدم علیہ السلام کا درجہ رکھتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے ان کے دشمن کے مقدر میں بربادی رکھ دی ہے۔

۷- حضرت زید شہید جو اہل بیت کے اسرار کا مصحف ہیں، ان کے مناقب سے حیدری شان جھلکتی ہے۔

۸- حضرت عیسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو موتم الاشبال سے مشہور ہوئے، انہوں نے نہایت بہادری سے شیر کا شکار کیا۔

۹- حضرت سید محمد رضی اللہ عنہ جن کی عادتوں سے دنیا کے دماغ میں نسیم خوشبودار سمائی۔

۱۰- حضرت سید علی رضی اللہ عنہ جن کے جہاں پناہ دروازے پر زحل ستارہ قنبر کی طرح دربانی کررہا ہے۔

۱۱- حضرت سید حسین رضی اللہ عنہ شرافت کے محل کا روشن دان ہیں جن کے چھجے پر کبوتر کی طرح روح الامین نے اپنا گھونسلہ بنایا ہے۔

۱۲- حضرت سید علی عراقی رضی اللہ عنہ جن کی آمد کے فیضان سے، عراق کی زمین نے عرش سے زیادہ بلندی پائی۔

۱۳- حضرت سید حسن رضی اللہ عنہ سیادت کی بلندی کا تارہ ہیں جن کی نگاہ سے مشتری ستارہ نے سعادت حاصل کی ہے۔

۱۴- حضرت سید علی رضی اللہ عنہ جنہوں نے بدبخت دشمن کو محشری سورج کی آگ سے کباب بنا دیا ہے۔

۱۵- حضرت زید رضی اللہ عنہ جو مخلوق کے گلستاں کی شادابی ہیں جو دلوں کی حفاظت میں صنوبری کا کام دیتے ہیں۔

۱۶- حضرت سید عمر رضی اللہ عنہ جو کہ عالیمقام سردار تھے انکی محفل میں فلک ہمیشہ گرم شعلہ زار رہتا ہے۔

۱۷- حضرت زید سوم رضی اللہ عنہ جو فخر اقلیم کے بادشاہ تھے جنہوں نے دل کے آئینے کے ذریعہ سکندری کی۔

۱۸- حضرت سید یحییٰ رضی اللہ عنہ جن کے کمال کی صفتوں کے باغیچہ میں حیرت سے تکنے والوں کی نگاہوں کو نرگسی بنا دیا۔

۱۹- حضرت سید حسین رضی اللہ عنہ خاندان شرافت کے منتخب ہیں، جو انجمن کو روشن کرنے والے چراغ کی سرداری کرنے والے ہیں۔

۲۰- حضرت سید داؤد رضی اللہ عنہ جنہوں نے فولاد جسم دشمن کو اپنے بہادر ہاتھوں سے موم کی طرح نرم کر دیا۔

۲۱- حضرت سید ابوالفرح واسطی رضی اللہ عنہ بلند موتی جنہوں نے ذوالفقار کی دھار سے بہت سے کافری نقش دھوئے۔

۲۲- حضرت سید ابوالفراس رضی اللہ عنہ جہاد کے وقت جن کے ہاتھ سے تمام کام شیروں جیسے سامنے آئے۔

۲۳- حضرت سید ابوالفرح ثانی رضی اللہ عنہ اپنے آبا و اجداد کی روش کے مطابق مقابلہ کے دن صفوں کو پھاڑ ڈالنے والے جنگلی شیر کے مانند ہیں۔

۲۴- حضرت سید حسین رضی اللہ عنہ خون ٹپکانے والی تلوار کے مالک جن کی نگاہ نے دشمنوں کے دل میں خنجر کا کام کیا۔

۲۵- حضرت سید علی رضی اللہ عنہ جن کی سخت پتھر کو پھاڑ ڈالنے والی تلوار ذوالفقار کی طرح فتح خیبر کا دم مارتی ہے۔

۲۶- حضرت سید محمد صغریٰ رضی اللہ عنہ جد کلاں (بلگرام، مارہرہ، سلہڑہ، مسولی) جن کی تلوار نے بلگرام پر فتح و کامیابی پائی۔

۲۷- حضرت شمس الدین التمش رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ فتح ہوئی جس کی تاریخ لفظ ''خداداد'' سے نکلتی ہے۔

۲۸- چھ سو پینتالس ہجری میں انہوں نے انتقال فرمایا، اعلیٰ نفیس بستر پر آرام فرما ہوئے۔

۲۹- ماہ شعبان کی چودہ تاریخ پیر کی دوپہر کو دنیا سے ملک مقدس (عقبیٰ) کا سفر فرمایا۔

۳۰- ان کا مبارک مزار بلگرام شریف میں ہے، فرشتے ان کی مرقد مبارک کی مجاوری کر رہے ہیں۔

۳۱- حضرت سید عمر رضی اللہ عنہ محمدی پیشانی کی رونق ہیں، جنہیں شرافت کے آسمان پر ستاروں کی شان ملی ہے۔

۳۲- حضرت سید حسین رضی اللہ عنہ جن کی نظر کی التفات سے مینا زمردی اور پتھر گوہری (آپ کی نگاہ کی یہ تاثیر تھی کہ شیشے پر پڑے تو زمرد اور پتھر پر پڑے تو موتی بن جائے) کرتا ہے۔

۳۳- حضرت سید نصیر رضی اللہ عنہ وہ ہیں جنہوں نے اپنے نام کے مطابق مظلوموں کے گروہ کی مدد فرمائی۔

۳۴- حضرت سید حسین رضی اللہ عنہ سخاوت کے کان اور صفائی کا معدن جن کے گوہر سے

شرافت کی خوبصورتی نے زیور پائے۔

۳۵-حضرت سید سالار ﷺ جن کے نورانی ضمیر کی رونق سے مشرق سے طلوع ہونے والا آفتاب شعاؤں کی بھیک طلب کرتا ہے۔

۳۶-حضرت سید لطف اللہ ﷺ جو ولایت کے آسمان کے قطب ہیں اور اللہ کی راہ پر چلنے والوں کی رہنمائی فرماتے ہیں۔

۳۷-حضرت سید دادن ﷺ جن کا نام ان کے باپ نے خداداد رکھا، اپنی ماں کی تعریف سے صاحب کرامت ہیں۔

۳۸-حضرت محمود ﷺ دین پناہ جد القبیلہ جن کے حکم کی جن وانس نے پیروی کی ہے۔

۳۹-حضرت عالی جناب سید نوح ﷺ جو سید پیارہ سے مشہور ہیں وہ سرداری کے گلستان کے سرو ہیں۔

۴۰-حضرت سید حسین ﷺ جن کی ذات حسن اخلاق کا مجسمہ ہے ذرہ پروری میں وہ مثل آفتاب بن گئے۔

۴۱-حضرت سید محمود ﷺ جو عطائی اور کسبی فضائل میں ایسے ہیں کہ ان کے برابر انسانی رحم سے پیدا نہیں ہوا۔

۴۲-حضرت سید عبد اللطیف ﷺ جو زمانہ کے لوگوں کی فیض رسانی کے کام میں امتیازی شان رکھتے تھے۔

۴۳-حضرت سید احمد ﷺ جو قلم اور تلوار دونوں کے مالک تھے جن کے دروازے پر مریخ اور عطارد ستارہ دربانی کرتے ہیں۔

۴۴-حضرت سید عبد اللہ ﷺ جو سید عبد اللطیف ﷺ کے بھائی ہیں جنہوں نے سید احمد ﷺ کو برادرانہ نوازش سے اپنا بیٹا بنایا۔

۴۵-میں سید عبد الجلیل سید احمد ﷺ کا فرزند ہوں، سحبان وانوری کی فصاحت میرے اوصاف کا ایک وصف ہے۔

۴۶- جس جگہ میرے نزکل کی بانسری کا نغمہ بلند ہوتا ہے، وہاں متنبّی اور بحتری سر جھکائے آتے ہیں۔
۴۷- میرا مقصد کلام پیش کرنے سے دل کو بہلانا ہے، ورنہ میری شاعری میرے مرتبے کے لائق نہیں ہے۔
۴۸- میرے علوم کا موج مارنے والا دریا ایسا ہے کہ زمخشری جوہراول کہہ کر مجھے مخاطب کرتا ہے۔
۴۹- خدائے تعالیٰ نے علم وعمل میں مجھے ممتاز فرمایا پھر میری شان مالداری سے بلند کی۔
۵۰- ان تمام صوری ومعنوی فضیلتوں کے باوجود میں اپنے نفس سے یہی کہتا ہوں کہ تو سب سے کمتر ہے۔
۵۱- ایک ہزار ایک سو ایک ہجری میں واسطی قلم سے سخنوری کے سمندر سے یہ موتی جھڑے ہیں۔

علامہ میر عبد الجلیل سے علامہ آزاد کا نسبی تعلق

راقم الحروف آنجناب کا حقیقی نواسہ اور اس آفتاب سے بھیک ماننے والا ایک ذرہ ہے۔ مجھ ناچیز کے حال پر بہت مہربان تھے۔ دار الخلافہ شاہجہاں آباد کی ملازمت کے زمانے میں دوبار فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ تمہارے وجود کے لئے کوئی نشانی مجھ سے باقی رہے۔ حضور کے حقوق تربیت دینی ودنیوی اس سے زیادہ ہیں کہ زمین کے ذروں سے لے کر آسمان کے تاروں تک شمار کرلیا جائے۔ جو چیز اس ناتواں سے ہوسکی ہے، یہ ہے کہ فیض آثار مقامات میں خصوصاً جناب رسالتمآب ﷺ کے روبرو دعا کی اور زبان نیاز وحضور قلب کے ساتھ ایصال ثواب کیا، نیز ایک عمرہ کا ثواب روح اقدس کو نذر کیا اور بقدر استعداد کہ یہ بھی حضور ہی کا مقدس عکس ہے، ایک قصیدہ زبان عربی میں مدح اقدس میں انشاء کیا، امیدوار ہوں کہ یہ حقیر ہدیہ روح فیضان بخش کی نظر میں مقبول ہو جائے اور یہ خدمت جو پورے اخلاص سے ادا کی گئی تھی، اس درجے پر پہنچ گئی کہ مولانا سید

مصطفیٰ بن سید عمر روسی سورتی جب بھی اس قصیدے کو ملاحظہ فرماتے تو کہتے ھذہ قصیدۃ تستحق ان یغبط فیھا یعنی یہ قصیدہ حق رکھتا ہے کہ اس پر رشک کیا جائے، نیز سید احمد امام زادۂ یمن نے اس قصیدے کی ایک شرح لکھی ہے۔

سید احمد اولاد ائمہ یمن یعنی وہاں کے سلاطین کے خاندان سے ہیں۔ سلاطین یمن کے اس وقت تک کے طبقوں میں حالات یہ ہیں کہ پہلے پہل جس شخص نے سلطنت تک رسائی حاصل کی۔ وہ قاسم بن محمد ملقب بہ امام منصور باللہ ہیں، جو امام حسن مثنی بن امام حسن سبط رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ ان کے صاحبزادے حسن بن قاسم ہیں جو تلوار کے دھنی اور بے مثل بہادر تھے۔ ترکان روم جو ایک مدت سے ملک یمن پر مسلط تھے، انہیں شکست دی۔ ۱۰۴۷ھ میں قانصوہ ترکوں کا سردار امان طلب کر کے یمن سے چلا گیا اور مکہ معظمہ پہنچا۔ بقیہ ترکوں نے امیر مصطفیٰ کو اپنا سردار بنالیا، اور زبید پر قبضہ کرلیا، مگر حسن کی تلوار کے خوف سے وہاں پاؤں جما نہ سکے، پھر ۱۰۴۹ھ میں امیر مصطفیٰ ابھی یمن سے نکل کر مکہ معظمہ چلا گیا، اور بلاد یمن پر امام زیدیہ قاسم بن محمد کا قبضہ ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے لڑکے ابن قاسم ملقب بہ مؤید باللہ بادشاہ ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی متوکل علی اللہ اسمٰعیل بن امام منصور باللہ قاسم بن محمد نے سلطنت سنبھالی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے مؤید باللہ محمد بن اسمٰعیل تخت نشین ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد مہدی لدین اللہ احمد بن حسن ''مخرج اتراک'' بن قاسم بن محمد فرمانروائی کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد محمد بن احمد بن حسن ''مخرج اتراک'' نے حکومت کی۔ ان کے انتقال کے بعد حسین بن قاسم از اولاد منصور باللہ قاسم بن محمد تخت سلطنت پر بیٹھے، ان کی وفات کے بعد متوکل علی اللہ قاسم بن حسین بن احمد بن حسن ''مخرج اتراک'' نے اپنی سلطنت کا جھنڈا لہرایا، ان کی وفات کے بعد ناصر لدین اللہ محمد بن اسحٰق بن احمد بن حسن ''

مخرج اتراک'' نے سلطنت کی انگشتری اپنے ہاتھ میں پہنی، پھر ایک سال بعد معزول ہو گئے، اور سلطنت کی باگڈور حسین بن متوکل علی اللہ قاسم بن حسین بن حسن ''مخرج اتراک'' کو پہنچی، ان کے فوت ہونے کے بعد ان کے صاحبزادے عباس بن حسین نے تاج سلطنت سر پر رکھا، اس وقت کے امام یہی ہیں، شارح قصیدہ کا نسب دو واسطوں سے امام مہدی لدین اللہ احمد بن حسن ''مخرج اتراک'' تک پہنچتا ہے، اس طرح سید احمد بن عبداللہ بن ابی طالب بن احمد بن حسن۔

چند دنوں تک یمن کے بعض حصوں کی سلطنت شارح قصیدہ کے والد عبداللہ کو بھی ملی تھی، آخر حسین بن متوکل علی اللہ قاسم مذکور نے عبداللہ کو فریب دے کر قید کر دیا اور سلطنت پر قابض ہو گیا۔ عبداللہ تادم تحریر بقید حیات ہیں۔ سید احمد شارح قصیدہ والد کے قید ہو جانے کے بعد ملک دکن آ گئے اور نواب نظام الدولہ شہید سے راقم الحروف کی وساطت سے ملاقات کی۔ نواب نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا، قصیدہ مذکور یہ ہے۔

قصیدہ

۱	ادرك عليلا لقاء منك يكفيه	طرفك الناعس الممراض يشفيه
۲	كتمت دائى عن العذال مجتهداً	ماكنت ادرى نحول الجسم يفشيه
۳	فداونى عن سقام انت منشاه	ونجنى من ضرام انت موريه
۴	لقد ثنىٰ عطفه،عن مفرم دنف	مهفهف ثقل الارداف يثنيه
۵	رعى الا له سقامى لويعالج من	أحببته بدواء الخمر من فيه
۶	وحبذا العيش لويمشى علىٰ مقلى	غض رطيب من العينين اسقيه
۷	شان المحب عجيب فى صبابته	الهجر يقتله،والوصل يحييه
۸	يا جارة هيجت بالنصح لوعته	بحق مقلته العبراء خليه
۹	لولاه ماشاقه عرف الصبا سحرا	ولم يكن بارق الظلماء يشجيه

١٠ اليك يـارشـاالـوعساء معذرة — أ انـت عـن رشـاالبطحاء تسليه
١١ لـوائمی قـطعت اكبادهن متیٰ — رأينـه فی كمال الحسن والتيه
١٢ ايـاصواحب اكبـادهـن مقطعة — فـذالـكن الـذی لـمتـنـنی فيـه
١٣ اذا رنـیٰ فـمهلة البيد تشبيـه — او مـاس فالبانة الخضراء تحكيه
١٤ غـزالة تـصـرع الأساد قاطبة — الا الـذی سيد السادات يحميـه
١٥ كهف الانـام امـام الكون اكرمـه — عـون الـذی حادث الايام يرميه
١٦ السيد المقتدی عبد الجليل له — مـجدا ثيل من الأبـاء يـحـويـه
١٧ جـدی ملاذی واستاذی و مستندی — رب الوریٰ بصنوف الخير يجزيه
١٨ عـلامة نـاقـدالمعقول متقنه — فهامة جامع المنقول محصيه
١٩ شـمس تـفيض علينا نورها ابداً — حـاشـا اذا جـنـت الظلماء تطويه
٢٠ بـدرسـنـاه اصيل غير منتقص — وكل ليل كمـا فـی الآن تلفيه
٢١ بـحـر غنی عن الاصداف جوهره — ونـفـس همتـه العليا تـربيـه
٢٢ لـقـد تـحـلی بتقوی الله خالصة — والـلـه عـن سـائـرا لاكوان يغنيه
٢٣ ان جل فی حضرة السلطان منصبه — فـلـيـس هـذا عـن الرحمٰن يلهيـه
٢٤ تـوارث الفضل عـن أباء ه قدما — وبـعـد ذلك فی الاولاد يبقيـه
٢٥ رب السمٰوٰت والارضين يوم غد — من المواهـب اعـلاهـن يـوليـه
٢٦ يـا ايها البحرشنفت المسامع من — درالیٰ ساحل القرطاس تلقيه
٢٧ ان ظل سبحان فی بطن الثریٰ رحماً — فـانـت مـن هـذه الانفاس محييه
٢٨ وانـت فـی شـعراء الفرس أبلغهم — يـا طيب مـابلسان الهند تمليه
٢٩ مـولای او تيت عـلـما زانـه عمل — وعـنـصـراً جوهر الحسنی يحليه
٣٠ لـم يـرتـكب ناظر الغزلان نشوته — الیٰ سبيل التقیٰ لوكنت تهديه
٣١ ايـا ابن احمد فرع الماجد ين الیٰ — مـحـمـد نـور الـدنيـا تـجـليـه

۳۲ خلقت فی نسب عال وفی حسب	مسلسل لیست الاقلام تحسیه
۳۳ لان کسب المعالی من اولیٰ شرف	ارثافکم من فخار انت مبدیه
۳۴ ان الوریٰ لعلو الجاه یرفعهم	انت الذی بسمو النفس تعلیه
۳۵ ماشاد مثلك بنیان العلیٰ احد	نعم علیٰ شرف الافلاك تبنیه
۳۶ سقی الاله محلا انت ساکنه	ماورق الغصن والوسمیٰ یرویه
۳۷ بجاه خیر البرایا رب اهد له	منا صلوٰة مدی الایام ترضیه

حل لغات و تراجم

۱-علیل ،مریض ،الناعس ،اونگھنے والا ،سست ،ممراض ،بہت مریض

ایسے بیمار کی مدد کیجئے جسے آپ کی ملاقات کفایت کرے گی ،اور آپ کی روشنی افزا نگاہ اس کو بہت سے مرضوں سے شفا دے گی۔

۲-داء ،مرض ۔عذال جمع عاذل ،ملامت کرنے والا ۔نحل ،دبلا ہونا لاغر ہونا۔ یفشیہ ،ظاہر کرنا۔

میں نے بڑی کوشش سے ملامت کرنے والوں سے مرض عشق کو چھپایا ،لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ جسم کی کمزوری اس بیماری کے راز کو ظاہر کردے گی۔

۳-داونی ، مجھے دوا دے ۔سقام ،مرض ۔منشاہ ،پیدا کرنے والا ،ضرام ،آگ ایندھن ۔موری آگ جلانے والا۔

مجھے اس بیماری کی دوا دے جسے تم نے پیدا کیا ہے اور اس آگ اور ایندھن سے نجات دے جسے تو نے بھڑکایا ہے۔

۴-ثنی ،پھر جانا ۔مغرم ،اسیر محبت ۔دنف ،مریض مسلسل ۔مہفہف ،پتلی کمر والی ، ردف جمع ارداف ،سرین۔

انہوں نے دائم المرض اسیر محبت سے منھ پھیر لیا جس طرح باریک کمر بھاری سرین کو موڑ لیتی ہے۔

۵-رعی، حفاظت کرنا۔ فیہ، اس کے منھ سے۔
اے اللہ رب العزت تو میری بیماری کی حفاظت فرما اگر میرا محبوب اپنے منھ سے دوائے شراب کے ذریعے علاج کرنے کو تیار ہو جائے۔
۶-مقل جمع مقلۃ، آنکھ۔ غض، نازک بدن۔ رطیب، تر نرم و نازک
اور وہ عیش کتنا اچھا ہے اگر میری دونوں آنکھوں کے سامنے سے چلے تاکہ میں اسے سیراب کروں؟
۷-صبابۃ، عشق، سوزش عشق۔
عشق و سوزش محبت میں عاشق کی عجب شان ہوتی ہے کہ فراق محبوب اسے قتل کرتا ہے اور وصال محبوب اسے حیات عطا کرتی ہے۔
۸-جارۃ، ہم سایہ۔ لوعۃ، سوزش دل۔ عبرا رونے والا۔
اے پڑوسن نصیحت اس کے سوزش دل کو بھڑکا دیتی ہے، لہٰذا اس کے چشم گریاں کا واسطہ اسے اپنی حالت پر چھوڑ دے۔
۹-عرف، اچھی خوشبو۔ بارق، وہ بادل جس میں بجلی جیسی چمک ہو۔ یشجی (افعال) اشجاء، غمگین کرنا۔
اگر وہ نہ ہوتے تو نسیم سحری کی خوشبو انہیں مشقت میں نہ ڈالتی اور اندھیری رات کی کڑکتی بجلی انہیں غمگین نہ کرتیں۔
۱۰-وعساء، نرم ریت کا ٹیلہ، ریگستان، رشا، ہرن کا بچہ۔ بطحاء، سنگریزوں سے بھری ہاتھی کی گزرگاہ، وادی مکہ معظمہ۔ تسلیہ، اسلاء، بے غم کر دینا۔
اے نرم ریگستانی زمین کے ہرن کے بچے میری معذرت قبول کر کیا تو بطحا کے ہرن کے بچے سے مجھے بے غم بنا دینا چاہتا ہے۔
۱۱-تیہ، تکبر۔ اکباد جمع کبد، جگر۔ لوائم جمع لائمہ، ملامت
مجھے ملامت کرنے والیوں نے اپنے جگروں کو اس وقت کاٹ ڈالا، جب انہوں

نے اسے حسن میں کامل اور تکبر کرنے والا پایا۔
۱۲-صواحب جمع صاحب، والیوں۔
اے جگر کے کٹے ٹکڑے والیوں! یہ وہی ذات ہیں جن کے حوالے سے تم لوگوں نے مجھے ملامت کی ہے۔
۱۳-رنی من رنو، دیکھنا۔مہاۃ، جنگلی گائے،شعرائے عرب معشوقہ کو مہاۃ سے تشبیہ دیتے ہیں گوش چشمی کی وجہ سے جیسے کہ شعرائے ہند معشوقہ کی رفتار کو ہاتھی کی رفتار سے اور کمر کو شیر کی کمر سے تشبیہ دیتے ہیں۔اصل اس کی یہ ہے کہ ہر ملک کے لوگوں کی اپنی مانوسات ہیں جنہیں وہ اپنے اشعار میں استعمال کرتے ہیں۔جن کا ذائقہ وہی لیتے ہیں۔اگرچہ وہ دوسرے ملک والوں کے مذاق کے مطابق بری ہو۔پھر اگر کوئی دوسرا وہ زبان سیکھ لے اور پوری مہارت حاصل کر لے تو بلا ریب اس کا بھی انکار اقرار کا رنگ لے گا،اور جو مزہ اہل زبان پاتے ہیں،وہی مزہ یا اس سے قریب قریب وہ بھی پائے گا۔بید، بیابان۔ماس من میس،خوش خرامی۔بانۃ، ایک درخت جس سے معشوقوں کے قد کو تشبیہ دیتے ہیں۔
جب وہ دیکھے تو جنگلی گائے اس کی تشبیہ ہے اور جب وہ چلے تو سر سبز بان درخت سے اس کی حکایت ہے۔
۱۴-غزالہ، ہرن۔تصرع،من صرع، پچھاڑنا۔قاطبہ،تمام۔اساد جمع اسد،شیر۔
وہ ایسی ہرنی ہے جو پوری طرح شیروں کو پچھاڑتی ہے مگر اس کو جس کی حفاظت سرداروں کے سردار کریں۔
۱۵-کہف، پناہ گاہ
مخلوقات کی پناہ گاہ، کائنات کے امام،ان کے مکرم اور بالخصوص اس کے حامی جسے زمانے کے حادثے نے نشانہ بنایا ہو۔
۱۶-مجد، بزرگی۔یحوی،من حوی،جمع کرنا۔اثیل،موروثی

سید عبد الجلیل جن کی اقتدا کی جاتی ہے۔ ان کی بزرگی اور شرافت آبائی ہے۔ انہوں نے ان سبھی کو اپنے میں جمع کیا ہے۔

۱۷- ملاذ، جائے پناہ، مستند، جائے اعتماد۔ تجزی، کفایت کرنا، قائم مقام ہونا۔

وہ میرے نانا۔ میری جائے پناہ اور میرے استاذ اور میری سند ہیں، مخلوق کو پالنے والا اور مختلف قسم کی بھلائیوں سے انہیں جزا دے۔

۱۸- ناقد، پرکھنے والا۔ محصی، گننے والا۔ متقن، مضبوتی سے پکڑنے والا۔

وہ ایسے علامہ ہیں جو معقول کو پرکھنے والے اور اس میں مضبوط ہیں اور ایسی سمجھ والے جو منقول کی جامع اور اس کو گھیرنے والے ہیں۔

۱۹- تطویہ، لپیٹنا۔ حاشا، کلمۂ تبعید۔ جن اللیل، ڈھانپنا، چھپانا۔

وہ ایسے آفتاب ہیں جو ہمیشہ نور کی بارش برساتے رہے۔ جب بھی اندھیریاں ڈھانپتی، وہ انہیں لپیٹ دیتے تھے۔

۲۰- تلفیہ، مضارع بمعنی پانا۔

وہ ایسے بدر کامل ہیں جس کی روشنی اصلی ہے جو کم نہیں ہوئی اور ساری راتوں میں جیسے وہ اب ہے، اسی طرح پاؤ گے۔

۲۱- اصداف جمع صدف، سیپ۔

وہ ایسا سمندر ہیں جن کا جوہر سیپوں سے بے نیاز ہیں اور وہ ایسی ذات ہیں بلند ہمتی جس کی پرورش کرتی ہے۔

۲۲- تحلی، آراستہ ہونا زیور پہننا۔ اکوان، جمع کون، دنیا۔

وہ صرف اللہ کے تقوے سے مزین تھے اور اللہ نے انہیں کائنات سے بے نیاز کر دیا تھا۔

۲۳- جل، عظیم ہونا۔ یلہی، غافل کرنا۔

اگر شاہ کے دربار میں ان کا مرتبہ بلند ہوا، تو انہیں یہ اللہ سے غافل بنانے والا نہیں ہے۔

۲۴- توارث، پے درپے ہونا۔

پرانے زمانے سے باپ دادا سے شرافت وفضیلت چلی آئی اوران کے بعدان کی اولادمیں باقی رہے گی۔

۲۵-رب، پالنہار، مواہب، عطایا۔ یولیہ، ایلاء، بخشنا۔

آسمانوں اور زمینوں کا مالک قیامت کے دن اعلیٰ قسم کے عطایا سے ان پر احسان فرمائیں۔

۲۶-تشنیف، کانوں میں بالی پہنانا۔

اے وہ سمندر جس نے کانوں کو موتیوں سے زینت دی، جنہیں کاغذ کے کناروں پرتم پاؤگے۔

۲۷-ثری، مٹی، سحبان، ایک فصیح اللسان شخص۔

اگرسحبان مٹی کے پیٹ میں بوسیدہ ہڈی میں تبدیل ہوگیا ہوتو اس جیسے نقوش اس کو زندگی بخشنے والے ہیں۔

۲۸-تملیہ، املا کرانا۔

اورآپ فارس کے تمام شعراء میں بلیغ ترین ہیں اور ہندی زبان میں جوسب سے اچھا کلام ہوسکتا ہے، وہ آپ کا ہے۔ وہ آپ نے لکھوایا ہے۔

۲۹-میرے آقا کوایسا علم ملا جس کی زینت عمل ہے اوروہ عنصر ملا جس کوسیدنا امام حسن کا جوہر آراستہ کئے ہوئے ہے۔

۳۰-نشوۃ، خوشبو۔

ہرن کی آنکھوں نے تقویٰ کے راستے میں ان کی خوشبوتک نہ ملے اگرآپ اس کی رہنمائی نہ فرماتے۔؟

۳۱-تجلی، صیقل کرنا۔

اے احمد کے بیٹے دنیا کے نور! محمد ﷺ تک بزرگوں کی شاخ کوتم نے روشن کردیا۔

۳۲-آپ ایسے عالی نسب اور غیر منقطع نسب میں پیدا ہوئے جن کے اوصاف کا

قلم احاطہ نہ کر سکا۔

۳۳-فخار، نازش، قابل فخر۔

اس لئے کہ بلندیوں کا حاصل ہونا شرف والوں میں بطور وراثت ہے، ایسی باتیں قابل فخر ہیں جن کی ابتدا آپ سے ہے۔

۳۴-سمو، بلندی۔

مخلوق بلند رتبہ دے کر لوگوں کو بلند کرتی ہے، آپ وہ ہیں جس نے اپنی ذاتی خوبیوں سے بلندی پائی ہے۔

۳۵-افلاک، آسمانوں

آپ کی طرح بلند مرتبت کی بنیاد کو کسی نے مضبوط نہیں بنایا، ہاں آسمانوں کی بلندیوں پر آپ ان کی تعمیر کر رہے ہیں۔

۳۶-وسمی، بارش۔

اللہ تعالیٰ اس قبر کو سیراب کرے جس میں آپ جلوہ فرما ہیں، جب تک شاخیں پتوں والی ہیں اور بارش اسے سیراب کرتی رہے۔

۳۷-مدی، انتہائے مسافت۔

مخلوقات میں سب سے بہتر (محمد ﷺ) کے طفیل اے رب! ان کو ہماری طرف سے ایسی رحمتیں کاملہ عطا فرما جو زمانے کی انتہا تک ان کو خوش کرتی رہے

(۵۹) میر محمد جان بلگرامی قدس سرہٗ

علامہ مرحوم میر عبدالجلیل کے سگے چچازاد بھائی ہیں، آپ کا نسب اس طرح ہے: میر محمد جان بن سید معین الدین بن سید عبداللطیف بن سید محمود اصغر بلگرامی قدس سرہٗ۔

سید معین الدین کے فضائل

سید معین الدین زمانے کے عجائبات اور لیل ونہار کی نوادرات میں تھے۔ ہوش وفطرت میں ان کا کوئی نظیر نہیں تھا، علامہ انہیں عقل مجسم کہتے تھے، آخری عمر تک امرائے وقت کے روبرو معزز ومکرم رہے، آپ کے بڑے بھائی میر احمد نواب مکرم خاں کی طرف سے توابع دہلی کے بعض مواضعات کے حاکم تھے جیسا کہ پہلے گزرا، اور یہ بھائی کے ساتھ ان مواضعات کی امینی کی خدمت پر مامور تھے۔ دونوں بھائی اخلاص واتحاد کا ایسا طریقہ اپنائے ہوئے تھے کہ انہیں ایک جان دو بدن کہنا مناسب تھا۔ یہیں سے دونوں بھائیوں کی دیانتداری کا بھی پتہ لگتا ہے کہ ایک کو حاکم بنایا گیا اور دوسرے کو امین۔

جب نواب مکرم خاں صوبہ ملتان کے والی ہوئے تو سید معین الدین کو صوبہ مذکور کی عدالت کی خدمت سپرد کی، سید صاحب نے اس نازک منصب کو سچائی اور درستگی کے ساتھ نبھایا اور شہر کے ادنیٰ واعلیٰ کو آپ نے اپنے عدل واحسان سے از خود راضی کر لیا۔

ملتان ہی میں تیرہویں شعبان ۱۱۰۳ھ میں فردوس بریں کی گلگشت کو چلے گئے، آپ کے فرزند سید کرم اللہ نے جن کا ذکر آرہا ہے آیت کریمہ "یـدخـلـہ جـنـات" سے تاریخ پائی۔ آپ کی قبر اسی شہر میں شیخ موسیٰ جیلانی قدس سرہ کی حریم روضہ میں گنبد مبارک کے دروازے کے زینوں سے متصل بائیں جانب اندر بنی ہے۔ کاتب الحروف نے سفر سیوستان سے لوٹتے وقت ۱۱۴۷ھ میں مرقد شریف کی زیارت اور فاتحہ سے سعادت پائی۔

میر جان محمد اوصاف

میر محمد جان کی ولادت گیارہویں ربیع الآخر ۱۰۸۳ھ میں ہوئی، سید صاحب عالم وفاضل، کلام اللہ کے بے نظیر حافظ وقاری تھے، خط نسخ عمدہ لکھتے تھے، اہل فارس کی صحبت کی وجہ سے فارسی زبان نہایت فصاحت وبلاغت سے بولتے اور

آبدار موتی پروتے تھے، طہارت ونفاست میں کامل تھے، راتوں کو نماز پڑھتے تو اس قدر گریہ وتضرع کی حالت طاری ہوتی کہ درو دیوار پر رقت طاری ہو جاتی، رات و دن نوافل و وظائف کی ادائیگی میں مستغرق رہتے، فرماتے تھے کہ بیس سال سے میری نماز تہجد فوت نہ ہوئی۔ دعائیں اس سوز سے پڑھتے کہ پتھر کا جگر پگھل جاتا۔

حرمین شریفین کی زیارت

۱۱۴۶ھ میں توفیق الٰہی کے جذبے نے انہیں سرشار کر دیا، منصب و جاگیر بادشاہی چھوڑ کر امراء ونعمت دنیا سے دل ہٹا کر، پہلے دار الخلافہ شاہجہاں آباد سے بلگرام آئے۔ اہل وعیال اور قبیلے کے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ دنیا کی نعمتیں اور سکون بہت دیکھا، تمہاری خدمت طاقت بھر کی، اب جبکہ بڑھاپے کی صبح جوانی کی رات سے طلوع ہو رہی ہے، زندگی کا چراغ بجھنے کے قریب ہے، میری خواہش ہے کہ حرمین شریفین اور دوسرے اماکن قدسیہ کی زیارت کے لئے سفر کروں اور بقیہ ایام زندگانی مدینہ طیبہ علی ساکنہا الصلاۃ والتحیۃ میں گذاروں، مناسب یہی ہے کہ آپ حضرات خوش دلی سے اجازت دیجئے اور اس شخص کو جس کے ایام زندگی چند سانسوں سے زیادہ نہیں رہے، اس کو آج اس دنیا سے گزرا ہوا تصور کیجئے۔

حاصل یہ کہ اہل وعیال کو راضی کرنے کی کوشش کی اور اس جماعت پر صبر کی تلخی گوارا فرماتے ہوئے مقصود کی طرف چل پڑے، بندرگاہ ٹھٹھ کا قصد کیا اور ۷ ربیع الآخر ۱۱۴۶ھ میں سیوستان وارد ہوئے۔ کاتب الحروف ان ایام میں وہیں تھا، اٹھائیس کو سیوستان سے آگے روانہ ہو گئے، اس کے بعد پندرہویں جمادی الاولی سال مذکور جس جہاز کو بصرہ روانہ ہونا تھا، اس پر بیٹھ گئے۔ قضا سے جہاز بندرگاہ عباسی کے سامنے ٹوٹ گیا، خلق کثیر اور بیش قیمت مال ناکامی کے بھنور میں پھنس گیا، جہاز کا عملہ ایک چھوٹی کشتی پر جو جہاز کے ساتھ ہوتی ہے، بیٹھ

گیا اور میر صاحب کو بھی اسی کشتی میں لے لیا، جیسے تیسے کشتی سلامتی کی آغوش میں ساحل سے لگی، میر صاحب وہاں سے عازم بصرہ ہوئے، صحراؤں اور دشوار گزار پہاڑوں کو روندتے ہوئے بڑی مشکل سے بصرہ پہنچے، وہاں سے دار السلام بغداد، سامرہ، نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ تشریف لے گئے اور مزارات عالیہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا، جب نادر شاہ نے اپنے عہد میں بدعتی رسومات ایران سے اٹھائے تو آپ تاجروں کے ساتھ مشہد مقدس کی طرف نکل گئے اور امام ہشتم کی زیارت کی، اور بلند رتبہ ہوئے۔

وہاں سے بیت اللہ کا احرام باندھا، مناسک حج وعمرہ ادا کرنے کے بعد فوراً مدینہ سکینہ علیٰ ساکنہا الصلوٰۃ والتحیۃ آگئے اور مرقد مطہر کی زیارت سے سعادت ابدی کی خوشبوئیں سونگھیں، شفاعت مآب ﷺ کا حلقہ اخلاص کے پنجے سے مضبوطی کے ساتھ تھاما، اس بقعہ مبارک میں مرنے کی آرزو لئے قدم شہر سے باہر نکالا۔ نیز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دعا ہمیشہ ورد زبان رکھا: اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلك واجعل موتی فی بلد رسولك " یعنی اے اللہ مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما، اور اپنے رسول علیہ السلام کے شہر میں موت دے۔ آخر کار چند مہینے ہی اس شہر مبارک میں زندہ رہے، اس زمانے میں ہمیشہ صبح تا شام مسجد نبوی میں بیٹھتے اور روضۂ اقدس کے مصاحف موقوفہ کی تصحیح کرتے رہتے، اپنے مقدس اوقات اسی نیک عمل میں صرف کرتے تھے، یہاں تک کہ پندرہویں رجب المرجب ۱۱۴۹ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ شہر مقدس کے دستور کے مطابق آپ کے جنازے کو مواجہ خیر الانام و بیت الحرام و منبر کے درمیان سے گزار کر جنت البقیع لے جایا گیا اور سیدنا عباس وائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے پائینتی چار گز کے فاصلے سے پوربی سمت سپرد خاک کیا گیا، خوشا وہ صاحب دولت جس نے تمام عمر ناز ونعمت میں گزاری اور زندگی کے آخری دنوں میں یہ تمام سعادتیں

اور برکتیں حاصل کیں: ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

علامه آزاد مدینه منوره میں

راقم الحروف مدینہ طیبہ کی اقامت کے زمانے میں ہر جمعہ کو جنت البقیع کی زیارت کو جاتا اور آپ کے مزار شریف کی بھی زیارت کرتا اور فاتحہ پڑھ کر سرمایۂ سعادت جمع کرتا۔

فرمائش پر قصیده

ہندوستان واپس آنے کے بعد فضائل مرتبت بھائی میر محمد یوسف سلمہ اللہ تعالیٰ نے اصرار کیا کہ ایک قصیدہ عربی زبان میں اس مرحوم کے احوال پر مشتمل لکھ دوں، فرمائش پوری کرنی ضروری ہوگئی اور پھر یہ قصیدہ نظم کیا۔

١ –حتى الغمام بساكب هتان ارضا هناك مراتع الغزلان

٢ –وسقى ورود الرابيات كأنها قلل بهن مواطع النيران

٣ –ورعى الاله اباطحا حصباء ها ازرت بدر فى نحورغوان

٤ –وحمى رياضنا اضرمت نسماتها نار الغرام بمهجة الولهان

٥ –واطال عمر ارائك سجعت بها ورق الحمى برقائق الالحان

٦ –وادام ظل الايك ايك خمائل فيها ظفرت بروية الجيران

٧ –وكسا الربيع ربى الحجاز مطارفا مصبوغة بغرائب الالوان

٨ –دوقى مهيمن عصبة من طيبة سكنوا منازل مهجتى وجنانى

٩ –طوبى لقوم هاجروا وتوطنوا تلك الديار معادن الايمان

١٠ –منهم همام بارع متورع نجل النبى سلالة الاعيان

١١ –السيد المقبول جان محمد هوفى الورىٰ كالروح فى الابدان

١٢ –والفاضل المتنسك الممتازفى فى الفارسية اسبق الفرسان

١٣ –سامى مدى فى لهجة عربية فى الفارسية اسبق الفرسان

۱۴–قد لاح خط النسخ من اقلامه	ابهی من الیاقوت والمرجان
۱۵–وانظر الیٰ هذا السواد کانه	بنت البنفسج من اصول بنان
۱۶–وهو المکین علیٰ ارائك ثروة	والمحتظی بمناصب السلطان
۱۷–لما اکتسی بردالمشیب وما ارتجی	من عمره الا یسیر زمان
۱۸–ولی عن الدنیا وقد ترك الحمی	نسبحت علیه عناکب النسیان
۱۹–ومشیٰ الیٰ خیر البقاع مهاجراً	سحبا علی الاهداب والاجفان
۲۰–حتی اذا بلغ المحیط وخاضة	کسرالسفینة طارق الحدثان
۲۱–فطوی مفاوز لا یحل مسیرها	الا لمن یسری علی التکلان
۲۲–واناخ عند البصرة الفیحاء	فالزوراء فبعض مواطن الاحسان
۲۳–زارالمزارات العلیة وارتویٰ	منها وهن مناهل العطشان
۲۴–ثم انثنی وسعیٰ الیٰ ام القریٰ	فاتیٰ و حج البیت ذا الارکان
۲۵–واتی المدینة زائرا لقطینها	صلی علیه مصور الاکوان
۲۶–واقام منزویابها متعبداً	وحوی فیوض الواهب المنان
۲۷–حتی توفی بعد عدة اشهر	واقر فی اعلی قصور جنان
۲۸–والمحتظی الخامس المعدود بعد العشرمن	رجب اجاب منادی الرحمٰن
۲۹–دفنوه عند السبط سبط المصطفی[1]	شرقیه قبة لدی البنیان
۳۰–ولعام رحلته وجدت مؤرخا	ثقلت موازینه من الفرقان
۳۱–لما وصلت الی المدینة زرته	واتیت بتحائف الریحان
۳۲–ودعوت یارحمٰن و ضریحه	وافض علیه سحائب الغفران
۳۳–وارفع مکانته وزد اکرامه	فی حضرة المختار من عدنان
۳۴–صلوا علیٰ هذا النبی وسلموا	ماغنت الاطیار فی الاطبار فی الاغصان

(۱) دفنوه عند ابی محمدن الحسن دوسرے نسخہ میں یہ مصرع ہے۔

حل لغات و تراجم

۱-ساکب، بارش۔ ہتان بہت برسنے والا۔ مراتع جمع مرتع، چراگاہ۔ غزلان جمع غزال ہرن۔

یعنی اس سرزمین پر سخت برسنے والے بادل بھی برسے جہاں پر ہرنوں کی چراگاہ ہے۔

۲-ورود جمع ورد پھول۔ رابیات جمع رابیۃ، ٹیلہ۔ قلیل کم کرنا۔ ہیچ دکھلانا ہواطع، خالص۔

یعنی ان بادلوں نے ٹیلوں کے پھولوں کو سیراب کر دیا اور ان پھولوں کے ذریعہ خالص بھڑکتی ہوئی آگ کو بھی ہیچ کر دیا۔

۳-اباطح جمع بطحی، کشادہ نالہ جس میں کنکر پتھر ہو۔ حصباء، سنگریزہ، کنکری۔ نحور جمع نحر، گردن۔ غوان جمع غانیہ، خوبصورت عورت جو زیب و زینت سے بے نیاز ہو۔ ازرت من ازری، عیب دار بنانا۔

یعنی خدائے تعالیٰ عز و جل ندی و نالوں میں ایسے ایسے سنگریزوں کی حفاظت فرماتا ہے جو (اپنی چمک دمک سے) خوب صورت عورتوں کی گردن میں پڑی ہوئی موتیوں کو بھی شرمندہ کر دیتے ہیں۔

۴-ریاض جمع روض، کیاری۔ حمی، حفاظت کرنا۔ اضرم، بھڑکنا بھڑکانا۔ ولہان، شیدا، دیوانہ۔ نسمۃ، سانس، جاندار۔ الغرام، عشق و محبت۔ مہجۃ، خون دل، ہر چیز کا بہتر و خالص۔

یعنی خدائے تعالیٰ نے ہمارے باغوں کی حفاظت فرمائی جب کہ عاشق کے خون جگر سے تکلیف دہ عشق و محبت کی آگ نے ان باغوں کے جانداروں کو جلا کر رکھ دیا۔

۵-ارائک جمع اراک، پیلو کا درخت۔ ورقاء جمع ورق، کبوتر۔ رقائق جمع رقیق، نرم و نازک۔ الحان جمع لحن، آواز۔ سجع، مقفیٰ کلام بولنا۔

یعنی خدائے تعالیٰ تمہارے پیلو کے درختوں کی عمریں دراز فرمائے، اس پر دوستوں کے کبوتر اپنی نرم و نازک آواز کے ساتھ ترنم ریز ہوں۔

۶-اُیک، لپٹی ہوئی شاخ والی درخت۔خمائل جمع خمیلۃ، نیچی زمین۔جیران جمع جار پڑوس۔
یعنی خدائے تعالیٰ ان لپٹی ہوئی درختوں کے سائے کو ہمیشہ قائم رکھے کہ نشیبی زمین کی یہ وہی درخت ہیں جہاں میں پڑوسیوں کو دیکھنے میں کامیاب ہوا تھا۔
۷-کسا، کپڑا پہنانا۔ربیع، موسم بہار۔مطارف جمع مطرفۃ، چادر۔ربی جمع رابیۃ، ٹیلے۔
یعنی موسم بہار نے حجاز کی وادیوں اور ٹیلوں کو مختلف رنگ برنگی چادریں اڑھادی ہیں۔
۸-عصبۃ، جماعت۔دوق، دُبلا ہونا، بے وقوف ہونا، فساد، تباہی۔مہیمن اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنہ میں سے ایک ہے۔خوف سے امن دینے والا، روزی و موت وحیات کا کفیل۔مہجۃ، روح۔جنان، دل۔
یعنی میری فقیری و عاجزی ہی میری محافظ و کفیل ہے، اور مبارک جماعت نے میری روح اور دل پر قبضہ کر رکھا۔
۹-طوبیٰ، بشارت۔توطنوا، اقامت اختیار کرنا، معادن جمع معدن، کان۔
یعنی اس قوم کے لئے خوشخبری و بشارت ہے جس نے ہجرت کی اور بعد ہجرت ان علاقوں اقامت اختیار کی، جو اسلام وایمان کے معدن ہیں۔
۱۰-نجل، فرزند، ہمام، ہمت ورسخی۔سلالۃ، نسل۔
یعنی انہیں میں سے ایک ذات ایسی ہے جو بہادر، سخی، ماہر، پرہیزگار نجیب الطرفین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندار جمند ہیں۔
۱۱-وریٰ، مخلوق۔
یعنی اور وہ ذات حضرت سید میر محمد جان کی ہے جو ہر دل عزیز ہیں، مخلوق میں وہ ایسے ہی ہیں جیسے کہ جسموں میں روح ہوتی ہے۔
۱۲-متنسک، زاہد وعابد۔
یعنی آپ علم وعرفان میں بلند رتبہ عابد و زاہد فن قراءت میں ممتاز اور حافظ قرآن تھے۔

۱۳-سامی، بلند،
یعنی آپ عربی زبان وادب میں انتہائی عظیم مقام رکھتے تھے اور فارسی زبان میں تو خود اہل فارس پر سبقت رکھتے تھے۔
۱۴-لاح، چمکنا۔
یعنی آپ کے اپنے قلم سے جو خط نسخ ظاہر ہوا ہے، اس کی رونق وچمک یاقوت و مرجان سے بھی زیادہ ہے۔
۱۵-سواد، وجود سیاہی۔اصول جمع اصل، جڑ، بنان سرسبز باغ۔
یعنی اس وجود اور ذات گرامی کو غور سے دیکھو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باغوں میں درختوں کے بیچ گل بنفشہ کھلا ہوا ہو۔
۱۶-ارائک جمع اریکۃ، تخت۔ مختظی، رتبہ والا، خوش قسمت۔
یعنی آپ دولت مندی کے تخت پر جلوہ افروز ہیں اور بارگاہ سلطان میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں۔(۱)
۱۷-اکتسی لباس پہننا۔بردالشیب، بڑھاپا۔ارتجی، امید کرنا۔
یعنی جب آپ نے بڑھاپے کی چادر اوڑھی تو آپ کو اپنی عمر مبارک کی امید نہیں رہ گئی تھی، سوائے تھوڑی زندگی کے۔
۱۸-ولّٰی، منہ پھیرنا۔حمی، دوست۔عناکب، جمع عنکبوت، مکڑی۔نسجت من نسج، بننا۔
یعنی آپ نے ایسی حالت میں دنیا سے منہ موڑ لیا، دوستوں کو چھوڑ دیا، اور نسیان کے مکڑیوں نے آپ پر جالے بن دیئے۔
۱۹-خیرالبقاع، مدینہ منورہ۔اہداب جمع ہدب، پلک۔اجفان جمع جفن، پپوٹا۔

(۱) مصرعہ ثانیہ والمختظی بمناصب السلطان سے ماخوذ لگتا ہے جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ قصیدہ بحر کامل مسدس میں کہا گیا ہے جس کے وزن پر مصرعۂ اولیٰ الخامس یا والخامس المعدود بعد العشر من۔ ہی آئے گا مزید براں لفظ المختظی شامل کرنے سے معنی میں بھی خلل واقع ہوتا ہے جو ظاہر ہے۔ اویسی غفرلہ

یعنی آپ سر اور آنکھوں کے بل چل کر ہجرت کرتے ہوئے حجاز مقدس کو روانہ ہوئے۔
۲۰-محیط ،بحر اوقیانوس۔ طارق الحدثان، رات کا طوفان۔
یعنی جب آپ بیچ سمندر میں پہنچے تو رات کے آنے والے طوفان شدید نے آپ کی کشتی کو توڑ دیا۔
۲۱-طوی ، طے کرنا لپیٹنا۔ مفاوز جمع مفازۃ ، بیابان۔ یسری من سری، رات میں چلنا۔ تکلان ،بھروسہ توکل۔
یعنی پھر آپ نے ان بیابان راستوں کو طے کیا جن پر سفر کرنا آسان نہ تھا مگر اس کے لئے جسے اللہ رب العزت پر مکمل بھروسہ ہے۔
۲۲-فیحاء، لقب بصرہ ودمشق وغیرہ کا۔ زوراء، بغداد۔
یعنی انہوں نے بصرہ میں پھر شہر بغداد میں پھر دوسرے متبرک مقامات پر قیام فرمایا۔
۲۳-ارتوی، سیرابی حاصل کرنا۔ مناہل جمع منہل، پنگھٹ۔
یعنی وہاں آپ نے مقدس بلند رتبہ مزارات کی زیارت اور عرفان کی پیاس بجھائی، کیوں یہ مقامات پیاسوں کے لئے پنگھٹ کی طرح ہے۔
۲۴-انثنی ، پھرنا لوٹنا۔ ام القری، مکہ معظّمہ۔ ارکان جمع رکن، ستون۔
یعنی پھر آپ وہاں سے لوٹ کر مکہ معظّمہ کی طرف رواں دواں ہوئے، اور وہاں پہنچ کر حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کیا۔
۲۵-قطین ،ساکن۔
یعنی پھر آپ مدینہ منورہ تشریف لائے، وہاں کے باشندوں کی زیارت کرتے ہوئے خدائے تعالیٰ عزوجل ان پر درود وسلام عطا فرمائے۔
۲۶-منزوی گوشہ نشیں۔ حوی، جمع کرنا۔ واہب، عطا کرنے والا (اسمائے الٰہیہ سے ہے)
یعنی آپ نے وہاں گوشہ نشیں اختیار کرتے ہوئے عبادت گزاری اختیار کی، خدائے واہب ومنان کے عطایا وبرکات سے مالا مال ہوئے۔

۲۷-قصور جمع قصر، محل۔ جنان جمع جنۃ، جنت۔
یعنی چند مہینوں کے بعد آپ کی وفات ہوگئی، اور جنت کے اعلیٰ عظیم الشان محل میں آرام فرما ہوئے۔

۲۸-منادی، ندا دینے والا۔
یعنی رجب کی پندرہویں تاریخ کو خدائے تعالیٰ کے منادی نے جواب دیا۔

۲۹-سبط، نواسہ۔
یعنی لوگوں نے آپ کو آقائے کائنات ﷺ کے نواسہ کو ان کے نواسے (حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ) کے قریب ہی پورب جانب دفن کردیا، جہاں ایک گنبد بھی بنا ہوا ہے۔

۳۰-رحلت، وفات۔ مؤرخ، تاریخ۔
یعنی ان کی سال وفات کی تاریخ میں فرقان احمد سے پائی اور وہ ہے، ثقلت موازینہ۔

۳۱-تحائف الریحان، پھولوں کا تحفہ۔
جب میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو ان کی قبر مبارک کی بھی زیارت کی اور بوقت زیارت ان کی قبر مبارک پر پھولوں کے تحائف بھی ڈالے۔

۳۲-روی، سیراب کرنا۔ ضریح، مزار۔
یعنی میں نے دعا کی کہ اے اللہ رب العزت تو ان کے مزار کو سیرابی عطا کر اور اس پر رحمت و بخشش کی بارش برسا۔

۳۳-زد من زیادۃ، اضافہ کرنا۔ حضرۃ، بارگاہ۔
یعنی اور جنت میں حضور ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں ان کے مرتبہ کو بلند فرما اور ان کی عزت و اکرام کو بڑھا۔

۳۴-اطیار جمع طائر، پرندہ۔
یعنی اے مسلمانو! آقائے کائنات ﷺ پر درود و سلام بھیجتے رہو جب تک شاخوں پر پرندے چہچہاتے رہیں۔

(۶۰) سید کرم اللہ بن سید معین الدین قدس سرہٗ

میر جان محمد مذکور کے برادر حقیقی ہیں ۔ آپ کی ولادت ۱۰۸۷ھ میں ہوئی، اوصاف حمیدہ واخلاق پسندیدہ کے مالک تھے، فضیلت سے کافی حصہ رکھتے تھے، کتب حدیث وسیرت میں اکثر مشغول رہتے تھے، بڑھاپے کے عالم میں پورے شوق سے کلام اللہ حفظ کیا۔ تقویٰ وصلاح، سخاوت وشجاعت جیسے پسندیدہ اوصاف میں یکتا رہے، مدتوں دریائے علوم میر عبدالجلیل کی طرف سے بخشی گری ووقائع نگاری سرکار سیوستان کی نیابت کی، آخر کار ایک تقریب میں پنجاب گئے اور دو محرم بروز جمعہ بعد نماز عصر ۱۱۳۴ھ میں سیالکوٹ کے علاقے میں کہ وہاں کے کافروں کے ہاتھوں جو وہاں قابض ہو گئے تھے، شہادت کا خوشگوار جام سعادت پیا، اور اسی شہر میں بروز ہفتہ درگاہ حضرت امام الحق جو امام زین العابدین علیہ السلام کی ذریت طیبہ سے ہیں اور وہاں کے صاحب ولایت ہیں، مدفون ہوئے۔

تعمیر مسجد

میر کرم اللہ مرحوم نے ایک عالیشان مسجد سیوستان میں بنائی اور اعمال خیر کا ایک نشان چھوڑا، یہ مسجد حویلی سوانح نگاری کے پہلو میں دریائے سندھ کے دہانے پر درگاہ شیخ جمعہ قدس سرہ سے متصل ہے۔ سیوستان، بلاد سندھ کے مشہور شہروں میں ہے، مخدوم لعل شاہباز قدس سرہ اسی شہر میں آسودہ ہیں۔

اب فقیر مخدوم صاحب کے مختصر حالات اس جگہ قلمبند کرتا ہے تاکہ جو بعض اباحتیوں نے گمان کیا ہے، اس کے برعکس مخدوم کی بزرگی وتقدس جلوہ افروز ہو۔

(۶۱) مخدوم لعل شاہباز حسینی مرندی سیوستانی قدس سرہٗ

راقم الحروف نے مولانا محبّ علی ٹھٹھوی کی تحریر جو بزرگان زمانہ سے تھے اور جن کا ذکر شاہناموں اور تاریخ کی دوسری کتابوں میں مذکور ہے، مشاہدہ کی۔ عبارت یہ ہے ''حضرت مخدوم لعل شاہباز قدس سرہ اسم شریف وی عثمان است'' یعنی حضرت مخدوم لعل شاہباز قدس سرہٗ کا اسم شریف عثمان ہے۔ اور فقیر نے بھی ایک سنگ سیاہ کی تختی پر یہ لکیریں کندہ دیکھی تھیں۔ ''شیخ عثمان مرندی قطب دین باز سپید و مرند بفتح میم ورائے مہملہ وسکون نون و دال مہملہ قریۂ ایست از قرائے تبریز'' یعنی شیخ عثمان مرندی دین کے قطب سفید باز ہیں۔ لفظ مرند میم کے زبر راء مہملہ اور نون ساکن، دال مہملہ تبریز کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے۔ انتہی

آپ کا نسب شریف تیرہ واسطوں سے امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے، صاحب ''تذکرۂ مشائخ سندھ'' لکھتے ہیں:-

''مولد و منشاء حضرت مخدوم مرند است۔ بعد رسیدن بہ مرتبۂ رجال بہ خدمت بابا ابراہیم کہ مرید شیخ جمال مجرد بود، ارادت آورد و مدت یکسال در خدمت آں صاحب کمال بودہ بہ مرتبۂ تکمیل رسید و خرقۂ خلافت واجازت یافت وحصور و مجرد زیست و آخر بہ ہندوستان تشریف آورد و خدمت شیخ فریدالدین گنج شکر و شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی دریافت، و با شیخ صدر الدین عارف صحبتہا داشت و در سیوستان رحل اقامت افگند''۔

یعنی حضرت مخدوم علیہ الرحمہ کی جائے پیدائش و تربیت مرند ہے۔ جب آپ جوان ہوئے تو شیخ جمال مجرد کے مرید بابا ابراہیم علیہما الرحمہ سے مرید ہوئے پیرومرشد کی بارگاہ میں تقریباً ایک سال رہ کر مرتبۂ کمال حاصل کیا۔ اور خلافت و اجازت سے بھی نوازے گئے۔ آپ نے مجردانہ (بغیر شادی) زندگی گزاری، آخر

میں ہندوستان تشریف لائے اور شیخ بابا فرید گنج شکر اور شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملاقات کی اور شیخ صدرالدین عارف علیہ الرحمہ کے ساتھ مدتوں رہے، اور سیوستان میں قیام پذیر ہوئے۔

ضیاء برنی ''تاریخ فیروز شاہی'' میں کہتا ہے:۔(۱)

ترجمہ

جب آپ ملتان تشریف لائے تو خان شہید یعنی سلطان محمد قاآن جس کو آپ سے بڑی عقیدت ومحبت تھی، بڑی نیازمندی کے ساتھ آپ سے پیش آیا اور نذروانعامات دیئے اور بہت اصرار کیا کہ آپ یہیں ملتان قیام فرمائیں۔آپ کے واسطے خانقاہ تعمیر کروادیں گے، لیکن آپ کو وہاں ٹھہرنا پسند نہ آیا۔ایک روز خان شہید نے حضرت شیخ صدرالدین عارف وحضرت شیخ عثمان شہباز علیہما الرحمہ کو مجلس میں بلایا اور عربی غزلوں کا دور شروع ہوا۔دونوں بزرگ اور چند دوسرے درویش رقص وسماع میں مشغول ہوئے اور خان شہید دست بستہ کھڑا زار زار رو رہے تھے۔

علامہ آزاد کا خواب

جب دس ربیع الاول ۱۱۴۳ھ میں راقم الحروف شہر سیوستان پہنچا، تو میر سید محمد جان نے بخشی گری ووقائع نگاری تفویض کر کے خود بلگرام کے لئے روانہ ہوئے۔ چند ہی دنوں بعد خدمت سے معزولی سامنے آگئی اور گرد وملال فقیر کے حاشیۂ دل پر بیٹھ گیا، ایک رات عالم خواب میں دیکھتا ہوں کہ کسی شہر کی ایک گلی سے گزر رہا ہوں، ایک شخص سامنے آیا، میں نے ان سے پوچھا کہ آگے گلی جارہی ہے؟ اس نے جواباً عربی زبان میں کہا سیلقاك رجال۔یعنی عنقریب تجھے چند حضرات ملیں گے، چند قدم آگے چل کر دیکھتا ہوں کہ تین مشائخ اہل سندھ کی وضع قطع میں

(۱) حضرت شیخ صدرالدین عارف حضرت زکریا ملتانی کے لڑکے ہیں، (تاریخ فرشتہ ج ا ص ۱۲۱، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ م)

ایک مکان میں بیٹھے ہوئے ہیں، ان میں ایک مقتدا ہے، نزدیک پہنچ کر میں نے سلام کیا اور شیخ مقتدا کے سامنے ادب سے دوزانو ہوکر بیٹھ گیا اور سوال کیا کہ ہماری خدمت بحال ہو گی؟ اتنا سنتے ہی مراقبہ فرمایا بعد مراقبہ فرمایا۔ کہ بحال ہو گئی۔ میں نے پوچھا یہ کیسے؟ فرمایا کہ ہم جو کہتے ہیں، آخر ایک سال بعد خدمت بحال ہوگئی اور شیخ کے قول کی صحت ظاہر ہوگئی، ایسا معلوم ہوا کہ بشارت فرمانے والے وہ بزرگ حضرت لعل شاہباز قدس سرہ ہی ہیں اور ایک لمحہ کامل کا مراقبہ، ایک سال کامل کیطرف اشارہ تھا۔ آنحضور کی وفات اکیسویں شعبان ۱۱۷۳ھ میں ہوئی۔

(۶۲) روح الامین خاں قدس سرہٗ

بلگرام کے شیوخ عثمانی ساکن محلّہ قاضی پورہ سے ہیں، روح القدس کے تائید یافتہ تھے۔ فنون عربی و فارسی و ہندی میں یکتائی کا ڈنکا بجاتے تھے۔ خوبصورتی و نیک سیرتی کی خوشبو سے دماغوں کو معطر فرمادیتے، بہت ظریف طبع، خوش زبان، لطیفہ سنج تھے۔ قوت حافظہ کے کمال سے مسائل علمی کا استحضار اور تینوں زبانوں کے اشعار و حکایات نیز لمبے لمبے قصیدہ اور مثنویاں یاد رکھتے تھے۔ جس فن کا بھی سوال کیا جاتا تو حاضر جوابی سے لب کشائی کرتے۔ سید العارفین میر سید لطف اللہ قدس سرہ سے بیعت کی سعادت سے مشرف تھے۔ آپ فضائل معنوی کے ساتھ ساتھ ظاہری دولت سے بھی کافی سرمایہ رکھتے تھے اور سخاوت و شجاعت کا ڈنکا بجاتے تھے۔ ہمیشہ صاحب طبل و علم، اور نوکر چاکر کی صورت میں رہتے تھے۔ وطن اور علاقے کے لوگوں، اپنوں اور بیگانوں سب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ چند دنوں تک صوبہ پنجاب کے ۲۲ر عمدہ عمدہ مواضعات پر، جن میں سیالکوٹ اور جالندھر بھی شامل تھے، حکومت کرتے رہے

۔ چند دنوں تک صوبہ اودھ کی صوبہ داری کی نیابت انجام دی، آخر برہان الملک سعادت خان نیشاپوری ناظم صوبہ اودھ کی رفاقت اختیار کرلی، ملازمت کے باوجود کسی وقت کتاب کی مشغولیت سے غافل نہ رہے، انتہائی عمر میں، جب کہ عمر شریف ۷۰ رسال سے متجاوز تھی، صحیح بخاری و صحیح مسلم کی کتابت کی، اور حاشیے لگائے، حدیث شریف کی خدمت میں عجیب استغراق پیدا کیا۔

آخر کار پندرہویں ذی القعدہ بروز سہ شنبہ ۱۱۵۱ھ میں والی ایران نادر شاہ کے ساتھ ہندوستانی جنگ میں جو شہر کرنال میں ہوئی، شجاعت و مردانگی کا ثبوت دیتے ہوئے شہادت کا جام پی لیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ نظام الدین احمد صانع بلگرامی جو آپ کی اولاد سے ہیں، لکھتے ہیں ۔

۱- شیر افگن صف شکن روح الامیں خاں آنکہ او　　نقش اعداء بہ تیغ از لوح ہستی کرد حک
۲- ترکتاز او اگر مریخ دیدے روز رزم　　آب کشتی زہرہ اش از بیم براوج فلک
۳- بسکہ لی بخشید زر باجبہٴ واوست او　　حاتم ثانی اگر گویم نباشد ہیچ شک
۴- عالم تفسیر قرآن و حدیث مصطفیٰ　　ظاہرش انساں شمارو باطنش او ہمچوں ملک
۵- بود عثمانی نثر ادو مولد او بلگرام　　درسخن کامل عیار و نقد معنیٰ را محک
۶- شد بہ رزم شاہ ہندو خسرو ایراں شہید　　ریخت شور ماتمش برجان افکاران نمک
۷- سال تاریخش نوشتم صوری و ہم معنوی　　سال ہجرت، بدہزار و یکصد و پنجاہ و یک

۱- روح الامیں خان کی ذات شیر کو پچھاڑنے والی، صف شکن ذات ہے۔ جنہوں نے دشمنوں کے نام ونشان کو صفحہٴ ہستی سے کھرچ کر مٹادیا۔
۲- اگر جنگ کے روز مریخ ستارہ ان کے حملے کو دیکھ لیتا تو اس کی پیشانی بھی آسمان کی بلندی پر خوف سے عرق آلود ہوجاتی۔
۳- بہت مرتبہ انہوں نے کشادہ پیشانی کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے سخاوت کی۔ اگر ان کو حاتم ثانی کہیں تو اس میں کسی کو اعتراض نہ ہوگا۔

۴-علم تفسیر وعلم حدیث میں ماہر، آپ کا ظاہر تو انسان ہے لیکن باطن میں فرشتہ صفت ہیں۔
۵-وہ عثمانی خاندان کے تھے بلگرام ان کا وطن، تھا کلام میں کامل چاشنی اور معنی کی پرکھ کی کسوٹی تھے۔
۶-شاہ ہند اور خسرو ایران کے درمیان کی جنگ میں شہید ہوئے۔ان کے ماتم کے شور نے زخمی جانوں پر نمک چھڑک دیا۔
۷-میں نے ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے ان کے وصال کی تاریخ لکھی،۱۱۵۱ھ ہے۔

شعر گوئی

چونکہ طبیعت میں موزونی تھی اسی وجہ سے نظم کی طرف بھی متوجہ ہوگئے تھے۔
یہ دو شعر انہیں کے ہیں۔

۱-در سایۂ مژگاں رخ یار است بہ بینید آسائش گل در تہ خار است بہ بینید
۲-ہر اشک کہ گل کرد زنوک سر مژگاں منصور صفت برسر دار است بہ بینید

یعنی ۱- دیکھئے پلکوں کے سائے میں محبوب کا چہرہ ہے، دیکھئے پھول کا آرام کانٹوں کی تہہ میں ہے۔
۲- پلکوں کی نوک سے جو آنسو ظاہر ہوا، وہ منصور کی طرح سولی کے سر پر ہے دیکھتے رہیئے۔

(۶۳)سید عبدالواحد بلگرامی قدس سرہٗ

سید عبدالواحد بن سید خلیل بن سید محمد اعظم بن سید محمود اصغر قدس سرہٗ۔ بالاتفاق آپ خداداد فیض کے مالک اور مادرزاد ولایت رکھنے والے ہیں، آپ کی ولادت ۱۰۹۵ھ میں ہوئی۔

ابتدا میں بعض فضلائے عصر سے تلمذ کا شرف حاصل کیا، استاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی قدس سرہ سے استفادہ کیا اور لائق فاضل بن کر نکلے۔ شاطبیہ کو یاد

کیا، تقویٰ وعبادت کا راستہ منتخب کیا، ایک صبح سے دوسری صبح تک سوائے فرائض و نوافل، تلاوت قرآن مجید ومطالعہ کتاب اور سلوک راہ الٰہی کے کوئی دوسرا کام نہ جانتے تھے۔ حق یہ کہ آدمی کی صورت میں فرشتہ تھے اور اخلاق الٰہی سے مزین تھے۔ پوری عمر کوئی صغیرہ گناہ بھی ان کے پاس نہ پھٹکا ہوگا تو کبیرہ کا کیا گزر۔

ایک مرتبہ آپ کے خادم نے ایک مٹھی تنکا پڑوسی کے گھر کی چھپر سے لے لیا اور آگ جلا کر کھانا پکایا۔ آپ نے کھانا نہیں کھایا کہ مٹھی بھر تنکے بغیر پڑوسی کی اجازت کے لئے گئے ہیں۔

۲۳؍ رمضان بروز بدھ ۱۱۶۱ھ میں دار الخلافہ شاہجہان آباد (دہلی) میں نزہت کدۂ فردوس میں جا بسے، اور باغ مومن خان میں جو آثار شاہ مرداں کے پڑوس میں ہے، مدفون ہوئے۔ راقم الحروف کہتا ہے۔

۱۔ سید مجمع علم وعمل — در ریاضت ہمچو ماہ نو تمام

۲۔ ہاتفے فرمود سال رحلتش — رفت عبدالواحد قدسی مقام

۱۱۶۱ھ

۱۔ سید صاحب علم وعمل کے جامع، ریاضت میں کامل ماہ نو کی طرح تھے۔

۲۔ ان کے وصال کے سال کے لئے ہاتف نے کہا قدسی مقام عبدالواحد چلے گئے۔

کتابوں کی کتابت

سید صاحب خط نسخ بہت ہی شیریں لکھتے تھے۔ کلام اللہ کے بے شمار نسخے اور بے شمار کتابیں اپنے قلم جواہر رقم سے تحریر فرمائیں، زندگی کے آخری دنوں میں کتاب نہج البلاغۃ لکھ کر سعادت حاصل کی، وطن میں اقامت کے بعد راقم الحروف کے لئے شافیہ ابن حاجب کی کتابت فرمائی، فقیر نے کتاب کے نیچے یہ عبارت تحریر کی۔ "انجزت بحمدالله سبحانه هذه النسخة المسماة بالشافية وهی لاعلاء قوانين الصرف شافية للشيخ العلامة

ابو عمرو عثمان بن الحاجب الذی ثناؤه علی متعاطی هذه الصناعة واجب تغمده الله بالرحمة الواسعة وادخله فی الجنان محلا واسعا استکتبها عن السید البارع والنور الساطع حافظ کلام الله الجلیل السید عبد الواحد بن السید خلیل وانا العبد الملتجی الیٰ ربه السامی غلام علی الحسینی الواسطی البلگرامی اللهم اغفر لی ولوالدی وللمؤمنین والمؤمنات بالنبی العربی صاحب الشفاعات وصل وسلم علیه و علیٰ اٰله الاطهار وصحبه الاخیار"۔

یعنی شافیہ (علم صرف کی کتاب) کا یہ نسخہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ پورا ہوا، جو علم صرف کے قاعدوں کیلئے شافی ہے۔ یہ تصنیف علامہ شیخ ابو عمرو عثمان بن حاجب کی ہے جن کی تعریف اس قلم کے لینے والے پر واجب ہے۔ اللہ موصوف کو اپنی وسیع رحمت میں ڈھانپ لے اور انہیں کشادہ محل اور باغات میں داخل فرمائے، میں سید بارع اور نور ساطع اللہ کے کلام کے حافظ سید عبدالواحد بن سید خلیل سے اس کتاب کے لکھنے کی فرمائش کی تھی۔

میں اپنے رب کی طرف التجا کرنے والا غلام، غلام علی (آزاد) حسینی واسطی بلگرامی ہوں، اے اللہ! میرے والدین اور تمام مومنین و مومنات کی عربی نبی ﷺ شفاعت والے کے طفیل گناہوں کو بخش دے اور ان پر ان کی پاک آل پر اور انکے اخیار اصحاب پر درود وسلام نازل فرما۔

(۶۴) سید محمد اشرف معروف بہ سید درگاہی قدس سرہٗ

سادات حسینی سے ہیں اور بلگرام کے رہنے والے ہیں، آپ کا نسب اس طرح ہے: سید محمد اشرف بن سید عبدالدائم بن سید احمد بن سید عبدالفتاح بن سید

فرید الدین بن سید محمد بن سید عبد القادر بن بندگی سید حسن بن سید محمد بن سید قاسم بن شاہ حسین بن شاہ اسمٰعیل بن سید برہان الدین بن سید تاج الدین بن سید عبد الحمید بن سید نعمان بن سید حمزہ بن سید حسین بن مخدوم سید احمد زاہد بن سید حمزہ بن سید ابا بکر بن سید عمر بن سید محمد بن مخدوم سلطان احمد تختہ بن سید علی بن سید حسین بن سید محمد مدنی معروف بہ شاہ ناصر مدفون ترمذ بن سید حسن خمیص بن سید موسیٰ خمیص بن سید علی بن امام حسن اصغر بن امام زین العابدین علی بن امام حسین سبط رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آپ کے اجداد میں ترمذ سے پہلے پہل جو شخص ہندوستان آیا، وہ سید احمد تختہ بضم تائے فوقانی وخائے معجمہ وتائے فوقانی ہیں۔ ہندوستان پہنچنے کے بعد لاہور میں اقامت پذیر ہوئے، اور وہیں دار آخرت کا سفر فرما گئے، ان کے فرزندوں میں سید محمد بن سید قاسم قنوج میں آ کر اس وقت مقیم ہوئے، جب شیر شاہ نے شیر گڑھ کو داعی پور سے متصل آباد کیا اور سادات بخاری اور شہر قنوج کے دوسرے شرفاء کو وہاں آباد ہونے کے لئے آمادہ کیا۔

سید محمد قدس سرہ قنوج سے شیر گڑھ جا کر بس گئے، پھر بہت جلد ہی افغانوں سے حکومت چھین کر تیموریوں کو واپس ملی، تو قنوج کے لوگ وطن اصلی لوٹ آئے۔ سید محمد قدس سرہ نے فرمایا: ہم فقیر ہیں، یہی صحرا ہمارے حال کے مناسب ہے اور وہیں ٹھہرے رہے۔ مگر وفات کے بعد جسد مبارک قنوج لا کر دفن کی گئی، ان کے صاحبزادے بندگی سید حسن قدس سرہ نے ایک عظیم مسجد شیر گڑھ میں بنائی، اس کی تاریخ ''خیر المکان'' ہے، سخی وجواد تھے، لنگر عام جاری رکھتے تھے، ان کی قبر داعی پور میں ہے، سید فرید الدین بن سید محمد بن سید عبد القادر بن بندگی سید حسن مذکور قدس سرہ داعی پور سے بلگرام آئے اور یہیں رہنے لگے، اس وقت سے آپ کی ذریت طیبہ خطہ ٹکرا محلہ میدانپورہ میں آباد ہے۔

سید اشرف درگاہی علامہ مرحوم میر عبدالجلیل واستاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی کے خاص دوستوں میں ہیں۔ معانی کی صورتوں کا آئینہ اور فضائل انسانی کے دائرے کا مرکز تھے۔ سلف صالحین کا طریقہ شعار اپنائے ہوئے تھے، آپ کی جبین مبین سے بزرگی کی کرنیں چمکتی تھیں، آپ کی ولادت ۱۰۷۴ھ میں ہوئی۔ فرمایا کہ بندہ کی تحصیل علم کا باعث علامہ میر عبدالجلیل ہیں۔ اس کے بعد جب کہ میں صاحب اہل وعیال ہوگیا، کسب علم کی ترغیب دلائی۔ میں نے کہا اب جبکہ مرحلۂ شباب سے آگے قدم بڑھا چکا ہوں، کیا حاصل ہوگا؟ وہ مصر ہوئے اور فرمایا کہ ضرور نفع بخش ہوگا۔ مختصرات خود پڑھائیں اور شرح ملا (جامی) سید نور اللہ برادر سید العارفین قدس اللہ اسرارہما کے پاس پڑھی، نیز مختصر المعانی، حاشیہ خطائی اور شرح وقایہ کی تین جلدیں، شرح ہدایہ الحکمۃ اور معقولات کی کتابیں میر سید سعد اللہ بلگرامی کے حلقۂ درس میں پڑھیں، کتب مناظرہ ملا شہاب الدین چوبی پوری کی خدمت میں تحصیل کیں، جو علمائے وقت اور ملا باسو جائسی کے تلامذہ سے تھے، اس کے بعد نوکری کرلی۔

آپ کا خط بہت شیریں تھا، علامہ کے طرز پر مشق کرتے تھے۔ ایام طالب علمی میں شرح وقایہ اپنے ہاتھ سے تحریر فرمائی، اول تا آخر بدقت تمام حاشیہ لگایا اور اپنا نفع بخش نشان چھوڑ گئے ریاضت وعبادت میں درجۂ کمال کو پہنچ گئے تھے۔ باوجودیکہ اکثر عمر سفر کی حالت میں گزاری، مگر کبھی تہجد کی نماز ہاتھ سے نہ جانے دی۔

جس وقت روزی کی تلاش میں وطن مالوف سے باہر نکلے تو پہلے شاہزادہ محمد اعظم بن خلد مکاں عالمگیر کی محفل میں باریاب ہوئے اور معتمد ملازمین کی صف میں شامل ہوگئے، پھر چند دنوں نواب مبارز الملک سربلند خاں اتونی کی رفاقت میں پورے امتیاز کے ساتھ زندگی بسر فرمائی، عمدہ عہدوں سے نوازے گئے۔

گیارہویں صدی کے بعد پانچویں دہائی کے آخری دنوں میں نواب صفدر

جنگ کی رفاقت اختیار کر لی جو بعد میں احمد شاہ کا وزیر منتخب ہوا، اور چھٹی دہائی میں جبکہ عمر گرامی قریب نوے سال کی تھی، خود کو ملازمت سے الگ کر کے دیار بلگرام آ گئے اور گوشہ نشیں ہو گئے۔ ہمیشہ اوقات گرامی سامان آخرت کے وظائف میں صرف کرتے تھے، صوم و صلوٰۃ، تلاوت قرآن و مطالعۂ تفسیر و حدیث و تصوف میں مشغولیت رکھتے تھے۔ کبر سنی اور قویٰ کی کمزوری کے سبب سے کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رہ گئی تھی۔ عصا کے سہارے یا کسی دوسرے کی اعانت سے اٹھتے تھے۔ عیدین کے روز سوار ہو کر محلّہ میدانپورہ کی جامع مسجد میں پہنچتے، حاضرین سے ملاقات کرتے اور کہتے کہ اگر چہ نماز عیدین عذر شرعی کی وجہ سے مجھ سے ساقط ہے پھر بھی اس دن بڑی مشقت سے حاضر ہوتا ہوں، نیت یہ ہوتی ہے کہ نماز با جماعت میسر آ جائے اور دوستوں سے ملاقات ہو جائے، اللہ جانے آئندہ سال پاؤں گا یا نہیں۔

آخر نویں صفر ۱۱۶۵ھ کو ۹۱ رسال کی عمر میں دامن، غبار جسمیت سے جھاڑ گئے، اور عالم روحانیت کی سمت توجہ کر لی، اوراق کا مصور کہتا ہے ؎

۱- میر اشرف سر آمد فضلا — برد تشریف سوئے منزل قدس
۲- ہاتفے گفت سال رحلت او — ''اشرف واردان محفل قدس''

۱۱۶۵ھ

یعنی ۱-فضلا کے سردار میر سید اشرف، پاک منزل کی طرف تشریف لے گئے۔
۲-ایک ہاتف نے ان کے انتقال کے سال کے لئے یہ کہا، قدس کی مجلس میں اترنے والوں میں اشرف ہیں۔

آپ کے دونوں صاحبزادوں میر عبد الواحد اور بندگی حسن کا تذکرہ دفتر شعراء (سرو آزاد) میں آئے گا۔

(۶۵) میر سید محمد (سلمہ اللہ تعالیٰ) قدس سرہٗ

آپ علامہ مرحوم میر عبد الجلیل بلگرامی قدس سرہ السامی کے صاحبزادے ہیں، آنجناب چودہویں ربیع الاول بروز منگل بعد نماز ظہر ۱۱۰۱ھ میں انجمن امکان (دنیا) میں جلوہ فرما ہوئے، بمصداق الولد الحریقتدی بآبائه الغر۔ علوم کے نسخۂ جامع اور والد مرحوم کے کمالات کا آئینہ ہیں، خصوصاً عربی، لغت اور تاریخ کے فنون میں بڑی دستگاہ رکھتے ہیں اور اہل زمانہ سے سبقت رکھتے ہیں۔

کتب درسی استاذ المحققین میر طفیل محمد بلگرامی کے پاس پڑھی، اور بے انتہا کمالات حضرت والد سے جمع کئے ہیں، والد گرامی کو فرزند ارجمند کی نسبت، باپ ہونے کے علاوہ خاص محبت وعنایت تھی۔ جس زمانے میں کہ علامہ بھکر سے دار الخلافہ شاہجہان آباد لوٹے تو میر سید محمد کو اپنے پاس طلب فرمایا، اس کے پیچھے ہی ایک تیز رو (قاصد) کو بھیجا کہ تھوڑے دنوں اور توقف کرو اور دوبارہ بلاوے کا انتظار کرو۔ انہوں نے جواب میں تحریر فرمایا کہ لن ابرح الارض حتی یاذن لی ابی۔ یعنی اپنی جگہ سے ہرگز نہیں ہٹوں گا، یہاں تک کہ میرے والد ماجد اجازت عطا فرمائیں۔ علامہ اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور یہ رباعی کلک گوہر رقم سے لکھ بھیجی۔

۱- تا یاذن لی ابی بخطت دیدم گلہائے طرب از چمن دل برچیدم

۲- از غایت اہتزاز پروانہ صفت اے شمع پدر گرد سرت گردیدم

یعنی ۱- جب میں نے تمہارے خط میں حتیٰ یاذن لی ابی دیکھا تو دل کی باغ سے خوشیوں کے پھول چنے۔

۲- میں نے پروانے کی طرح جھوم جھوم کر اے شمع پدر تیرے تصور کے گرد چکر لگائے۔

سرکار بھکر و سرکار سیوستان کی خدمت بخشی گری و وقائع نگاری و سوانح نویسی

جو خلد مکان عالمگیر کے زمانے سے محمد فرخ سیر کی سلطنت کے آخری دنوں تک علامہ کے نامزد تھی، وہ اپنے حیات ہی میں خود مستعفی ہو کر سلطنت کی طرف سے فرزند ارشد کے نام مقرر کرا لیا۔

جناب میر سید محمد ۱۱۳۳ھ میں خلد مکان کی خدمت میں پہنچے اور ابتدا تا انتہا رعایت اور حسن برتاؤ کے دستور کے موافق رونق بخشتے رہے، کہ اب تک وہاں کے ادنیٰ و اعلیٰ اور شریف لوگ یاد کرتے ہیں اور ذکر خیر اور وصف جمیل کی تسبیح پھراتے ہیں، آنجناب ۱۱۴۳ھ میں کاتب الحروف کو سیوستان میں نائب بنا کر خود بلگرام تشریف لے گئے، چند روز وطن میں گزار کر اس رکاوٹ کی بنیاد پر جو خدمت کی راہ میں ہوئی تھی، دار الخلافہ دہلی چلے گئے، اور بعض امراء کے توسل سے خلل رکاوٹ دور کیا، ۱۱۴۵ھ میں دوبارہ سیوستان تشریف لے گئے، فقیر کو ۱۱۴۷ھ کے وسط میں ہندوستان جانے کا حکم فرمایا اور خود مراسم خدمت پر بدستور قائم ہو گئے، یہاں تک کہ جب نادر شاہ دیار سندھ پر مسلط ہو گیا، اور بادشاہی کا سر رشتہ توڑ ڈالا تو بھی خدا یار خاں حاکم سندھ نے آنجناب کو نہ چھوڑا، پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ حفاظت کرتا رہا اور مناسب خدمات بجا لاتا رہا۔

جب نادر شاہیوں کا ہنگامہ اس علاقے میں گرم ہو گیا اور ملک کی سیاست پرانے طرز پر قائم نہ رہی، تو خاطر اقدس وہاں کی اقامت سے اچاٹ ہو گیا، ناچار ہو کر بزور، خدا یار خاں سے رخصت لے کر ۲۵ رمضان ۱۱۵۵ھ میں سیوستان سے نکل پڑے اور مارواڑ ہوتے ہوئے وطن کی راہ لی، منزلیں طے کرتے ہوئے ۲۷ محرم الحرام ۱۱۵۶ھ میں بلگرام پہنچ کر مسرت حاصل کی۔

مخفی نہ رہے کہ ۱۱۱۶ھ میں راقم الحروف کی پیدائش کے سال بھکر اور سیوستان کی خدمات بارگاہ خلد مکان کی طرف سے علامہ مرحوم سے متعلق ہوئیں، اور ہمارے خاندان ہی کے لوگ اصالۃً و نیابۃً ان خدمات پر قائم رہے، ابتداء

میں علامہ خود بھکر میں بیٹھے رہے اور سید محمد اشرف بن سید عبدالعزیز کو جو آپ کی دامادی کے شرف سے مخصوص تھے، سیوستان میں اپنا نائب بنایا، چند دن کے بعد میر محمد اشرف کو وطن جانے کی اجازت فرمائی اور میر کرم اللہ بن سید معین الدین اپنے عم زاد کو سیوستان کی نیابت تفویض کی، یہاں تک کہ خدمات سے معزولی پیش آگئی، علامہ نے خود کو حضور خلافت میں پہنچا کر خدمات کو بدستور سابق بحال کرایا، اور شیخ محمد رضا بھکری کو لکھا کہ خدمات انجام دیں، ان کے پیچھے مؤلف اوراق کے والد سید محمد نوح کو روانہ فرمایا، فقیر کے والد تقریباً سات سال بھکر اور سیوستان کی نیابت میں مشغول رہے، جب خدمات سید محمد کے نام مقرر ہوئیں تو آپ وہاں تشریف لے گئے اور حضرت والد وطن لوٹ آئے، چند دنوں کاتب الحروف نے خانصاحب اقبال کی نیابت کی، جیسا کہ مذکور ہوا، چالیس سال کے بعد زمانے کی شعبدہ بازی ختم ہوئی اور ہمارا خاندان ملک سندھ سے جدا ہو گیا اور تعلق بالکل ختم ہو گیا۔ ذالك تقدير العزيز العليم

جناب میر سید محمد ظاہری و باطنی فضیلتوں، عادات حسنہ و خصائل مرضیہ میں ممتاز ہیں۔ صدق و صفا، ظاہر و باطن کی یک رنگی میں بے بدل ہیں، خصوصاً ہمت و سخاوت کا جوہر انتہائی درجہ کو پہنچا ہوا ہے، سید العارفین قدس سرہ سے مرید اور رب العلمین کی بارگاہ میں مقبول ہیں، اپنے اوقات مطالعۂ کتاب سے معمور رکھتے ہیں، نیز کتب حقائق جیسے فتوحات مکیہ وغیرہ اکثر مطالعہ کرتے رہتے ہیں، ۱۱۵۵ھ میں کتاب مستطرف جو فن ادب میں ایک کتاب ہے، اس کا دل پذیر انتخاب کیا، منتخب کا دیباچہ حمد و صلوٰۃ سے سلک تحریر میں یوں منظوم کیا ہے: "الحمد للّٰه الذی علمنا من البیان ماھو مستطرف و الهمنا من الکلام ماھو مستطرف والصلوٰة والسلام علی من انزل علیه نون والقلم واسند الیه احادیث الکرم و علیٰ اٰله الذین وجب علینا

الاقتداء بآثارھم واصحابہ الذین حق علینا الاھتداء بانوارھم ''یعنی تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم کو وہ بیان سکھایا جو پسندیدہ ہے۔اور ایسے کلام کا الہام کیا جو نیا ہے اور درود وسلام اس ذات پر نازل ہو جس پر نون والقلم نازل کی گئی اور مہربانی کی باتیں اس کی طرف منسوب ہوئیں۔اور آپ کی ان آل پر جن کے آثار کی پیروی ہم پر واجب ہے اور ان صحابہ کرام پر جن کے انوار سے ہدایت حاصل کرنا ہم پر لازم ہے۔

(٦٦) میر محمد یوسف (سلمہ اللہ تعالیٰ) قدس سرہٗ

میر محمد یوسف بن سید محمد اشرف بن سید عبد العزیز بن سید معین الدین بن سید عبد اللطیف بن سید محمود اصغر بلگرامی قدس سرہٗ۔رفعت شان کے مالک اور صاحب کمال کے عزیز مصر ہیں۔زلیخائے دانش کی پیرانہ سالی کو جوانی کا جوڑا عنایت کیا ہے، اور علم کی کھیتی کو قحط سالی کے ایام میں انتہائی درجہ ارزاں بنادیا ہے۔جس کی باریک نگاہی، مشکل مسائل کی رگوں میں نشتر ہے، جس کی قوت حافظہ بے شمار معلومات کا پری خانہ ہے۔عمل جو علم کے شجر کا پھل ہے، اسی کے گلزار کا سرمایہ ہے۔صورت وسیرت جو آدمیت کا گل سرسبد ہے، اس کے گلستاں کی سجاوٹ ہے۔

ان کی ولادت اکیسویں شوال بروز دوشنبہ ۱۱۱٦ھ میں ہوئی۔میر محمد یوسف اور میں (آزاد) دونوں حضرت علامی میر عبد الجلیل بلگرامی کے نواسے ہیں، ہمارا نسب چار واسطوں سے مل جاتا ہے۔خالہ زادگی کی نسبت نے خصوصیت کو اور تازہ کردیا۔کتب درسی ابتدا تا انتہا استاذ المحققین میر طفیل محمد علیہ الرحمہ کی جناب میں پڑھی۔نعت وحدیث نبوی اور سیرت کی کتابیں قدسی مقام جدنا واستاذ نا علامہ مرحوم کی خدمت میں تحصیل کیں، پھر عروض وقافیہ اور بعض فنون ادب میر سید محمد سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت والا سے اخذ کئے۔تحصیل کا طریقہ یہ تھا کہ ہمیشہ دو

کتاب یا ایک ہی کتاب دو مقام سے ایک پڑھتا، دوسرا سنتا اور کوشش کا سمندر تحصیل کے میدان میں بھگاتا۔ اگر کسی کو کبھی کوئی عارضہ لاحق ہو جاتا تو دوسرے کا بھی سبق بند رہتا۔ وطن میں اقامت کے وقت، اکتساب علوم کے زمانے میں کچھ اوقات طلبا کے پڑھانے میں بھی صرف ہوتے تھے۔

سید العارفین سے ارادت

میر محمد یوسف نے ۱۱۵۷ھ میں دار الخلافہ شاہجہان آباد (دہلی) میں اس شہر کے بعض ریاضی داں عالموں سے علوم ریاضی، میں اعلی قدرت پیدا کرلی اور حساب وغیرہ بھی حاصل کئے اور فنون ریاضی بلند اقتدار پایا۔ سید العارفین قدس سرہ کی بیعت سے فائز ہیں۔ شریعت وطریقت کے سرمایۂ نصاب میں کامل ہیں، معاش میں شاغل رہنے کے باوجود اوقات کی تعمیر ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، شرائع کی حفاظت میں پوری جدوجہد کرتے ہیں۔

۱۱۶۲ھ میں مسئلہ توحید کی تحقیق میں ایک کتاب بنام ''الفرع النابت من اصل الثابت'' تالیف کی جو چار اصول اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ ان کا پسندیدہ مذہب وحدت شہود ہے۔ اس (کتاب) کی تحریر بہت متین اور لطیف ہے، اس میں انہوں نے بلند مقاصد اور بہترین مطالب فراہم کردیئے ہیں۔ اللہ ان کی کوشش قبول فرمائے۔ راقم الحروف کتاب کے اتمام کی تاریخ میں کہتا ہے ؎

۱- میر یوسف عزیز مصر کمال ازخم معرفت کشیدہ رحیق
۲- کر دور وحدت شہود رقم نسخۂ تازۂ بہ فکر عمیق
۳- از احادیث وازکلام اللہ کرد اثبات حق زہے توفیق
۴- ہست ایں نقش دل نشیں الحق یادگارے زخامۂ تدقیق
۵- سال تالیف ایں کتاب خرد گفت ''شمع مجالس تحقیق''

(۱۱۶۲ھ)

یعنی ۱- میر محمد یوسف عزیز مصر کی طرح باکمال ہیں، انہوں نے معرفت کے مٹکے سے خالص شراب (وحدت) کشید فرمائی ہے۔
۲- انہوں نے بڑی گہرائی و گیرائی کے ساتھ وحدت شہود کے بارے میں ایک نئی کتاب تصنیف فرمائی۔
۳- اللہ کے کلام اور احادیث سے حق ثابت کیا، کیا ہی اچھی توفیق پائی ہے۔
۴- بے شک یہ ایک دلنشیں تصنیف ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ یہ قلم تحقیق و تدقیق سے نکلی ہوئی ایک عظیم یادگار ہے۔
۵- اس کتاب کی تصنیف کا سال وہی ہے جو کہ ایک عقلمند نے کہی یعنی تحقیق کی مجلسوں کی یہ شمع ہے۔

(۶۷) سید سعد الدین قدس سرہٗ

سید سعد الدین بن سید جمال الدین بن سید مربی بلگرامی کہ جن کا تذکرہ مشائخ کی لڑی میں منظوم ہوا۔ سید سعد الدین نے تمام کتب درسیہ علی الترتیب میر سید نعمت اللہ، میر عبدالواحد اکبر بلگرامی کے تیسرے سجادہ نشین قدس سرہ کے پاس پڑھی اور بہترین استعداد پیدا کرلی، اس کے بعد کچھ عرصہ تدریس میں مشغول ہوئے، اس کے بعد نوکری کی دنیا میں پہنچ گئے اور کتاب کا شغل کچھ دنوں تک چھوٹ گیا، آخر کار نوکری سے ہاتھ کھینچ کر وطن میں مقیم ہوگئے اور اصلی سررشتہ میں منسلک ہوکر شغل کتاب وتدریس طلبہ میں مشغول ہیں۔

(۶۸) شیخ عثمان احمد قدس سرہٗ

خلف الصدق قاضی احسان اللہ عثمانی بلگرامی، ان کے والد آج کل شہر کے مسند قضا پر جلوہ افروز ہیں۔ شیخ عثمان احمد کو ابتدائے سن شعور میں خضر توفیق نے راہ

دکھائی، بلگرام سے طلب علم کے ارادے سے نکلے اور پورب کے طلبہ کی طرح گلگشتی کی، ملا عظیم الدین ساکن ملاوہ اور دوسرے فضلا سے تعلیم حاصل کی، فنون درسیہ کی کتابیں اوّل تا آخر علی الترتیب پڑھیں اور خود کو فضیلت کے بلند پایہ تک پہنچایا۔ اس وقت بلگرام میں تعلیم دینے میں مصروف ہیں اور دانش کا چراغ دانائی کی شاہراہ پر روشن کر رہے ہیں۔

(۶۹) سید غلام نبی قدس سرہٗ

سید غلام نبی بن سید محمد ارشد بن سید خضر بن سید کمال الدین بن سید پیارہ بن سید عالم بن سید حسین بن سید فضل اللہ اوپر کا نسب سید اجمل بلگرامی کے بیان کے تحت مذکور ہوا۔

موصوف ذہن صافی اور استعداد کافی رکھتے تھے، شروع کی مختصرات ملا قطب الدین گوپاموی کے بعض تلامذہ سے پڑھیں، منقولات پوری اور معقولات تھوڑی مولوی احمد اللہ کی خدمت میں پڑھیں، جو حاجی صفت اللہ خیر آبادی قدس سرہ کے شاگرد و جانشین ہیں، معقولات کی بڑی کتابیں زیادہ تر شیخ کمال الدین محمد سہالوی فتح پوری کی خدمت میں پڑھیں۔ چوں کہ مولوی احمد اللہ کے حقوق زیادہ تھے، اس لئے فاتحۂ فراغ شیخ کمال الدین محمد کو راضی کر کے مولوی احمد اللہ کی خدمت سے لی اور ہمعصروں کی جماعت میں ممتاز ہوئے۔

اورنگ آباد تشریف آوری

اس نسخہ (مآثر الکرام) کے مکمل ہونے کے بعد ۱۱۶۸ھ کے آخر میں کسی تقریب میں شرکت کے لئے سید غلام نبی نے بلگرام سے ارکات اور ترچنا پلی کا سفر کیا۔ مذکورہ سال میں ۲۰ رمحرم ۱۱۶۹ھ میں مذکورہ مقامات کے لئے سامان سفر باندھا۔ اب قلم ان اساتذہ کے احوال کہ جن کے نام اس بیان میں زبان پر

آئے، تحریر کرتا ہے اور بزرگوں کی خدمت کی راہ میں جہد کے قدم بڑھاتا ہے۔

(۷۰) مولوی قطب الدین گوپاموی قدس سرہٗ

گوپامؤ کے قاضیوں کے قبیلے اور شرفاء میں شمار ہوتے ہیں، آپ کا نسب فاروق اعظم امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد قاضی شہاب الدین زمانے کے علمائے اعلام میں تھے۔ تحصیل کمال مولوی عبد الرحیم شاگرد مولوی عبد الحکیم سیالکوٹی کی خدمت میں کی تھی، تمام علوم خصوصاً ہیئت و ہندسہ میں عدیم المثال تھے، ان کی وفات گیارہویں کے بعد تیسری دہائی میں ہوئی۔

مبلغ علم

مولوی قطب الدین والد بزرگوار کے شاگرد اور تمام معقول و منقول میں سردار زمانہ تھے۔ وارثتاً فنون ریاضی میں مہارت کا جھنڈا آسمان میں لہرا رہے تھے اور طالبان علوم کے ہلال کو کمال کی شعاعوں سے لبریز کرتے تھے۔

۲۵ رمضان ۱۱۶۰ھ میں آغوش بہشت میں آرام فرما ہوئے۔ محرر سطور کہتا ہے۔

۱- مولوی زمانہ قطب الدین کرد از عالم فنا رحلت

۲- سال تاریخ او طلب کردم ہاتفے گفت ''وارث جنت''

۱۱۶۰ھ

یعنی ۱- زمانے کے مولوی قطب الدین نے فنا ہونے والی دنیا سے کوچ فرمایا۔

۲- جب میں نے ان کی تاریخ کا سال تلاش کیا تو ہاتف نے کہا وہ جنت کے وارث ہیں۔

(۷۱) حاجی صفت اللہ خیرآبادی قدس سرہٗ

شیخ الہداد خیرآبادی قدس سرہٗ کے احفاد امجاد اور اجلۂ مشائخ و امرائے

فاضلین میں ہیں۔فنون عقلیہ ونقلیہ میں شان عالی اوروادی فقر میں طریق قدیم رکھتے ہیں،مولوی قطب الدین شمس آبادی کے شاگرد اور حاجی عبداللہ سیاح کے جوغوث الثقلین جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک خاندان سے ہیں، مرید ہیں،آپ نے سالہا سال مسند تدریس سجائی۔

کثیر فضلا آپ کے حاشیۂ دامن سے ابھرے،۱۱۲۴ھ میں دیار عرب کا احرام باندھا اور حج وزیارت کے مراسم ادا کرنے کے بعد چند دنوں تک حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا وکرامۃ میں اقامت فرمائی۔وہاں شیخ محمد طاہر مدنی نوراللہ ضریحہ سے حدیث کی سند حاصل کی،اس کے بعد ہنگامہ درس کو گرمی بخشی۔اس مقام کے تمام علماء نے آپ کے فضل وکمال کا اعتراف کیا، پورا اعزاز واکرام دیا،آپ کی درسگاہ میں عظیم حلقہ لگتا تھا۔ایک دنیا نے آپ کے فیض سے فائدہ حاصل کیا کاتب الحروف نے علمائے حرمین شریفین سے آپ کی بڑی تعریفیں سنی ہے۔آپ سے مستفید ہونے والے طلبہ آپ کی شاگردی پرفخر کیا کرتے تھے۔

مولوی صاحب تین حج ادا کرنے کے بعد وطن اصلی کی جانب واپس ہوئے۔اس دیار فیض آثار سے رجوع کرنے کے بعد معقولات کا درس ہمیشہ کے لئے موقوف کردیا،آخر عمر تک وعظ اور تدریس تفسیر وحدیث پر اکتفا کی۔اوقات شریفہ کو باطنی اشغال اور ریاضات شاقہ میں معمور رکھا۔۱۱۳۲ھ میں بلگرام تشریف لائے اور علامہ مرحوم میر عبدالجلیل سے ملاقات کی غرض سے میر صاحب کے دیوانخانے میں قیام فرمایا،اسی تقریب میں ان کی زیارت ہوئی ۔

۱۸/ذی القعدہ بروز جمعرات ۱۱۵۷ھ میں جوار رحمت (الٰہی) میں آسودہ ہوئے۔وطرفہ یہ کہ حاجی صفت اللہ کی تاریخ وفات ''ملا نظام الدین'' بنتی ہے جو ان کے معاصر ہیں،ان کا ذکر گزر چکا۔راقم اوراق کہتا ہے ۔

۱- بحر عرفاں صفت اللہ کہ بود عالم عامل والا رتبت

۲- خانۂ فکرت من تاریخش زد رقم ''صدر نشین جنت''

۱۱۵۷ھ

یعنی ۱-معرفت کا سمندر صفت اللہ جو عمل کرنے والے بلند مرتبہ عالم تھے۔
۲-میری غور وفکر کے قلم نے ان کی یہ تاریخ لکھی کہ وہ جنت کے صدر نشیں ہیں۔
عمر گرامی ۸۰/ سال ہوئی۔آپ کا مرقد منور خیر آباد میں ہے۔

مولوی احمد اللہ

آپ کے صاحبزادے مولوی احمد اللہ نے منقولات آپ (اپنے والد) کے پاس پڑھی۔معقولات شیخ کمال الدین محمد سہالوی فتح پوری کی خدمت سے اخذ کی پوری عمر گرامی علوم ظاہر کی تدریس اور طریقۂ باطن کی ہدایت میں مکمل کی،رجب المرجب کی نئے چاند کی رات میں ۱۱۶۷ھ میں نزہت کدۂ قدس میں آرام فرما ہوئے اور والد بزرگوار کے احاطہ کے بغل میں استراحت فرمائی۔

(۷۲) شیخ کمال الدین محمد (سلمہ) قدس سرہٗ

شیوخ انصاری ساکن سہالی سے ہیں اور ملا نظام الدین سہالوی قدس سرہ کی چچازاد اولادوں میں ہیں۔ان کے والد نے فتح پور میں جو سہالی سے تین کوس (نو کلومیٹر) دور ہے، وہاں کے مخدوم زادوں کے خاندان میں شادی کر لی اور وہاں کا عہدۂ قضا بھی حاصل کیا۔ان دونوں تقریبات کی بنا پر وہاں رہنا پڑا۔شیخ کمال الدین محمد فتح پور میں پیدا ہوئے۔

صبح شعور کے طلوع ہوتے ہی منازل علمی از بدایہ تا نہایہ ملا نظام الدین سہالوی کی رہنمائی میں طے فرمائی اور ملا صاحب کے تلامذہ میں فوقیت کا ڈنکا بجایا۔استاذ کی بارگاہ سے لے کر اب تک، بڑی مدت ہوئی کہ تدریس وتصنیف کا مسند آراستہ کئے ہوئے ہیں۔خلق کثیر آپ کی تربیت کی برکت سے مرتبۂ فضیلت

کی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ آپ کی طبع والا کے نتائج سے ''العروۃ الوثقیٰ'' علم کلام میں اور حاشیہ شرح عقائد جلالیہ ہے۔

(۷۳) مولف سواد بندۂ آزاد (قدس سرہٗ)

فقیر نے پیشتر ہی فقراء کی صف نعال میں روشناسی کا رتبہ حاصل کیا ہے، اس انجمن میں بھی فضائل مرتبت بھائی میر محمد یوسف سلمہ اللہ تعالیٰ کی مشارکت میں خود کو اعزۂ کرام کا طفیلی بنایا ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ حرمین شریفین کی سرگزشت ارباب توجہ تک پہنچادوں اور اس مقام کو حجاز دلنواز کے نقش سے ممتاز کردوں۔

سرکار دو عالم ﷺ کی خواب میں زیارت

جلوۂ احمدی کا شیدا اور فتراک محمدی کے شکار نے کمسنی ہی میں ایک خواب دیکھا کہ مکہ معظّمہ زادہا اللہ تعظیما میں حاضر ہوں اور جناب سید المرسلین ﷺ مسجد کی ایک محراب میں کھڑے ہیں۔ فقیر نے حضور اقدس ﷺ میں حاضری دی حضور ﷺ نے خوب توجہ فرمائی اور مسکراتے لبوں سے چند باتیں استفسار فرمائیں۔ اب تک وہ جمال جہاں آرا خاص کر تبسم مبارک کی چمک میری نگاہ میں ہے، اسی وقت سے جب بھی یہ خواب یاد آتا تو شوق کی زنجیر ہلا جاتا۔ آخر کار عنایت احمدی کے جذبے نے بیخود کردیا اور شرار ناتوانی کو آسمانی بجلی کی ہمت بخشی۔

حجاز مقدس کا سفر

رجب بروز دوشنبہ ۱۱۵۰ھ مطابق عدد ''سفر خیر'' پیدل تنہا بلگرام سے سفر شروع کیا۔ احباء واقرباء کو ایسا غافل کیا کہ اگر یہ لوگ پتہ پاتے تو راہ مقصود میں آڑے آتے۔ راقم الحروف نے اسی سفر کے واقعات میں ایک مثنوی لکھی ہے جس کا نام طلسم اعظم رکھا جو سفر کے افتتاح کی تاریخ بھی ہے، آغاز مطلب اس عنوان سے کیا ہے۔

۱- دمے صبح کہ مہر عالمتاب سر بر آورد از نشیمنِ خواب
۲- جلوہ گر شد بہ کرسیِ مینا بادل گرم و دیدۂ بینا
۳- داد رنگِ صفا بہ چہرۂ زرد کہ وضوئے بہ آب شبنم کرد
۴- بسکہ در سجدہ سود پیشانی کرد سیمائے خویش نورانی
۵- گرم شد در رہ خدا طلبی بست احرام جانب غربی
۶- شد جلو ریز سوئے بیت اللہ بہ سر و دیدہ زد قدم در راہ
۷- طرفہ بانگے بگوش ما آمد از پس پردہ ایں ندا آمد
۸- کاے میاں بستہ در مقام ادب آتش تازۂ نسیم طلب
۹- گوہرت شبنمے ست قابل دید خیز از جا کہ خواندت خورشید
۱۰- گر ترانیست طاقت پائے روز بخشد ترا توانائے
۱۱- بال بر ہم زن از طپیدن دل رشتہ بر پا اگر بود بگسل
۱۲- گرچہ باشد تراپا زنجیر قطرہ زن ہمچو آب بازنجیر
۱۳- ایں صدا شور عشق در جاں ریخت صد گل داغ در گریباں ریخت
۱۴- دامن ہمتے زدم بہ کمر جستم از قید سنگ ہمچو شرر

یعنی ۱- ایک صبح جب کہ خورشید عالم تاب نے خواب کے نشیمن سے اپنا سر مبارک باہر نکالا۔
۲- ہوشیار دل اور دیدۂ بینا کے ساتھ کرسی مینا (نقش ونگار کی کرسی) پر جلوہ افروز ہوا۔
۳- اپنے چہرۂ زرد کو صاف رنگ دیا گویا شبنم کے موتیوں (پانی) سے وضو کیا ہو۔
۴- اس نے سجدے میں بہت زیادہ پیشانی رگڑی جس سے اپنی پیشانی کو نورانی بنایا۔
۵- خدا طلبی کی راہ میں تیز رفتاری اختیار کی اور مغرب کی سمت احرام باندھا۔
۶- بیت اللہ کی جانب جلوہ ریز ہوا اور سر وآنکھوں کے بل راستے میں قدم رکھا۔
۷- عجب طرح کی میرے کانوں میں ایک آواز آئی پردے کے پیچھے سے نداء آئی۔
۸- اے شخص! جس نے کہ مقام ادب میں کمر کسا ہے، نسیم سے تازہ جوش طلب کر۔

۹- تیرا گوہر دیکھنے کے لائق ایک شبنم ہے، اپنی جگہ سے اٹھ جا کہ تجھ کو خورشید بلاتا ہے۔
۱۰- اگر تیرے پیروں میں چلنے کی قوت نہیں، تو دن تجھ کو طاقت دے گا۔
۱۱- دل کی تپش سے پر (پرواز) پھڑ پھڑا، پیر میں اگر بیڑی ہو تو اسے توڑ ڈال۔
۱۲- اگر تیرے پیر میں زنجیر پڑی ہو تو پانی کی طرح زنجیر سمیت تیز بھاگ۔
۱۳- اس آواز نے عشق کا شور جان کے اندر پیدا کر دیا، پھول کے سینکڑوں داغ گریبان میں ڈال دیئے۔
۱۴- میں نے دامن ہمت کمر سے کس لیا ہے اور پتھر کی قید سے چنگاری کی طرح نکل بھاگا۔

سید غلام حسین کا تعاقب

فقیر کے اہلبیت تین روز کے بعد آگاہ ہوئے اور حیرت سے انگشت بدنداں رہ گئے۔ غفران مآب سید غلام حسن فقیر کے سگے بھائی نے تین منزل تک پیچھا کیا۔ آخر پھندے سے نکلے ہوئے وحشی کو پکڑنا دشوار دیکھ کر واپس ہو گئے۔ کیونکہ دور بینی کی وجہ سے نعل الٹی لگائی اور جو راستہ غیر معروف تھا، اسے اختیار کیا۔ کلک سخن ریز راہ کی دشواریاں بیان کرتا ہے۔

۱- داغ ایں راہ مرغ وہم و خیال زخم مقراض بیم در پر وبال
۲- رہزنان صف کشیدہ چوں صف خار ہمہ مضراب تشنۂ رگ تار
۳- برنہ خیز دزپا فتادۂ او مار خوابیدہ است جادۂ او
۴- پیک ایں راہ تیر ناوک دار جامہ ازتن کند دم رفتار
۵- رہزنش کاسہ از گدا گیرد خاراو دامن ازہوا گیرد

یعنی ۱- وہم و خیال کا پرندہ اس راستے کی مصیبت ہے۔ پر و بال میں قینچی کے زخموں کا ڈر ہے۔
۲- کانٹوں کی صف کی طرح ڈاکوؤں نے راستہ کاٹ رکھا ہے، تمام کے تمام منتشر دل کی تشنگی کے شکار ہیں۔

۳-اس کے پیروں کا گرا ہوا کھڑا نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کا راستہ سوئے ہوئے سانپ کی طرح ہے۔

۴-اس راستے کا قاصد تیز رفتار تیر کی طرح ہے جو چلنے میں بدن سے کپڑے نوچ لیتے ہیں۔

۵-اس کا رہزن فقیر کے ہاتھ سے کاسہ چھین لیتا ہے، اس کا کانٹا ہوا سے دامن کھینچ لیتا ہے۔

پیادہ پائی اور پیروں کی تکلیف

القصہ سرونج توابع مالوہ تک کا راستہ پیدل طے ہو گیا۔ چونکہ قدم پیادہ گردی سے کبھی آشنا نہ تھے، اس لئے پیروں کے آبلے خوشۂ انگور بن گئے اور کانٹوں نے بھڑوں کے چھتے کا کام کیا۔

۱-می بریدم رہے بہ بے پائی	بارفیقے کہ بود تنہائی
۲-صبح تا شام راہ می رفتم	خونچکاں ترز آہ می رفتم
۳-ہمہ کہسار ودشت ناہموار	قدم مور وایں رہ دشوار
۴-ہر قدم رودہا وجیحونہا	چوں دم تیغ تشنۂ خوں ہا
۵-موج خوں ناب وجوشِ آبلہا	ریخت درراہ رنگ سلسلہا
۶-فکر ہا دست زد بہ دامن دل	کرد شمشیر کلفتم بسمل

۱-میں نے لاچاری سے راستہ طے کر لیا، ایسے رفیق کے ساتھ جو کہ تنہائی تھی۔

۲-صبح سے شام تک راستہ طے کر رہا تھا، آہ و بکا سے زیادہ خون بہاتا چل رہا تھا۔

۳-تمام کی تمام پہاڑیاں اور ناہموار راستے ہیں، چیونٹی کے مانند پیر ہے اور یہ راستے دشوار گزار ہیں۔

۴-قدم قدم پر ندیاں اور دریا ہیں، جو تلوار کی نوک کی طرح خون کے پیاسے ہیں۔

۵-خون ٹپکانے والی موجوں اور آبلوں کے جوش نے راستے میں خوشنما رنگ بکھیر دیئے ہیں۔

۶-طرح طرح کے افکار نے دامن دل پر چوٹیں لگائیں اور مصائب کی تلوار نے مجھے مرغ بسمل بنا دیا۔

مالوہ میں نواب آصف جاہ سے ملاقات

اتفاقاً نواب آصف جاہ کے جھنڈے ان دنوں دیار مالوہ میں سایہ فگن تھے، قائد قسمت نے میری لگام اس لشکر کی طرف کھینچی اور تازہ عنایت ربانی جلوہ فرما ہوئی یعنی ایک عزیز نے بغیر پہلے کی آشنائی کے اپنے مہمان خانے میں جگہ دی نیازمندی کے رسوم حد سے زیادہ پیش فرمائے اور بہلی رتھ سواری کے لئے نذر کیا زبان خامہ رتھ کی تعریف میں چلتی ہے۔

۱-ارت رنگیں لباس خوش الوان — راہ رفتے بسان تخت رواں
۲-تازہ گردوں دو ثور پیش نگاہ — در چپ وراست چار ہالۂ ماہ
۳-ایں چہ گردوں بروئے ہامون است — ایں چہ تدویر ہائے موزوں است
۴-رقص تدویر ہا بچشم خیال — گردش نرگس رمیدہ غزال
۵-کشتیٔ تازۂ رواں در بر — نکند طے راہ بے لنگر
۶-می کشد کوہ کوہ بارگراں — سیر و دورش چہ مایہ فیض رساں
۷-مختلف کارہا از وحاصل — مرکب راہ وخیمۂ منزل
۸-بالش وفرش وخوش مکاں دارد — مجلس ساکن و رواں دارد
۹-قدم سالکانہ دار دپیش — نہد پا بروں زجادۂ خویش
۱۰-چہ عجب گر زیادہ راہ رود — ہر قدم بردو جادہ راہ رود
۱۱-حسن خلقی عجب بہ کار برد — خادم خویش را سوار برد
۱۲-یادریں خانہ بشکن و بشتاب — در سفر لذت وطن دریاب

یعنی ۱-رنگین رتھ اوراس پر رنگ برنگ خوشنما پردے، وہ تخت رواں کی طرح راستہ چلتا تھا۔
۲-عمدہ رتھ جس کی نظر کے سامنے دو بیل اور چار دائیں بائیں چاند کے ہالے کی طرح تھے۔
۳-میدان وصحرا میں یہ رتھ کتنا اچھا ہے، اس کے پہیے کس قدر موزوں ہیں۔
۴-چشم خیال میں پہیوں کا رقص بھاگتی ہوئی ہرنی کی نرگسی آنکھوں کی گردش کی طرح ہے۔

۵- یہ رتھ عمدہ کشتی کی طرح خشکی پر چل رہا ہے، بغیر لنگر کے وہ راستہ نہیں چلتا۔

۶- ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ تک بھاری بوجھ کھینچ رہا ہے، اس کی چال و چکر کیسی فیض رسا پونجی ہے۔

۷- اس سے مختلف کام انجام پاتے ہیں، وہ راستے کی سواری اور منزل میں خیمے کا کام دیتا ہے۔

۸- اس میں تکیے بستر اور عمدہ جگہ موجود ہے، جو سفر و حضر میں مجلس کا لطف دیتے ہیں۔

۹- راستہ طے کرنے کیلئے قدم آگے بڑھاتا ہے اور جادۂ مستقیم سے قدم باہر نہیں نکالتا۔

۱۰- اگر وہ زیادہ سفر کرتا ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ کیونکہ اس کا ہر قدم دو راستوں پر چلتا ہے۔

۱۱- یہ عجیب اچھے اخلاق سے کام لیتا ہے، اپنے خادم کو سوار کر کے لے جاتا ہے۔

۱۲- اس گھر میں پاؤں توڑ کر بیٹھ اور دوڑ لگا، اور سفر میں وطن کی لذت محسوس کر۔

بائیسویں شعبان سال مذکور نواب آصف جاہ مرحوم سے ملاقات ہوئی اور یہ رباعی اس قاصر کے نتیجۂ فکر سے زبان تک آئی ۔

۱- اے حامیٔ دیں محیط جود و احساں حق داد ترا خطاب آصف شایاں

۲- او تخت بدرگاہ سلیماں آورد تو آل نبی را بہ در کعبہ رساں

یعنی ۱- اے دین کے حامی بخشش اور احسان کا سمندر، حق تعالیٰ نے آپ کو آصف جاہ کا لائق خطاب عطا فرمایا۔

۲- وہ آصف سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں بلقیس کا تخت لایا تھا، آپ نے نبی کریم ﷺ کی آل کو کعبہ کے دروازے تک پہنچا دو۔

فقیر نے موزونیٔ طبع کے باوجود اغنیا کی مدح میں پوری عمر کبھی زبان نہیں کھولی مگر یہ رباعی جو سفر بیت اللہ کی استعانت کی خاطر سرزد ہوئی اور دو شعر عربی کے جو دفتر ثانی میں نواب نظام الدولہ شہید کے ترجمے میں مذکور ہونگے۔

القصہ اس علاقے میں نواب آصف جاہ افواج مرہٹہ کی تنبیہ میں لگے ہوئے تھے۔ تمام رمضان بھوپال شہر کے اطراف میں جنگ کی آگ بھڑکائی۔ قیامت کا زلزلہ قائم تھا۔ اس جنگ کے بارے میں قلم اس طرح بیان کرتا ہے۔

۱-فوج اسلام و کفر صف آراست	طرفہ شور قیامتے برخاست
۲-کرۂ آتشیں توپ و تفنگ	کرۂ نار ساخت عرصۂ جنگ
۳-کافراں چوں سپند در فریاد	رفت از خاک آتشیں برباد
۴-چوں ہماں ناوک سبک رفتار	زدہ در مغز استخواں منقار
۵-من ہم آں روز در صف اسلام	با یکے ذوالفقار خوں آشام
۶-قدم پر دلانہ افشر دم	حملہ ہا بر مخالفاں بردم
۷-تشنگیہائے روزۂ رمضان	کردہ از کام تا جگر بریاں
۸-سفر کعبہ و صیام و جہاد	ایں سہ دولت مرا بہم مرا رو داد

یعنی ۱- اسلام اور کفر کی فوجیں صف باصف کھڑی ہیں، عجب قیامت کا سا ہنگامہ ہے۔
۲-توپ اور رائفلوں نے میدان جنگ کو کرۂ نار اور کرۂ آتشیں بنا دیا ہے۔
۳- کافر آگ کے کیڑوں کی طرح فریاد کر رہے ہیں اور آگ اگلتی ہوئی سرزمین سے سب برباد ہو گئے ہیں۔
۴- دھیمی چال والے ہما کی مانند چھوٹے چھوٹے تیروں نے ہڈیوں کے گودے میں اپنی چونچیں گاڑ دیں۔
۵- میں بھی اس روز اسلامی صفوں میں خون کی پیاسی ایک تلوار لئے ہوئے موجود تھا۔
۶- بہادری سے میں نے قدم آگے بڑھایا اور مخالفوں پر حملہ کر دیا۔
۷- روزۂ رمضان کی تشنگی نے تالو سے لے کر جگر تک کباب کر دیا۔
۸- سفر کعبہ، روزہ اور جہاد تینوں سے میں ایک ساتھ سرفراز ہوا تھا۔

مکة المکرمة میں احادیث کا درس

رمضان کے آخر میں صلح ہوگئی۔ نواب زادہ کی مدد سے خاطر خواہ توشہ اور سواری مل گئی میں شوال کے شروع میں اسی سال شہر بھوپال سے نکلا۔ اکیسویں شوال کو دار السرور برہانپور کی سیر سے مسرور ہوا، نیز اسی سال دس ذی القعدہ کو سورت پہنچا۔ چوبیس ذی القعدہ کو جہاز میں بیٹھا اور کرۂ خاکی سے کرۂ آبی پر آ گیا۔ ۱۱۵۱ھ کے پہلے ہلال نے عین دریا میں اپنا گوشہ آبرو دکھایا۔ اٹھارہ محرم کو کشتی جدہ کے ساحل پر پہنچی۔ انیس محرم الحرام کو جدہ شہر میں پہنچا۔ شیخ محمد فاخر متخلص بہ زائرالہ آبادی جن کا ذکر جلد ثانی (سرو آزاد) میں آرہا ہے، جدہ میں تشریف رکھتے تھے۔ فقیر کی آمد کی خبر اس جہاز کے آدمیوں سے پاکر جو ہمارے جہاز سے دو دن پہلے پہنچا تھا۔ دریا کے کنارے انتظار کر رہے تھے۔ میں نے جوں ہی سمندر سے خشکی پر قدم رکھا ملاقات ہوگئی، عجیب خوشی حاصل ہوئی، تیئیس محرم کو ام القریٰ (مکہ معظمہ) شرفہا اللہ تعالیٰ پہونچ کر سرمایہ سعادت جمع کیا۔ جبین نیاز کو بیت اللہ کی چوکھٹ پر گھس کر تاباں کیا، چونکہ مدینۂ سکینہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کا شوق جلوریز تھا، اس لئے اپنے اندر صبر کی طاقت نہ پاکر ۲۶ محرم کو روز جمعہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد مدینۂ مقدسہ کا راستہ لیا، پچیسویں صفر کہ میں اسی تاریخ میں پردۂ عدم سے شہرستان ہستی میں ظاہر ہوا تھا اور قدم چھتیسویں منزل میں رکھ چکا تھا، صبح کے وقت مدینہ منورہ کے گردونواح کے نظارے کو آنکھوں کا سرمہ بنایا، آرزومند آنکھوں کو روضۂ اقدس کے قبے پر ملا۔ اس شہر مطہر میں اقامت کے مہینوں میں صحیح بخاری کی سند مولائی واستاذی شیخ محمد حیات سندی مدنی نور اللہ ضریحہ کی خدمت میں حاصل کی۔ صحاح ستہ اور مولانا کے تمام مفردات کی اجازت حاصل کی۔ بہت سی راتوں کو بیت الحرام اور منبر والا کے درمیان مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھتا، صحیح بخاری کا مطالعہ کرتا اور یہ غزل وہیں پر مدح اقدس میں زبان نیاز سے ادا ہوئی۔

۱- نمود جلوۂ اعجاز شمع مطلبی نہ ماند شوخئ چشم شرار بولہبی

۲- فدائے خاصیت وادئ عقیق شوم کہ کرد ریگ روانش علاج تشنہ لبی

۳- زیارت تو کند آفتاب ہر شب نذر رود صباح جلوریز جانب غربی

۴-زبسکہ ذوق شکست تو داشت ساغر ماہ گرفت رنگ نزاکت زشیشۂ حلبی
۵-خوش است حسن تقاضاز باغبان کریم نصیب ذائقۂ ام کن حلاوت رطبی
۶-بہ آفتاب نبوت رساندہ ایم نسب تواں زذرۂ ما دید نور خوش نسبی
۷-بملک ہند چوں من نیست طوطیِ آزاد کہ کرد تربیت من شکر لب عربی

اشعار کا ترجمہ

۱-شمع مطلبی نے ایسا جلوۂ اعجاز دکھایا کہ اس کے بعد شرار بولہبی کی شرارت باقی نہیں رہی۔
۲-میں قربان جاؤں وادی عقیق کی خاصیت پر جس کی اٹھتی ہوئی ریت نے میری تشنہ لبی کا علاج کیا۔
۳-ہر شب آفتاب تیری زیارت کر کے صدقے اتارتا ہے اور صبح میں جلوے بکھیرتے ہوئے مغرب کا سفر کرتا ہے۔
۴-چاند کے پیالے کو تیری شکست کے ذوق کا بیحد لطف ہے، اس نے نزاکت کا رنگ حلبی شیشے سے پایا ہے۔
۵-سخی مہربان باغباں سے حسن تقاضا کتنا اچھا ہے، میں ذائقے کا خواہش مند ہوں، تر کھجور کی چاشنی عطا فرما۔
۶-آفتاب نبوت ﷺ تک میرا نسب پہنچتا ہے، مجھ ذرۂ ناتواں میں خوش نسبی کا نور دیکھا جا سکتا ہے۔
۷-ہندوستان میں آزاد کی طرح کوئی نغمہ سراں طوطی نہیں کیونکہ عربی ہونٹوں کی مٹھاس نے میری تربیت فرمائی ہے۔

نیز ایک عربی قصیدہ نعت والا سلک نظم میں آچکا ہے جسے روضۂ منورہ پر پیش کیا۔ نسخہ ''تسلیۃ الفؤاد فی قصائد آزاد'' جو ان دنوں عربی زبان میں لکھا جارہا ہے، اس میں مندرج ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا سفر

چودھویں شوال ۱۱۵۱ھ کو بارگاہ رسالت پناہ ﷺ سے ادائیگی حج کی رخصت لی، چھبیسویں شوال مکہ معظمہ خوش نصیبی سے پہنچا پھر ذی الحجہ میں مناسک حج پورے ہوئے وقوف عرفات بروز جمعرات واقع ہوا۔ ''عمل اعظم'' ادائے حج کی تاریخ ہے اللھم اصلح اعمالنا وحقق اٰمالنا بالرکن والمقام و عتبة سید الانام علیه و علیٰ آله و صحبه الوف الصلوٰة والسلام۔

شیخ عبد الوهاب کی شاگردی

مکہ معظمہ اور معدن لطائف طائف میں شیخ عبدالوہاب طنطاوی قدس سرہ کی صحبت پائی، فن حدیث کے فوائدان سے حاصل کئے۔ نئے سال یعنی ۱۱۵۲ھ نے مکہ معظمہ میں چہرہ روشن کیا اور اسی سال نو ربیع الاول میں خطۂ طائف کی سیر کی۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مرقد مطہر کی زیارت کی اور سرمایۂ سعادت ہاتھ لایا۔ محرر اوراق کہتا ہے ؎

۱-اے صبا رو بہ مزار پسر عم نبی خاک آں روضہ کم از عنبر تر نشناسی
۲-کردہ ام خوب تماشا چمن طائف را نرسد ہیچ گل او بہ گل عباسی

یعنی ۱-اے صبا! نبی اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی کے مزار پر جا، اس روضہ شریف کی مٹی کو عنبر سے کم نہ سمجھنا

۲-میں نے طائف کے چمن زاروں کی اچھی طرح سیر کی ہے لیکن اس کا کوئی پھول عباسی پھول کی برابری نہیں کر پاتا۔

وطن واپسی

ربیع الآخر کے آخر میں تین بار طواف وداع بجالایا اور جدہ کی طرف رخ موڑا۔ تین جمادی الاولیٰ کو اسی سال جہاز میں بیٹھا، آٹھ روز کے اندر ''مخا'' کے ساحل پر پہنچا، جو یمن کی ایک بندرگاہ ہے، چار روز تک ''مخا کے سامنے لنگر انداز رہا جس سے اس مبارک مقام کی سیر میسر آئی، اور شاذلی قدس سرہ کی ضریح

مبارک کی زیارت سے بے شمار برکتیں حاصل کی۔ انتیس جمادی الاولی کو جہاز ساحل سورت سے آ لگا، دو جمادی الآخرۃ کو اس مبارک بندرگاہ میں اترے۔ یہاں جہاز فیض طراز کا سفر پورا ہوا۔ واپسی کی تاریخ ''سفر بخیر'' سے پائی گئی رب اختم سفرنا بالخير والسلامة وارزقنا ثقل الموازين يوم القيامة بجاه فص خاتم الجلالة وخاتم صحيفة الرسالة عليه و علىٰ آله و صحبه افضل الصلوٰت واكمل التسليمات۔

اور یہ غزل ام القریٰ کی یاد اور سرسبز زمانے کی یاد میں سامنے آئی ۔

۱-من از بوس حجر در کعبہ دل را شادمی کردم
مسی مالیدہ یاقوت کسے را یاد می کردم

۲-زیارت می نمودم کعبہ راز گردش رنگے
بحکم شوق طوف تازۂ ایجاد می کردم

۳-دریں دار الاماں مشتاق تیغ قاتلے بودم
زبیتابی طواف خانۂ صیاد می کردم

۴-چو آواز جرس از کارواں ہم پیش می رفتم
بیاد لیلیٰ محمل نشیں فریاد می کردم

۵-بصحراہا غزالاں راسلام از دور می گفتم
بہ گلشنہاز میں بوس گل و شمشاد می کردم

۶-زعکس غیر صافی داشتم آئینہ دل را
بہ صاحب خانۂ ایں خانہ را آبادی کردم

۷-اگر آزاد پائے سعی من از کارواں ماندے
بہ پائے ہمت والائے خود امداد می کردم

۱-کعبہ معظمہ میں حجر اسود کو بوسہ دیکر میں شادکام ہوتا تھا اور اس یاقوتی پتھر کو

چھوتے ہوئے کسی ذات کریم کو یاد کررہا تھا۔

۲-ایک خاص قسم کی گردش سے کعبے کی زیارت کرتا تھا۔شوق کے حکم سے بار بار تازہ طواف کرتا تھا۔

۳-اس دار الامان میں میں شمشیر براں کا مشتاق تھا اور بیتابی کے ساتھ احکم الحاکمین کے گھر کے طواف میں مشغول تھا۔

۴- گھنٹے کی آواز کی طرح قافلہ سے آگے چلا جا رہا تھا،محمل نشیں لیلیٰ کی یاد میں آہ وبکا کررہا تھا۔

۵-جنگلوں میں میں دور ہی سے ہرنوں کو سلام بھی کرتا تھا،باغات میں پھولوں اور شمشاد کی زمین بھی چومتا تھا۔

۶-غیر کے عکس سے آئینۂ دل کو صاف رکھے ہوئے تھا،گھر کے مالک سے اس گھر کو آباد کرتا تھا۔

۷-آزاد !اگر میری کوششوں کے پیر کارواں سے عاجز رہ جاتے تھے تو اپنی بلند ہمت کے قدموں سے ان کی مدد کررہا تھا۔

ایک تاریخی پھول جسے میں نے چمن اعجاز سے چنا ہے،دیکھئے اور ایک عمدہ عطر جسے دریائے قدس کے عنبر سے نچوڑا،ہے سونگھئے۔

۱-ایں نامۂ خاص روح پرور	ما اطیبہ تمامہ مسک
۲-انجام بعون ایزدی یافت	تاریخ شنو’’ختامہ مسک

(۱۱۶۶ھ)

۱-یہ روح پرور مخصوص کتاب،کتنی اچھی ہے وہ پوری ہی مشک ہے۔

۲-اللہ تعالیٰ کی نصرت سے پوری ہوئی،اسکی تاریخ سنو’’ختامہ مسک‘‘ ہے۔

تمت بالخیر

مختصر سوانح علامہ زبیدی بلگرامی وتبرکات

محمد یونس رضا مونس اویسی رضوی

حضرت علامہ مرتضٰی زبیدی بلگرامی قدس سرہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرزمین بلگرام بڑی اہمیت وخوبی کی حامل ہے، زمانے کے دانشوران خواہ اپنے ہوں یا بیگانے سبھوں نے اسے خراج عقیدت پیش کیا ہے یہاں ۶۱۴ھ/۱۲۱۷ء میں فاطمی پھول، مجمع البحرین، امام زمانہ سید محمد صاحب دعوت صغریٰ علیہ الرحمہ نے فاتحانہ شان کے ساتھ قدم رنجہ فرما کر اسے کفرستان سے نجات دلا کر گلستان اسلام، مرکز دین مبین، مرکز علم وادب بنادیا۔ ساتویں صدی سے لیکر آج تک اس عظیم الشان بزرگ سید محمد علیہ الرحمہ کی احفاد سے دین ودنیا کی دانشوری میں یکتا و ماہر شخصیات جنم لیتی رہی ہیں، یوں تو انکے سبھی شہزادوں کی خصوصیات وکمالات کا احاطہ مشکل امر ہے، یہاں ان کے ایک نبیرہ کا ذکر مطلوب ہے جنہوں نے عرب دنیا میں مقبولیت عامہ حاصل کی ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں آج تک اتنی مقبولیت کسی شیخ وعالم کو نہ ملی جتنی کہ آپ کے ایک صاحبزادہ یعنی علامہ مرتضٰی بلگرامی کو ملی۔ وہ عرب دنیا کے مسلم بزرگ اور بڑے عالم ہیں چوں کہ اس کتاب میں حسان الہند علامہ آزاد بلگرامی نے مشاہیر فقرا و فضلا کا ذکر فرمایا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ عالمی شہرت یافتہ شیخ وعالم حضرت علامہ مرتضٰی زبیدی بلگرامی کا بیان ہو جو تیرہویں صدی ہجری کے ''مجدد'' اور کئی بڑی بڑی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

سلسلۂ نسب:

علامہ سید علی مقتدیٰ (سید محمد مرتضٰی) (۱) بن سید محمد بن سید محمد قادری بن سید ضیاء اللہ (عبدالرزاق) بن سید خان محمد بن سید عبدالغفار بن سید تاج الدین (جد

(۱) حضرت شاہ سید محمد قادری علیہ الرحمہ کے بیان میں فقیر کا حاشیہ ملاحظہ کریں۔ اویسی غفرلہ

قبیلہ تاجوزئی) بن سید حسین عرف دولارا، بن سید حسن، بن سید محمود مدہن بن سید بڑھ بن سید جمال الدین بن سید ابراہیم بن سید ناصر علی بن سید مسعود بن سید سالار بن سید محمد صغریٰ (فاتح بلگرام، جد سادات صغروی) بن سید علی بن سید حسین بن سید ابوالفرح ثانی بن سید ابوالفراس بن سید ابوالفرح واسطی قدس سرہٗ بن سید داؤد بن سید حسین بن سید یحییٰ بن سید زید بن سید علی بن سید حسن بن سید علی عراقی بن سید حسین بن سید علی بن سید محمد بن سید عیسیٰ موتم الاشبال بن زید شہید بن امام زین العابدین بن سید نا امام حسین شہید سبطِ (رسول) بن امام ہمام اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب زوج فاطمہ الزہراء بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (روضۃ الکرام)

آپ کی ولادت با سعادت محلّہ میدانپورہ قصبہ بلگرام میں ۱۱۴۵ھ میں ہوئی۔ ''عقود جواہر المنیفہ'' کے ترجمۃ المؤلف میں ہے: ولد رحمہ اللہ تعالیٰ سنة خمسين واربعين ومئة والف فی بلجرام فی الشمال الشرقی من بلاد الهند۔ (عقود،۱/۷) اور ''ھدیۃ العارفین'' میں ہے: مرتضیٰ الزبیدی -السيد محمدبن محمد بن محمد بن عبدالرزاق ابو الفيض الزبيدی اليمنی ثم المصری الحنفی الفقيه اللغوی الصوفی الشهير بالمرتضی ولد سنة ۱۱٤٥ وتوفی سنة ۱۲۰۵ خمس ومأتين والف۔

(هدية العارفين اسماء المولفين وآثار المصنفين من كشف الظنون لاسماعيل باشا البغدادی مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت،لبنان٦/٣٤٧) اور صاحب تاریخ جبرتی ۱۳ رویں صدی کے علما کے تذکرہ میں سب سے پہلے آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ومات شيخنا علم الاعلام والساحر اللاعب بالافهام الذی جاب فی اللغة والحديث كل فج و خاض من العلم كل لج المذلل له سبل الكلام الشاهد له الورق والاقلام ذو المعرفة

والمعروف وهو العلم الموصوف العمدة الفهامة والرحلة النسابة الفقيه المحدث اللغوي النحوي الاصولي الناظم الناثر الشيخ أبو الفيض السيد محمد بن محمد بن محمد بن عبدالرزاق الشهير بمرتضى الحسيني الزبيدي الحنفي هكذا ذكر عن نفسه و نسبه ولد سنة خمس واربعين ومائة والف،كما سمعته من لفظه ورايته بخطه۔ (تاريخ عجائب الآثار في التراجم والأخبار للجبرتي ۲ر ۱۰۴،۱۰۳،مطبوعه دارالفارس بيروت)

تقریباً ۱۸،۱۹؍سال کی عمر میں حرمین شریفین چلے گئے اور وہاں سے یمن و مصر وغیرہ کا قصد فرمایا اور وہیں کمالات کا حصول کیا اور اپنی انجمن سجایا،آپ کو ۱۳؍ویں صدی ہجری کے مجدد ہونے کا شرف حاصل ہے۔حضرت مولانا عبدالاول جونپوری فرماتے ہیں:سید مرتضیٰ بلگرامی حسینی حنفی قادری زبیدی امام لغت،ادیب،جامع علوم عقلیہ ونقلیہ محدث،فقیہ تھے۔۱۱۴۵ھ میں قصبۂ بلگرام میں پیدا ہوئے اور اوائل عمر میں ۱۱۶۴ھ میں حرمین شریفین پہنچے بعد تحصیل علوم کے مدت تک شہر زبید میں مقیم رہے پھر وہاں سے مصر تشریف لے گئے اور وہاں عرصے تک مسند افادت پر متمکن رہے۔آپ کو ۱۳؍ویں صدی کا مجدد بھی کہتے ہیں۔(مقدمہ مفید المفتی ص ۱۳۵؍مطبوعہ مجمع فیض دہلی گلی قاسم جان)

آپ نہایت خوبصورت متناسب الاعضا اور نحیف بدن اور ذھبی اللون پرکشش تھے۔آپ عمدہ لباس زیب تن فرماتے اور اہل مکہ کی طرح عمامہ شریف سر پر سجاتے تھے۔قاموس کی شرح کی تکمیل کے بعد آپ نے حضرت زبیدہ علیہا الرحمہ سے نکاح فرمایا اور ایک زمانے تک ان کے ساتھ رہے،کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ۱۱۹۶ھ میں حضرت زبیدہ آپ کو داغ مفارقت دے گئیں،ان کے لئے آپ نے قصیدہ بھی کہا ہے۔

أعـادل مـن يـرزأ كرزئي لا يزل
كـئيباً ويزهد بعده في العواقب

دوسرا قصیدہ یہ ہے:

يـقـولـون لا تبك زبيـدة واتـئـد
وسـل هـمـوم النفس بالذكر والصبر

فتـأتـي لـي الأشجان من كل وجهة
بـمـخـتـلف الاحـزان بـالهـم والفكر

ان کے بعد آپ نے دوسرا نکاح فرمایا مگر ان سے بھی کوئی اولاد نہ ہوئی۔

آپ نے مصر و یمن میں متعدد شیوخ وقت اساتذۂ کرام سے مختلف علوم و فنون کا تلمذ کیا اور مہارت تامہ حاصل کی۔ آپ کے مشہور اساتذۂ کرام شیخ عبد اللہ سندی، شیخ عمر بن احمد بن عقیل مکی، عبد اللہ سقاف، محمد بن علاء الدین مزجاجی، سلیمان یحیٰ، سید عبد الرحمن عیدروس، شیخ علی مقدسی حنفی، شیخ احمد ملوی، جوہری، حفنی، بلیدی، صعیدی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی اساتذہ ہیں۔

آپ نے تحصیل علم کے بعد مختلف مقامات پر درس و تدریس کی محفل سجائی، اس صدی کے بڑے بڑے امرا، شاہان زمانہ، علما، فقہا، مشائخ آپ کے تلامذہ ہیں۔ شیوخ ازہر بھی آپ کے درس میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ پر پوری تفصیل تاریخ للجبرتی میں ملاحظہ کر سکتے ہیں اس میں مکمل ۱۲ر صفحے آپ کے تذکرہ پر مشتمل ہیں۔ کئی ملکوں میں آپ کی شہرت تھی جہاں سے آپ کے قدردان ہدایا و تحائف بھیجتے تھے۔ مگر آپ ان کا ذخیرہ نہیں فرماتے تھے۔ آپ ہمیشہ درس و تدریس، تالیف و تصنیف میں مصروف رہے۔ آپ کی تصانیف مختلف علوم و فنون، تفسیر، فقہ، تصوف، لغت، تاریخ، سیر، نحو، صرف وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ مندرجہ ذیل کتابیں آپ کی عظیم الشان یادگار اور اسلام کا بہترین خزانہ ہیں:

(۱)اتحاف الاصفياء بسلاك الاولياء(۲) اتحاف اهل الاسلام بما يتعلق بالمصطفى و آل بيته الكرام (۳)اتحاف السادة المتقين فى شرح احياء علوم الدين (٤)اتحاف سيد الحى بسلاسل بنى طى (٥)الاحتفال بصوم السبت من شوال(٦) الاربعون المختلفة فيما وردن فى الاحاديث فى ذكر عرفة(٧)اسعاف الاشراف مقامة(٨) اسعاف الراغبين فى سيرة المصطفى و فضائل آل بيته الطاهرين (٩)اعلام الاعلام بمناسك بيت الله الحرام (١٠)الفية السند و مناقب اصحاب الحديث (١١)الانتصار لوالد النبى المختار(١٢)ايضاح المدارك عن نسب العواتك (١٣)بذل الجهود فى تخريج حديث شيتبتى سودة هود (١٤)بلغة الاديب فى مصطلح آثار الحبيب (١٥)تاج العروس من جواهر القاموس (١٠/جلدوں میں) (١٦)ترويح القلوب بذكر ملوك بنى ايوب (١٧)التعليقة على مسلسلات ابن عقيلة(١٨)التفتيش فى معنى لفظ درويش (١٩)تكملة القاموس للفيروز آبادى (٢٠)تنبيه العارف البصير على اسرار الحزب الكبير(٢١)تنسيق قلائد المنن فى تحقيق كلام الشاذلى ابى الحسن (٢٢)عقود الجواهر المنيفة فى اصول ادلة مذهب الامام ابى حنيفة(٢٣)حديقة الصفا فى والدى المصطفى (٢٤)حسن المحاضرة فى آداب البحث والمناظرة(٢٥)حكمة الاشراق الى كتاب الآفاق (٢٦)رشف زلال الرحيق فى نسب حضرة الصديق رضى الله عنه (٢٧)رشقة المدام المختوم

البكـرى من صفـوة زلال صبـغ القطب البكـرى(٢٨)رفع الشكوى لعـالـم السروالنجوى(٢٩)رفع الكل عن العلل (٣٠)رفع قاب الحقا عمن اتمى الى وفاوابى الوفا (٣١)زهر الاكام المنشق عن جيوب الالهام بشرح صيغة سيدى عبد السلام(٣٢) شـرح الـصدر فـى شـرح اسـمـاء اهـل بدر(٣٣)العروف المجلية فى طرق حديث الاولية(٣٤)العقد التمين فى طرق الالباس والتلقين(٣٥)عقيلة الاتراب فى سند الطريقة والاحزاب(٣٦)قلنسوة التاج رسالة الفه باسم ابن بدير المقدسى(٣٧)القول المثبوت فى تحقيق لفظ التابوت (٣٨)كشف الغطا عن صلاة الوسطى(٣٩)كشف اللثام عن آداب الايمان والاسلام (٤٠)لقط اللآلى من الجوهر الغالى فى اسانيد الاستاذ الحفنى(٤١)المربى الكابلى فيمن روى عن الشمس البابلى(٤٢)المرقاة العلية بشرح الحديث المسلسل بالاولية(٤٣)المقا العندية فى المشاهد النقشبندية(٤٤)المنح العلية فى الطريقة النقشبندية(٤٥)منح الفيوضات الوفية فيما فى سورة الرحمن من اسرار الصفة الآلهية(٤٦)المواهب الحليلة فيما يتعلق بحديث الاولية(٤٧) مواهب رب البرية بالاملائج الشيخونية(٤٨)النفحة القدسية فى واسطة البضعة العيد روسية(٤٩)نشوة الارتياح فى بيان حقيقة الميسر والقداح (٥٠)النوافح المسكبة على الفوائح الكشكية(٥١) هدية الاخوان فى شجرة الدخان۔

(هدية العارفين اسماء المولفين وآثار المصنفين من كشف الظنون لاسماعيل باشا البغدادى

مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت،لبنان ٦/ ٣٤٧)

آپ وصال کے سال گوشہ نشین ہو گئے تھے۔شعبان میں جمعہ کے دن ۱۲۰۵ھ کو نماز جمعہ کے لئے مسجد کردی تشریف لے جارہے تھے کہ مرض طاعون نے گھیر لیا آپ گھر واپس لوٹے اور اسی حالت میں جام شہادت نوش فرماتے ہوئے مالک حقیقی سے جاملے اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت زبیدہ علیہا الرحمہ کے جوار میں سیدہ رقیہ علیہا الرحمہ کے مزار کے پاس قاہرہ میں مدفون ہوئے (۱)۔

(۱) آپ کے یہ مختصر حالات مندرجہ ذیل کتابوں سے ماخوذ ہیں:
الاعلام: ۷/ ۷-۲۹۷/ السر المصون للشیخ طاھر الجزائری- فہرس الفہارس للکتانی ۱/ ۳۹۸-۴۱۳/ تاریخ الجبرتی ۲/ ۱۹۶-۲۱۰/ الخطط التوفیقیۃ ۲/ ۳-۱۴/ ھدیۃ العارفین ۲/ ۳-۳۷۴/ ایضاح المکنون ۱/ ۱۵-۱۸، ۱۹/ لخ معجم المؤلفین ۱۲/ ۲۸۲-۲۸۲/ نور الابصار للشیخ سعید الشبلنجی۔ روضۃ الکرام، مقدمہ مفید المفتی۔ اویسی غفرلہ

خانقاہ بلگرام کے تبرکات وآثار

انبیاء کرام ورسلان عظام علیہم السلام اور بزرگان اسلام کے آثار وتبرکات کی عظمت ورفعت اوراس سے خوش عقیدہ مسلمانوں کی عقیدت ومحبت مسلمات سے ہیں کہ آثار وتبرکات کی افادیت واہمیت قرآن عظیم اوراحادیث شریفہ مبارکہ سے ثابت ہے، اسکی عظمت بجالانا بہت بڑی سعادت ہے اوراس کی برکتوں سے انکارمحرومی وعداوت ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام اور سرور کائنات حضور اکرم علیہ التحیۃ والثناء کے ادوار مبارکہ سے لیکر آج تک خوش عقیدہ مسلمان کا عمل بتاتا ہے کہ اسے احترام و عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، قلب وجگر سے لگاتے اور مصدر فیوض و برکات اور سرمایۂ حیات سمجھتے ہیں۔ قرآن واحادیث میں اسکی صراحت ہے کہ معظمان دین سے منسوب اشیاء تبرکات وآثار ہیں اوران سے تحصیل برکات کے متعدد واقعات سے تاریخ مملوومزین ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں روتے روتے سفید ہوگئیں، جب حضرت یوسف علیہ السلام تخت شاہی پر رونق افروز ہوئے اور گھر والوں کے حالات معلوم ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

''میری قمیص لے جاؤ اور میرے باپ کے چہرے پر ڈال دوان کی آنکھیں روشن ہوجائیں گی'' (ترجمہ آیت مقدسہ)

چنانچہ مفسرین نے فرمایا کہ اس کرتا مبارک سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔

ایک سائل نے امام اہل سنت اعلیٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے

دریافت کیا کہ ایک خطیب کہتا ہے کہ اللہ کے رسول علیہ السلام کا کوئی تبرک اور کوئی آثار شریفہ سے کوئی چیز باقی نہیں نہ صحابہ کے پاس تبرکات سے تھا، نہ کبھی کسی نبی کے آثار سے کچھ تھا۔

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

ایسا شخص آیات واحادیث کا منکر اور سخت جاہل خاسر اور گمراہ فاجر ہے، اس پر توبہ فرض ہے اور بعد اطلاع بھی تائب نہ ہو تو ضرور گمراہ بد دین ہے۔ بیشک سب میں پہلا گھر لوگوں کے لئے مقرر فرمایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہاں کو راہ دکھاتا ہے اور اس میں کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ (قرآن) مولی سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ بنی اسرائیل کے نبی (حضرت شمویل علیہ السلام) نے فرمایا کہ سلطنت طالوت کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں رب کی طرف سے سکینہ ہے اور موسی وہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں، فرشتے اسے اٹھا کر لائیں۔ بیشک اس میں تمہارے لئے عظیم نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ وہ تبرکات کیا تھے موسی علیہ السلام کا عصا اور ان کی نعلین مبارک اور ہارون علیہ السلام کا عمامہ شریف وغیرہ ان کی تبرکات تھیں کہ بنی اسرائیل اس تابوت کو جس لڑائی میں آگے کرتے فتح پاتے۔ اور جس مراد میں بھی اس سے توسل کرتے اجابت دیکھتے۔ وکیع بن جراح وسعید بن منصور وعبد بن حمید ابن ابی حاتم وابوصالح تلمیذ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی تابوت میں سے موسی وہارون علیہما السلام کے عصا اور دونوں حضرات کے ملبوس اور توریت کی دو تختیاں اور قدرے من کہ بنی اسرائیل پر اترا۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حجام بلد کر سر مبارک کے داہنی جانب کے بال مونڈنے کا حکم دیا پھر ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر وہ سب انہیں عطا فرما دیئے۔ پھر بائیں جانب کے بالوں کا حکم فرمایا

اور ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیئے کہ انہیں لوگوں میں تقسیم کر دو۔ صحیح مسلم میں حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ انہوں نے ایک اونی جبہ کسروانی ساخت نکالا، اس کی پلیٹ ریشمی تھی، اور دونوں چاکوں پر ریشم کا کام تھا۔ اور کہا یہ رسول اللہ کا جبہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔ ان کے انتقال کے بعد میں نے لے لیا، نبی ﷺ اسے پہنا کرتے تھے۔ تو ہم اسے دھو دھو کر مریضوں کو پلاتے اور اس سے شفا چاہتے۔

یہ چند احادیث خاص صحیحین سے لکھ دیں اور یہاں احادیث میں کثرت اور اقوال ائمہ کا تواتر بشدت اور مسئلہ خود واضح اور اس کا انکار جہل فاضح لہٰذا صرف ایک عبارت شفا شریف پر اقتصار کریں فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کا ایک جزیہ بھی ہے کہ جس چیز کو حضور سے علاقہ ہو اور مقامات مکہ و مدینہ، حضور ﷺ نے اسے چھوا ہو یا حضور پاک ﷺ کے نام سے پہچانی جاتی ہو اس سب کی تعظیم کی جائے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں چند موئے مبارک تھے، کسی لڑائی میں وہ ٹوپی گر گئی، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے ایسا شدید حملہ کیا جس پر اور صحابہ نے انکار کیا، اس لئے اس شدید و سخت حملے میں بہت سے مسلمان کام آئے، خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا یہ حملہ ٹوپی کے لئے نہ تھا بلکہ موئے مبارک کے لئے تھا کہ مبادا اس کی برکت میرے پاس نہ رہے اور وہ کافروں کے ہاتھ نہ لگے۔ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا گیا کہ منبر اطہر سید عالم ﷺ کو جو جگہ جلوس اقدس کی تھی اسے ہاتھ سے مس کر کے وہ ہاتھ انہوں نے منہ پر پھیر لیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ناخن مبارک ترشوا کر غلاموں کو عطا فرمائے (احمد) نیز حضرت انس کے پاس حضور علیہ السلام کے نعلین مبارک اور پیالہ شریف کی گراں بہا دولتیں موجود تھیں (بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ لحاف اور تہبند شریف سنبھال رکھا تھا۔ جس میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف ہوا۔ (بخاری، مسلم)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام عمارہ رضی اللہ عنہا، حضور اقدس علیہ السلام کے موئے مبارک زیارت کراتیں بلکہ وہ تمام تبرکات جو حضرت ام المومنین کے پاس موجود تھے، ان کی زیارت کرائی جاتی۔

مجدد اول خلیفۂ راشد سید التابعین سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جذبات عقیدت کے بارے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات وتبرکات میں سے بعض چیزیں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تھیں جنہیں انہوں نے ایک کمرہ میں احترام کے ساتھ محفوظ کر رکھا تھا اور ہر روز ایک بار ان تبرکات کی زیارت کیا کرتے تھے۔ سادات و اشراف میں سے جب کوئی آپ سے ملاقات کے لئے آتا تو اسے بھی آپ ان کی زیارت کراتے اور عرض کرتے کہ یہی تبرکات تو میرا سرمایہ ہیں۔ اور فرماتے یہ اس ذات کی میراث ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت وتکریم سے نوازا ہے۔

کمرہ کے اندر رکھے ہوئے تبرکات یہ تھے چارپائی، چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایک جوڑہ موزہ، چکی اور ترکش جس میں چند تیر تھے۔ تکیہ کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کی چکنائی کا اثر تھا، ایک شخص کو سخت بیماری لاحق ہوئی جس سے اسے شفا نہیں مل رہی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے اس کے بارے میں ذکر کیا گیا۔ اور پھر آپ کی اجازت سے اس چکنائی میں سے کچھ دھو کر بیمار کی ناک میں ٹپکا دیا گیا جس سے وہ تندرست ہو گیا (مدارج النبوۃ)

مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی لکھتے ہیں:

وہ تمام مقامات جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے ان کی تعظیم اور ان تمام

جگہوں کا احترام جہاں نبی ﷺ سکونت پذیر رہے اور ان مقامات کی توقیر جہاں نبی ﷺ کے تشریف لے جانے یا نماز پڑھنے کی عادت کریمہ تھی اور ان تمام چیزوں کی تکریم جنہیں نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ پاؤں یا پہلو سے مس فرمایا ہو یا کسی جگہ کو یہ شہرت حاصل ہو۔ ان سب کی تعظیم وتوقیر دراصل ذات نبی ﷺ کی تعظیم وتوقیر ہے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ان تبرکات وآثار سے متعلق بدرالانوار میں فرماتے ہیں:

تواتر سے ثابت کہ جس چیز کو کسی طرح حضور اقدس ﷺ سے کوئی علاقہ بدن اقدس سے چھونے کا ہوتا، صحابہ، تابعین اور ائمہ دین ہمیشہ اس کی تعظیم و حرمت اور اس سے طلب برکت فرماتے آئے اور دین حق کے معظم اماموں نے تصریح فرمائی کہ اس کے لئے کسی سند کی بھی حاجت نہیں بلکہ جو چیز حضور اقدس ﷺ کے نام پاک سے مشہور ہو اس کی تعظیم شعائر دین سے ہے۔ شفا شریف مواہب لدنیہ اور مدارج شریف وغیرہا میں ہے:

"من اعظامه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اعظام جميع اسبابه و مالمسه اوعرف به صلى الله تعالىٰ عليه وسلم"

یعنی رسول اللہ ﷺ کی تعظیم میں سے ہے ان تمام اشیاء کی تعظیم جن کو نبی ﷺ سے کچھ علاقہ ہو اور جسے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چھوا ہو یا جو حضور کے نام پاک سے مشہور ہو۔ ابھی تصریحات ائمہ سے معلوم ہو گیا کہ تعظیم کے لئے نہ یقین درکار ہے نہ کوئی خاص سند بلکہ صرف نام پاک سے اس شی کا اشتہار کافی ہے ایسی جگہ تعظیم سے باز نہ رہے گا مگر بیمار دل، پر آزار دل جس میں نہ عظمت شان محمد رسول اللہ ﷺ بروجہ کافی، نہ ایمان کامل۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَاِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ۔

اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر اور اگر سچا ہے تو تمہیں پہونچ

جائیں گے بعض وہ عذاب جن کا وہ تمہیں وعدہ دیتا ہے۔اور خصوصاً جہاں سند بھی موجود ہو پھر تعظیم،اعزاز اور تکریم سے باز نہیں رہ سکتا مگر کوئی کھلا کافر یا چھپا منافق۔العیاذ باللہ تعالی۔

فاتح بلگرام ،فاطمی پھول مجمع البحرین امام زمانہ حضرت علامہ شاہ سید محمد صغریٰ علیہ الرحمہ جد اعلیٰ سادات بلگرام،مارہرہ ،مسولی وغیرہ اور ان کی اولاد ۶۱۴ھ سے ''بلگرام'' کی سرزمین سے اسلام کی ترویج واشاعت میں مصروف عمل ہیں،شریعت وحقیقت ،معرفت وطریقت کی جامع ،دین و دنیا کی برکات سے متصف اشخاص معرض وجود میں آتے رہے زمانہ ان کے فیضان سے مالا مال ہوتا رہا ہے۔خانقاہ بلگرام،شخصیات بلگرام کی تعریف وتوصیف زمانے کے بڑے بڑے مشائخ ،علما ،فضلا ،اقطاب ،مجددین مفکرین ،مدبرین نے کیا ہے۔اور وہ ہر نوع ولحاظ سے قابل تعریف بھی ہے،خانقاہ قادریہ چشتیہ رزاقیہ برکاتیہ صغرویہ کی گدی ہمیشہ باکمال حضرات سجادگان سے پرنور و پررونق رہی ہے۔مگر اسکی ایک نمایاں خصوصیات سے یہ بھی ہے کہ یہاں سرکار ابد قرار مدنی تاجدار ﷺ کے تبرکات اور آپ ﷺ کے آل پاک کی تبرکات وآثار،اور متعدد ومشائخ کرام و بزرگان عظام سے منسوب تبرکات آثار ہیں۔بلگرام شریف سے حضرت علامہ شاہ سید محمد اجمل حسین علیہ الرحمہ (جنکی شادی مدینہ منورہ میں اور اولادو ہیں آباد ہیں) سید العارفین حضرت علامہ شاہ سید لطف اللہ عرف لدھا بلگرامی،حضرت علامہ سید شاہ محمد قادری بلگرامی ،حضرت علامہ شاہ سید باسط علی بلگرامی بتوسط حضرت علامہ سید محمد مرتضی بلگرامی زبیدی، وغیرہ کے توسل سے حضور اکرم علیہ السلام اور اہل بیت کرام اور عرب مشائخ عظام کے تبرکات پہنچے ہیں۔بہت سے آثار وتبرکات خانقاہ بلگرام سے دوسری خانقاہوں ،بزرگوں کو منتقل ہو چکے ہیں،فی الحال جو تبرکات ''خانقاہ شریف''میں سیدنا ومرشدنا رئیس الاتقیاء سند الاصفیا حضرت علامہ

شاہ سید محمد اویس مصطفیٰ واسطی قادری دام ظلہ العالی کی تحویل میں ہیں اور سرکار علیہ السلام اور اہل بیت کرام اور مکۃ المکرّمہ کو منسوب ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) موئے مبارک۔ ۱رعدد جس میں متعدد شاخیں ہیں ایک شاخ جدا بھی ہو چکی ہے۔

(۲) پتھر پر دائیں قدم شریف کا نشان۔ ۱رعدد

(۳) پتھر پر بائیں قدم شریف کا نشان۔ ۱رعدد

(۴) غلاف کعبہ شریف، مکمل

(۵) رداء مبارکہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ ۱رعدد

(۶) قدرتی علَم شریف۔ حضرت عباس علمدار کا جو کربلا کے معرکہ میں ہاتھ میں تھامے ہوئے تھے۔ (علَم کے سب سے اوپر جو چاند نما یا گنبد نما کوئی چیز لگائی جاتی ہے) وہی اوپری حصہ خانقاہ بلگرام شریف میں موجود ہے حضرت سیدنا سید العارفین سید لطف اللہ عرف لدہا میاں علیہ الرحمہ کو ۷رمحرم الحرام کو وہ علم شریف ملا تھا، آپ زیارت حرمین طیبین، کربلا اور دیگر مقامات مقدسہ کی زیارت سے فراغت کے بعد وطن بلگرام واپس ہوئے وہ تاریخ بھی ۷رمحرم الحرام تھی۔ اس نسبت سے علَم شریف ۷رمحرم الحرام حضور صاحب سجادہ کے بڑے بھائی، ڈاکٹر حضرت سید بادشاہ حسین واسطی مدظلہ حویلی سے باہر نکالتے ہیں اور اسکی عام زیارت کراتے ہیں۔ بقیہ تبرکات کی زیارت ۱۲رربیع النور وہاں کی دیگر تقریبات میں بھی کرائی جاتی ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد تبرکات، اکابر اولیاء و مشائخ سے منسوب ہیں ان کی بھی زیارت کرائی جاتی۔ (۱)

(۱) قرآن عظیم، بخاری شریف، مسلم شریف، بدرالانوار از امام اہل سنت قدس سرہ، سیدین نمبر وغیرہا سے ماخوذ ہے۔ اویسی غفرلہ

نذرانۂ عقیدت درشانِ حسان الہند
علامہ غلام علی آزاد بلگرامی

اے بہارِ باغِ زہرا بلگرامی یا مَن
بھیک لینے تیرے در پہ آئے ہیں اہل سُنن

تیرے در کی عظمتیں کیسے بیاں آزاد ہوں
آئیں عاصی عصیاں سے شاہ شہاں آزاد ہوں

اللہ اللہ ! رفعت دربارِ والا کیا کہوں
تاجدارِ وقت آئیں برہنہ پا کیا کہوں

تاجِ خود راکاسہ کردہ گوید اینجا تاجور☆
بھیک دیدو ہم کو بھی شہزادۂ خیر البشر

ان دعاؤں کی اجابت کرتا ہے رب غفور
جو کہ تیرے در پہ مانگے بندۂ بیکس حضور

ہم پریشاں حال ہیں ناگفتہ بہ حالت ہوئی
ہم کو تیرے فیض کی سرکار اب حاجت ہوئی

اب بنا دینا شہا بگڑے ہوئے ہر کام کو
دور کر دینا ہمارے رنج و غم آلام کو

ہم کو حاصل ہو شفا اور دور ہوں بیماریاں
کُن نگاہِ لطف و رأفت سوئے جملہ سُنیاں

اب تو کرنا نام لیوا پر شہا ایسا کرم
خلدِ طیبہ دیکھ لوں میں دیکھ لوں پیارا حرم

دولتِ علم و عمل ،زہدوورع بھی بخش دے
ایک جرعہ جامِ عرفاں سے پلا دینا مجھے

اے میرے حسّان ہندی اس مشاہد کو بنا
گلشنِ عشقِ نبی کا عندلیب خوشنوا

جناب محمد حسین مشاہد رضوی مالیگاؤں مہاراشٹر

☆ یہ مصرع حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری مدظلہ کے دیوان سے ماخوذ ہے۔

ڈیڈیکیشن

یہ کتاب جو علماء ومشائخ بلگرام کے حالات میں ہے، میں ایک ایسے عالی ہمت، فیاض طبع، جامع علوم مشرقی ومغربی، پاک نفس، نیک نہاد شخص کے نام ڈیڈیکیٹ (نامزد) کرتا ہوں جو نہ صرف فخر بلگرام ہے بلکہ فخر قوم وملک ہے، وہ کون؟

آنیربل (معزز) نواب عماد الملک عماد الدولۃ موتمن جنگ علی یار خان بہادر مولوی سید حسین بلگرامی سی ایس-ای ممبر انڈیا کونسل لندن کیا بلحاظ وسعت علم و فضل وشرافت ونجابت اور اعلیٰ وپاکیزہ اخلاق اور کیا بلحاظ عزت وقعت قومی ہمدردی اور ملکی خیرخواہی مسلمانان ہند میں اس وقت اپنی نظیر نہیں رکھتے۔

نواب صاحب ممدوح نے قومی اور ملکی بہبودی کے ہر ایک کام میں جس کشادہ پیشانی اور فراخ حوصلگی سے اعانت فرمائی ہے اور خصوصاً اس زمانے میں مسلمانان ہند پر جو احسانات فرمائے ہیں وہ محتاج بیان نہیں ہیں۔ لہٰذا ہم نہایت دلی جوش ومسرت کے ساتھ اس کتاب کو جو علم تاریخ کا ایک نایاب خزانہ ہے اور جو انہی کے ایک نامور ہموطن حسّان الہند "میر غلام علی آزاد بلگرامی (نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ)" نے انہیں کے برگزیدہ اسلاف واجداد کے تذکرے میں لکھی ہے، انکے احسانات کے شکریہ میں جو انہوں نے اہل علم اور عموماً اہل اسلام پر فرمائے ہیں نواب صاحب ممدوح کے نام نامی کے ساتھ نسبت دینے کی عزت حاصل کرتے ہیں۔ مصرعہ "گر قبول افتد زہے عز وشرف"

خاکسار عبد اللہ

پبلشر کتاب ہذا کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن

۷ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۷ھ

نوٹ: مآثر الکرام کے پبلیشر نے مآثر الکرام کو مولوی سید حسین علیہ الرحمہ کے نام انتساب کیا ہے۔

توجہ طلب

''مآثر الکرام'' کے جس نسخہ کو سامنے رکھ کر ترجمہ کیا گیا ہے ،اس پر بابائے اردو عبدالحق صاحب کا ۱۵ر صفحے پر مقدمہ بزبان اردو ہے اس نسخہ کو عبداللہ خاں مینجر کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن نے باہتمام خود شائع کیا ہے۔ بابائے اردو نے اپنے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ کتاب کے اخیر میں فخر ہندستان علامہ زبیدی علیہ الرحمہ صاحب تاج العروس کے حالات درج کر دیئے ہیں لیکن اس نسخہ میں حالات نہیں ہیں اس لیئے میں نے علامہ کے مختصر حالات کو بیان کر دیا ہے۔ جسے بابائے اردو کا مقدمہ درکار ہو فارسی نسخہ کی طرف مراجعت فرمائیں۔ اویسی غفرلہ



Ma'asir-ul-Kiram Tarikh-e-Bilgiram

Hazrat Allama Meer
Syed Ghulam Ali Aazad Bilgirami

Translator:
Hazrat Mufti
Yunus Raza Monis Uwaisi

CENTRE OF ISLAMIC STIDIES
JAMIAT-UR-RAZA
Markaz Nagar, Mathura Pur
C.B. Ganj, Bareilly Sharif,
U.P. Pin. 243502 (INDIA)